خطیبانہ انداز میں منفرد تذکرۂ رسول ﷺ

خطبات سیرتِ مصطفیٰ ﷺ



سکینگ

دینی کتابوں کا مرکز

جلد سوئم



تالیف

پروفیسر حافظ عبدالستار حامد

خطیبانہ انداز میں منفرد تذکرۂ رسول ﷺ

خطبات سیرت مصطفیٰ ﷺ

جلد سوئم

تالیف

پروفیسر حافظ عبدالستار حامد



مکتبہ اسلامیہ®

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب

خطباتِ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ

تالیف

پروفیسر حافظ عبدالستار حامد

ناشر ---------------- حماد پبلیکیشنز

اشاعت ---------------- 2019ء

ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ®

لاہور G/F-26 بادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

0300-0997821-22-23-24 ، 042-37244973-37232369

فیصل آباد بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد

0300-0997826-27-28 ، 041-2631204-2641204

0300-8661763 0321-8661763

www.facebook.com/maktabaislamia1

maktabaislamiainfo@gmail.com

www.maktabaislamia.com.pk

وَأَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ
وَأَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

ترجمہ:

اور آپ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں گویا آپ کی ذات اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے



اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى
اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى
اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ



فہرست عناوین

تیسرا خطبہ:

سخاوتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

چوتھا خطبہ:

عدالتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

پانچواں خطبہ:

استقامتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

چھٹا خطبہ:

عبادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ساتواں خطبہ:

شرافتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آٹھواں خطبہ:

شفقتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

نوواں خطبہ:

تلاوتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

دسواں خطبہ:

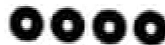
قناعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

گیارہواں خطبہ:

خطابتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (اول)

بارہواں خطبہ:

خطابتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (دوم)



مصنف کا مختصر تعارف

نام: عبد الستار حامد

ولدیت: حاجی نیک محمد رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ ولادت: 18 فروری 1960ء

جائے ولادت: منڈی ڈھاباں (صفدر آباد) ضلع شیخوپورہ

تعلیمی کوائف: فاضل جامعہ اسلامیہ۔ گوجرانوالہ

فاضل وفاق المدارس السّلفیہ۔ پاکستان

ایم اے اسلامیات (پنجاب یونیورسٹی)، فاضل عربی (لاہور بورڈ)

اساتذہ کرام:
- امام المحدثین حضرت مولانا ابوالبرکات احمد رحمۃ اللہ علیہ
- شیخ الادب حضرت قاری محمد یحییٰ خان بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ
- شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اعظم رحمۃ اللہ علیہ
- استاذ العلماء مولانا حافظ محمد الیاس اثری حفظہ اللہ
- استاذ القراء قاری احمد دین، لاہور
- استاذ الحفاظ قاری محمد صابر چنیوٹی

موجودہ ذمہ داری:
- خطیب جامع مسجد توحیدیہ اہلحدیث۔ وزیر آباد
- ایسوسی ایٹ پروفیسر مولانا ظفر علی خان گورنمنٹ ڈگری کالج، وزیر آباد

تالیفات:

1۔ خطبات سورۃ فاتحہ
2۔ خطبات قرآن جلد اول
3۔ خطبات آیۃ الکرسی
4۔ خطبات سورۃ یوسف
5۔ خطبات سورۃ کہف
6۔ خطبات سورۃ مریم
7۔ خطبات سورۃ نور
8۔ خطبات سورۃ یٰسین
9۔ خطبات سورۃ الحجرات
10۔ خطبات سورۃ التکاثر
11۔ خطبات سورۃ العصر
12۔ انوار رمضان
13۔ انوار الصلاۃ
14۔ توحید اور شرک کی حقیقت
15۔ خطبات سیرۃ مصطفیٰ ﷺ جلد اول، دوئم اور سوئم

عرض مؤلف

میں صدقِ دل سے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں صمیم قلب کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ بے شک جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے، اس کے سچے رسول اور آخری نبی ہیں۔ جنہیں رب العالمین نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو پوری انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ اور بہترین نمونہ قرار دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے"۔

آپ ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت اور اُلفت ایمان کا جزوِ لا ینفک بلکہ عین ایمان ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ» [1]

"تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے لیے میں اُسکی اولاد، اُس کے والدین اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں"۔

محبتِ رسول کا اولین تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی کامل اطاعت و اتباع کی جائے، سیرتِ مصطفیٰ کو اپنایا جائے اور اسوۂ حسنہ پر عمل کیا جائے۔

طریقہ رسول کی پیروی تکمیل ایمان کی بنیادی شرط ہے، ہر مسلمان کے تمام افعال و اعمال اور احوال و اقوال کا سیرت مصطفےٰ ﷺ کے مطابق ہونا اشد ضروری ہے بلکہ مومن کامل کی خواہشات، تمنائیں اور آرزوئیں بھی آپ ﷺ کی تعلیمات و ہدایات کے تابع ہونی چاہئیں۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبة رسول الله.....:۴۴

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ» [1]

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں"۔

سیرت مصطفیٰ ﷺ ہی وہ واحد "منبع ہدایت" ہے جس پر عمل کر کے انسان ذنیوی اور اُخروی کامیابی حاصل کر سکتا اور اپنی کھوئی ہوئی منزل پا سکتا ہے، عروج و ترقی اور رفعت و بلندی کے تمام راستے "سیرت طیبہ" کی شارع قدیم سے نکلتے اور ہدایت و رحمت کے تمام چشمے یہیں سے پھوٹتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہی "راہ نجات" اور آپ کا "اسوۂ حسنہ" ہی گوہر مقصود تک رسائی کا "صراط" ہے۔ سیرت رسول ہی امت کی وحدت کا راز اور انسانیت کی روحانی معراج ہے، یہی جادۂ حق، سبیل ہدایت اور راستہ جنت ہے۔

اہل اسلام کو سیرت نبوی کے چشمہ صافی سے سیراب اور اُسوۂ حسنہ سے فیض یاب کرنے کی خاطر ہم نے مطالعہ کے ذوق جدید کے مطابق "مضامین سیرت" کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ الحمد للہ اس سلسلۃ الذہب کی تیسری کڑی "خطبات سیرت مصطفیٰ ﷺ" آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

ہمارے خیال میں اُمت کی زبوں حالی، بے بسی اور کسمپرسی کی ایک بہت بڑی وجہ "اُسوۂ حسنہ" سے دوری اور سیرت رسول ﷺ سے بے اعتنائی ہے۔ آج ضرورت ہے کہ امتِ مسلمہ کا ہر فرد سیرت نبوی ﷺ کی طرف رجوع کرے، اپنی زندگی کے تمام معاملات و معمولات اُسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں انجام دے اور دنیا و آخرت میں سرخروئی اور کامیابی حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

راقم

عبد الستار حامد

وزیر آباد

09-12 -2017

---

(1) شرح السنة، باب رد البدع والاهواء: ۱۰۴، قال النووی فی اربعینه رویناه فی کتاب الحجة باسناد صحیح

1

صداقتِ مصطفیٰ ﷺ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

تعریفات الٰہی، رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام اور اسلاف امت کے لئے دعاء مغفرت کے بعد!

سورۃ الاحزاب کی تلاوت کردہ آیت مبارکہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ نبی اکرم، رسول معظم، رحمت عالم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کی سیرت و کردار ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے "اسوہ حسنہ" یعنی بہترین نمونہ ہے، لہٰذا تمام اہل ایمان کو اپنی انفرادی، اجتماعی، معاشی اور معاشرتی، سیاسی، خاندانی اور تجارتی زندگی میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کر کے اپنے تمام معاملات و معمولات اسی کے مطابق انجام دینے چاہئیں تاکہ انہیں دنیا و آخرت میں سرخروئی، کامیابی اور کامرانی حاصل ہو سکے۔ آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال میں انسانی حیات کے تمام پہلوؤں کیلئے رہنمائی موجود ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت پاک کے رہنما اصولوں میں ایک "صداقت و سچائی" بھی ہے لہٰذا ان گزارشات و معروضات میں ہم ان شاء اللہ العزیز آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کے اسی پہلو کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

یاد رکھیے! بحیثیت مسلمان ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص

آپ ﷺ کی سیرت مطہرہ کو کامل و اکمل نمونہ جانتے ہوئے آپ ﷺ کی مکمل اتباع کرے۔ اعتقادات و نظریات میں آپ کی اتباع کرے ۔ عبادات و معاملات میں آپ ﷺ کی فرماں برداری کرے اور اخلاقیات و سیاسیات میں بھی آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے کی پوری کوشش کرے... مگر افسوس صد افسوس کہ جب ہم اپنے حالات و معاملات کا جائزہ لیں تو صاف نظر آتا ہے کہ نمونہ رسول اور ہے اور ہمارا طریقہ اس سے بہت ہی مختلف ہے۔

آیئے! صداقت و سچائی کے حوالے سے رسولِ محترم ﷺ کے "اسوۂ حسنہ" سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو زندگی کے ہر معاملے میں سیرتِ رسول کو اپنانے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

صداقت کا مفہوم:

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے صدق کا مفہوم بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"والصِّدْقُ: مُطَابَقَةُ الْقَوْلِ الضَّمِيْرَ وَالْمُخْبَرَ عَنْهُ مَعاً"[1]

"بات کا ضمیر اور واقعہ کے مطابق ہونا"صدق" کہلاتا ہے"۔

امام جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ:

"مُطَابَقَةُ الْحُكْمِ لِلْوَاقِعِ وَهٰذَا هُوَ ضِدُّ الْكِذْبِ" [2]

"حکم (گفتگو) واقعہ کے مطابق ہونے کا نام "صدق" ہے اور اس کا متضاد لفظ "کذب" ہے"۔

ہمیشہ سچ بولنے والے، غلط بیانی سے نفرت کرنے والے اور جھوٹ سے اجتناب کرنے والے سعادت مند کو "صدیق" کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور جناب

---

(1) المفردات للراغب: 277

(2) التعریفات للجرجانی: 132

اور یس علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا﴾ (مریم:41،57)

"بلاشبہ وہ سراپا صدق (اور راست باز) نبی تھے"۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے ایام اسیری میں ساقی جب رہائی کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے عرض کی:

﴿يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ﴾ (یوسف: 47)

"اے ہمیشہ سچ بولنے والے یوسف!"۔

خادم رسول سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ جناب ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے ہمراہ "جبل احد" پر تشریف لے گئے تو پہاڑ نے (خوشی سے) ہلنا شروع کر دیا تو آپ ﷺ نے جبل احد کو مخاطب کر کے فرمایا:

«اُثْبُتْ أُحُدُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ، وَصِدِّيقٌ، وَشَهِيدَانِ»[1]

"اے "احد" ٹھہر جا، تجھ پر اس وقت نبی (ﷺ) اور ایک صدیق اور دو شہید (رضی اللہ عنہما) ہیں"۔

اس حدیث مبارکہ میں سرور عالم ﷺ کی زبان حق ترجمان نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو "صدّیق" کا لقب عطا فرمایا ہے۔

معروف سیرت نگار قاضی سید محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ پر بڑی نفیس بحث فرمائی ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"یاد رکھنا چاہیے کہ صدق ہی روح اعمال ہے اور صدق ہی محک احوال (احوال کی کسوٹی)۔ اگر اعمال میں صدق شامل نہیں تو وہ مردہ ہیں اور اگر صدق کی کسوٹی پر احوال پورے نہیں اترتے تو وہ محض تخیلات ہیں۔

[1] صحيح البخاري، كِتَابُ فَضَائِلِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا»: 3675

صدق کی مختصر تعریف یہ ہے کہ "ظاہر و باطن یکساں ہوں۔"
صدق سے تین الفاظ بمعنیٰ فاعل آتے ہیں۔ صادق اور صدوق اور صدّیق۔ صادق سے صدوق کا درجہ بڑا ہے اور صدوق سے صدّیق کا درجہ بڑا ہے۔ صادق کے قلب میں ایک ایسا داعیہ موجود ہوتا ہے جو کسی دباؤ یا روک سے دبتا ہے نہ رکتا ہے۔ اس میں ایسی طلب پائی جاتی ہے جسے انقطاع نہیں ہوتا۔ وہ ایسے عزمِ درست کا شخص ہوتا ہے جو ہر ایک مانع پر غالب آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴾ (التوبہ:119)

"اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادقین کے ساتھ رہو"۔

"صدوق" وہ عزائم اعمال پر عمل کرنے کا مشتاق ہوتا ہے، وہ جلال الٰہیہ کے سامنے ہمیشہ اپنے نقص و کمی کو محسوس کیا کرتا ہے۔ وہ زندگی کو صرف حق کیلیے پسند کیا کرتا ہے۔ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "اگر دنیا میں جہاد اور نماز اور علم نافع کا وجود نہ ہوتا تو میں اس جہان میں رہنا کبھی پسند نہ کرتا"۔[1]

صدّیق کا بیان:

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدّیق کی تعریف اور وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وہ معرفت صدق کا عارف ہوتا ہے، اس کے احوال و اقوال، عزم و ارادہ، مستقیم و احسن و قوی و راسخ ہوتے ہیں۔ اس کا واحد مقصود "رضائے حق" ہوتا ہے۔ یہ وہ کمال ہے جو کمالِ نبوّت سے نکلا ہوا ہے۔ یہ وہ سراج ہے جو چراغِ نبوّت سے روشن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ ﴾

(النساء:69)

---

(1) الجمال والکمال، فصل:14

"اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والے کو اللہ کے انعام یافتہ بندوں یعنی انبیاء اور صدیقوں کی معیت دی جائے گی"۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں صدیقیت و محدثیت پر بحث لطیف لکھی ہے، انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ "صدیق" اصل فطرت میں ذات پاک نبی سے قریب تر ہوتا ہے، وہ جو تعلیم نبی اللہ سے حاصل کرتا ہے، اس کے دل میں ایسی راسخ ہو جاتی ہے، گویا وہ علوم اسی کے دل سے نکلے تھے۔ "صدیق پر انوارِ وحیِ نبوت کا انعکاس ہوتا ہے اور تعاقب ورود انوار سے"۔ تاثیر و تاثر، فعل و انفعال کا ایسا تسلسل قائم ہوتا ہے کہ صدیق فناو فدا کے منصب پر ممتاز ہو جاتا ہے اور اس وقت یہ کیفیت ہوتی ہے کہ نبی کی روحانیت، صدیق کی زبان پر تکلم کیا کرتی ہے۔

صدیقیت کے انہی احوال پر ان احادیث میں اشارہ ہے جو سیدنا ابو بکر الصدیق کی شان میں ہیں۔ حدیث میں ان کو "«أَمَنّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ»"[1] فرمایا گیا ہے "یعنی مصاحبت اور زر و مال کے فدیہ میں ابو بکر کا احسان و منت مجھ پر سب سے بڑھ کر ہے"۔ دوسری حدیث میں ہے: «لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا وَلَكِنَّ اللهَ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا»[2] یعنی "اگر میں مخلوق میں سے کسی کو خلیل بناتا، تو ابو بکر کو بناتا، مگر مجھے تو اللہ نے اپنا خلیل بنایا ہے"۔

صدیق امت بالاتفاق ابو بکر ہی ہیں، آپ کے سوا اور کوئی اس لقب سے ملقب نہیں ہوا۔ ابو محجن ثقفی کا شعر ہے:

---

(1) جامع ترمذي، أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ مَنَاقِبِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ:3660، قال الالبانی، صحیح

(2) صحیح مسلم، کتاب فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ، بَابُ مِنْ فَضَائِلِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ:2383

وسميت صديقا وكل مهاجر
سواك يسمى باسمه غير منكر

"آپ کا نام صدیق رکھا گیا ہے اور آپ کے سوا ہر مہاجر کو اس کے نام سے ہی پکارا جاتا ہے حالانکہ وہ اس نام میں غیر معروف نہیں ہے"۔

قرآن مجید میں انہی کو "ثَانِيَ اثْنَيْنِ" فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کے کلام میں کسی دوسرے کو ثانی رسول نہیں بتایا گیا۔ نبی ﷺ نے ابو بکر ہی کو سب سے بڑی فوج اور سب سے آخری غزوۂ تبوک میں فوج کا سپہ سالار بنایا اور عَلَم نبی انہیں سپرد کیا۔ نبی کریم ﷺ نے ابو بکر ہی کو مسجد نبوی میں اپنی آنکھوں کے سامنے نماز کے لیے امام المؤمنین بنایا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی صرف وہ ہیں جو "خلیفہ رسول اللہ" کے خطاب سے ملقب ہوئے۔ دیگر خلفاء راشدین مہدیین "امیر المؤمنین" کے لقب سے مخاطب کیے جاتے تھے۔ ان سب واقعات کی وجہ یہی ہے کہ ابو بکر "صدیق" تھے اور صدیق ہی نبی اللہ سے قریب تر ہوتا ہے"۔[1]

صداقت کی اقسام:

"صدق" جسے عام طور پر سچائی کے مترادف اور ہم معنی سمجھا جاتا ہے اور اس کا مفہوم "سچ بولنا" ہی لیا جاتا ہے لیکن صدق کا اصل اور حقیقی مفہوم یہ ہے کہ انسان ظاہری اور باطنی طور پر خلوت و جلوت اور محفل و تنہائی میں اس طرح رہے کہ اس کا عمل اور اُس کے اقوال، اُس کا ظاہر اور باطن ایک دوسرے کی تکذیب نہ کریں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "احیاء علوم الدین" میں صداقت کی چھ اقسام بیان فرمائی ہیں:

---

(1) الجمال والکمال، فصل:14

۱۔ زبان کا صدق یعنی گفتگو میں صداقت۔

۲۔ نیت و ارادہ میں صدق۔

۳۔ عزم میں صدق۔

۴۔ عزم کو پورا کرنے میں صدق۔

۵۔ عمل میں صدق۔

۶۔ دین کے تمام مقامات کی تحقیق میں صدق۔

ان معانی کے اعتبار سے صادقین کے بہت درجات اور مراتب ہیں جس شخص میں کسی خاص چیز میں صدق پایا جائے تو وہ اس چیز کی نسبت سے صادق کہلائے گا۔

صداقت کی اہمیت اور فضیلت:

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم، رسول معظم، رحمت مجسم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زبان رسالت سے "صداقت" کی اہمیت، فضیلت اور عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا»[1]

"ہمیشہ صداقت اور سچائی کو لازم پکڑو (یعنی ہمیشہ سچ بولو) بلاشبہ صداقت و سچائی، نیکی کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی راہنما ہے۔ اور آدمی ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور صداقت و سچائی کا متلاشی رہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، بَابُ قُبْحِ الْكَذِبِ وَحُسْنِ الصِّدْقِ وَفَضْلِهِ، 2607

ہاں "صدیق" (بہت سچا) لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم ہمیشہ کذب بیانی اور جھوٹ سے اجتناب کرو، کیونکہ جھوٹ گناہ کی راہ دکھاتا ہے اور گناہ جہنم کی آگ کی طرف لے جاتا ہے۔ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کا طلب گار رہتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے"۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے صداقت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے اختصار کے ساتھ سچائی کے فوائد و نتائج کا تذکرہ بھی فرمایا ہے اور ہمیشہ سچ بولنے والے کو صدیق اور جنت کا مستحق قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں سچے لوگوں کا ساتھ دینے، سچائی کو اختیار کرنے اور حق و صداقت کی حمایت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ (التوبہ:119)

"اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور سچ بولنے والوں کے ساتھی بن جاؤ"۔

سچ بولنے اور صداقت اختیار کرنے والے انسان کو قلبی سکون، فطری راحت اور دلی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ نواسۂ رسول سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ یاد کر لیے تھے کہ:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ، فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِينَةٌ، وَإِنَّ الكَذِبَ رِيبَةٌ»[1]

"اس چیز کو چھوڑ دے جو تجھے شک میں مبتلا کرے اور اس کو اختیار کر، جس میں شک و شبہ نہ ہو۔ اس لیے کہ صداقت و سچائی اطمینان کا باعث ہے اور جھوٹ شک اور بے قراری ہے"۔

لقمان حکیم ایک بڑے دانا، ذہین اور عقل مند حبشی غلام تھے۔ اور اپنی خوبیوں، اوصاف حمیدہ اور زرّیں اقوال کے باعث دنیا میں بڑے مشہور، معتبر اور معزز سمجھے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے نام پر اکیسویں پارے میں چار رکوعوں پر مشتمل

---

[1] جامع ترمذی، أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ :2518، قال الالبانی، صحیح

ایک سورت نازل فرمائی ہے جس کا نام ہی "سورۃ لقمان" ہے۔ اس سورت میں جناب لقمان کی نصیحت آموز باتوں کو بیان فرمایا گیا اور ان کی حکمت و دانائی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مدینۃ الرسول کے خطیب و امام جناب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے کہ کسی شخص نے لقمان حکیم سے پوچھا:

"مَا بَلَغَ بِكَ مَا نَرَى؟ يُرِيدُونَ الْفَضْلَ فَقَالَ لُقْمَانُ: صِدْقُ الْحَدِيثِ وَأَدَاءُ الْأَمَانَةِ وَتَرْكُ مَالَا يَعْنِينِي" [1]

"تمہیں یہ بزرگی اور برتری کیسے حاصل ہوئی تو لقمان نے جواب دیا، تین کاموں کی وجہ سے۔ (1) سچ بولنا، (2) امانت داری و دیانتداری۔ (3) فضول اور بے مقصد گفتگو ترک کرنا"۔

میرا خیال ہے کہ آج ہم شرف و کمال، عزت و احترام اور معاشرتی مقام سے اسی لئے محروم ہیں کہ ہم نے یہ تینوں کام چھوڑ رکھے ہیں۔ سچ ترک کر کے جھوٹ کو وطیرہ بنا رکھا ہے ۔ امانت و دیانت کی بجائے بد دیانتی اور خیانت ہماری عادت بن چکی ہے۔ اور لایعنی اور فضول باتوں اور کاموں میں وقت ضائع کرنا ہمارے ہاں کوئی معیوب نہیں ہے۔

حضرات! بدلئے اپنا طرز زندگی۔ تبدیل کیجئے اپنی عادات اور فرق کیجئے اچھائی اور برائی میں۔ صداقت و سچائی کو اختیار فرمایئے۔ جھوٹ اور غلط بیانی سے مکمل اجتناب اور پرہیز فرمایئے۔ امانت اور دیانت کو اپنایئے۔ لایعنی گفتگو اور بے مقصد کاموں پر وقت ضائع نہ کیجئے تو آپ کو خود بخود احساس ہو گا کہ ہماری زندگی میں خوشگواری، خوشحالی اور خوش بختی آگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق و سعادت مرحمت فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیتا ہے کہ تم میرے رسول ﷺ کی سیرت کو اپناؤ، اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گزارو اور تعلیمات نبوی پر عمل کرو تو تمہاری دنیا بھی سنور جائے گی، قبر بھی روشن ہو جائے گی اور آخرت بھی بہترین ہو جائے گی۔ ارشاد الٰہی ہے :

---

[1] المؤطا ، كِتَابُ الْجَامِعِ ، مَا جَاءَ فِي الصِّدْقِ وَالْكَذِبِ: 3628

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

سیرت طیبہ کے نمونوں میں ایک نمونہ "صداقتِ مصطفیٰ ﷺ" ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو صداقتِ نبوی کو اپنانے اور ہمیشہ سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

زبان کی سچائی، عمل کی سچائی اور دل کی سچائی ہی کامیابی وکامرانی کی کلید اور دخول جنت کی نوید ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ﴾ (الاحزاب:24)

"تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا عطا فرمائے"۔

مصطفیٰ کی زبان.... صداقت کی ترجمان:

ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے جس ماحول اور معاشرے میں آنکھ کھولی، وہاں غلط بیانی، دروغ گوئی اور جھوٹ بولنے کو عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ عام لوگ اپنے عیب چھپانے، دوسروں کا مال ہتھیانے اور اپنی عزت بڑھانے کیلئے بڑی ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے تھے۔ کاروباری معاملات میں، رشتہ داروں کے تعلقات میں اور روز مرہ کے معمولات میں جھوٹ، ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ عرب معاشرے کے لوگ جھوٹ بول کر خوش ہوتے اور اس فعل بد کے ذریعے دوسروں کو بے وقوف بنا کر لطف اندوز ہوتے تھے۔ والدین، اولاد کے سامنے جھوٹ بولتے۔ اولاد، والدین کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتی، کاروباری شراکت دار آپس میں غلط بیانی کرتے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے سامنے دروغ گوئی سے کام لیتے اور حقیقی بھائی بھی باہمی معاملات میں کذب بیانی کر کے اپنی اپنی جگہ خوش ہوا کرتے تھے۔

دھوکہ، فراڈ، جھوٹ، کذب اور دروغ گوئی کے اس معاشرے میں جناب رحمۃ للعالمین ﷺ نے قبل از اعلان نبوت بھی کبھی جھوٹ نہیں بولا بلکہ ہمیشہ صداقت اور

سچائی کو اختیار فرمایا۔ آپ ﷺ نے ہر قسم کے طمع اور لالچ سے بے نیاز ہو کر، ہمہ قسم کے نتائج اور عواقب سے بے خوف ہو کر اور تمام قسم کے حالات واقعات سے بے پرواہ ہو کر حق گوئی، صداقت اور سچائی کو ایسا شعار بنایا کہ مکہ مکرمہ اور گردونواح کے سارے لوگ آپ ﷺ کو "صادق اور امین" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ انہیں کامل یقین تھا کہ "محمد ﷺ" کی زبان سے کبھی جھوٹ نہیں نکلتا اور آپ ﷺ جو بھی فرماتے ہیں وہ حق ہوتا ہے۔ سچ ہوتا ہے اور صحیح ہوتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے :

"كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ حِفْظَهُ فَنَهَتْنِي قُرَيْشٌ وَقَالُوا أَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَوْمَأَ بِأُصْبُعِهِ إِلَى فِيهِ فَقَالَ اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ" (1)

"میں رسول محترم ﷺ کی زبان نبوت سے نکلنے والے ہر لفظ کو لکھ لیتا تھا تاکہ میں آپ ﷺ کے فرمودات کو اچھی طرح یاد اور محفوظ کر سکوں. تو قریش کے بعض لوگوں نے مجھے کہا کہ، تم رسول اللہ ﷺ سے سنی ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ ﷺ "انسان" ہیں، کبھی خوشی کی کیفیت میں ہوتے ہیں اور کبھی غصے کی حالت میں۔ (لہٰذا زبان رسالت سے نکلی ہر بات لکھنے کی بجائے آپ ﷺ سے دریافت کر لیا کرو کہ کون سی بات لکھوں اور کون سا فرمان احاطہ تحریر میں نہ لاؤں) تو میں نے آپ ﷺ کے ارشادات لکھنا، چھوڑ دیا۔ پھر میں نے یہ بات رسول مکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں

---

(1) سنن أبی داؤد: كِتَابُ الْعِلْمِ ،بَابٌ كِتَابَةِ الْعِلْمِ: 3646، قال الالبانی، صحیح

عرض کی، تو آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: میرے منہ سے جو الفاظ بھی نکلیں، انہیں لکھ لیا کرو، کیونکہ "مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس زبان سے حق کے سوا کچھ نکلتا ہی نہیں ہے"۔

اس فرمان رسول ﷺ سے اس امر کی صراحت اور وضاحت ہو گئی کہ سرور عالم ﷺ کی زبان حق ترجمان سے جو بات بھی نکلتی ہے وہ مبنی بر حق ہوئی ہے۔ سچی ہوتی ہے اور اس کی صداقت میں ذرہ بھر شک وشبہ کی گنجائش بھی نہیں ہو سکتی۔

صداقت اور سچائی، اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ میں سے ایک اہم، اعلیٰ اور عظیم صفت ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ (النساء:87)

"اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہو سکتا ہے"۔

اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ میرے بندے بھی اس حسین صفت سے متصف ہوں اور وہ بھی اپنی زبان کو "کذب اور جھوٹ" کے گناہ سے آلودہ نہ کریں۔ رب العالمین اپنے نیک اور صالح بندوں کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾

(آل عمران:17)

"وہ صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرماں برداری کرنے والے اور (اللہ کی راہ میں مال) خرچ کرنے والے اور سحری کے وقت (اللہ تعالیٰ سے) مغفرت طلب کرنے والے ہیں"۔

صداقت و سچائی ایمان کی علامت ہے اسی لیے سورۃ الاحزاب میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مخلصین و موحدین حضرات و خواتین کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے ہوئے ان کی صداقت و سچائی کا بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِينَ وَ الْقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِينَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِينَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِينَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِينَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِينَ وَ الصّٰئِمٰتِ وَ الْحٰفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَ الذّٰكِرٰتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب:35)

"بلاشبہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور "سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں"۔ اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کثیر ذکر کرنے والے مرد اور زیادہ ذکر الٰہی کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کیلئے مغفرت اور بہت بڑا اجر تیار فرما رکھا ہے"۔

ان پاکیزہ اوصاف کے سب سے اولین مصداق رفقاءِ رسول یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں پھر قیامت تک آنے والے امتیوں میں سے جو افراد بھی ان بہترین خوبیوں سے متصف ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مغفرت اور اجر عظیم کے مستحق قرار دیے گئے ہیں۔

آپ نے غور فرمایا کہ ان صفات حمیدہ میں سے ایک اہم وصف "سچ بولنا" ہے۔ اصحاب رسول میں سے کوئی بھی عملاً اور قصداً جھوٹ نہیں بولتا تھا بلکہ وہ تمام کے تمام ہمیشہ سچ بولنے والے، سچ کی گواہی دینے والے اور صداقت کو اختیار کرنے والے تھے، اسی لئے قرآن حکیم نے اُن کے اس وصف "صداقت" کا بطور خاص تذکرہ فرمایا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَ رَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَ جٰهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَ أَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُونَ﴾ (الحجرات:15)

"پس (حقیقی) مومن تو وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔ پھر وہ شک میں مبتلا نہ ہوئے اور انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ "سچے" ہیں"۔

مہاجرین کرام کی خدمات کا اعتراف اور انہیں مالِ فَے کا مستحق قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت و سچائی کو قرآن حکیم میں یوں بیان فرمایا :

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾

(الحشر،8)

"(مالِ فَے) ان مہاجر فقراء کیلئے ہے جو اپنے گھروں اور اپنی جائدادوں سے نکالے گئے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا ڈھونڈتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ کے دین) کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ صادق یعنی سچ بولنے والے ہیں"۔

بعض صحابہ کرام کے بارے میں ثابت ہے کہ انہوں نے زندگی بھر کبھی بھی، زمانہ جاہلیت یا اسلام میں جھوٹ نہیں بولا تھا۔[1]

دشمن مصطفیٰ... نضر بن حارث کی گواہی:

رسول محترم ﷺ کے بدترین دشمن، مخالف اور مُعاند بھی آپ ﷺ کی صداقت و سچائی کی گواہی دیا کرتے تھے اور کوئی بڑے سے بڑا مخالف بھی آپ ﷺ پر جھوٹ کا الزام لگانے کی جرأت و جسارت نہیں کر سکا، آپ ﷺ کی ذات اور بات کے دشمنوں میں ایک معروف نام نضر بن حارث کا ہے۔ یہ نہایت بداخلاق، سرکش، دشمنانِ مصطفےٰ میں سرفہرست اور آپ ﷺ کی تبلیغ واشاعت کو روکنے میں پیش پیش تھا۔

یہ نضر بن حارث مکی زندگی میں عوام کو آپ ﷺ کی دعوت سے دور رکھنے کیلئے ہر

(1) تفسیر ابن کثیر۔ الاحزاب، آیت: 35

وقت آپ ﷺ کا پیچھا کیا کرتا تھا اور آپ ﷺ جہاں کہیں بھی لوگوں کو توحید خداوندی اور اپنی رسالت و نبوت کی دعوت دیتے تو یہ بدبخت لوگوں کی توجہ ہٹانے کیلئے اعلان کرتا کہ "محمد (ﷺ) کا کلام تو محض پہلے لوگوں کی داستانیں اور حکائتیں ہیں، میں اس سے بہتر کہانیاں سنا سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس ظالم و کافر کی بے ہودہ گفتگو نقل کر کے اس کا جواب ارشاد فرمایا:

﴿وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾

(الفرقان:5-6)

"اور انہوں نے کہا کہ یہ (قرآن مجید) تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جنہیں اس (محمد ﷺ) نے لکھوالیا ہے۔ پس صبح و شام وہی داستانیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ (اے رسول ﷺ) آپ ان سے کہیے کہ قرآن مجید تو اس ذات الٰہی نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کے راز جانتا ہے۔ یقیناً وہ بہت بخشنے والا از حد مہربان ہے"۔

آپ ﷺ کی مکی زندگی میں ایک مرتبہ سرداران قریش جمع ہوئے اور آپ ﷺ کی دعوتی سرگرمیوں اور تبلیغی سلسلے کو روکنے کیلئے مختلف تجاویز اور آراء پر غور ہوا، دشمنان رسول کے اس اجلاس میں نضر بن حارث نے جو گفتگو کی اس میں اس نے واضح الفاظ کے ساتھ آپ ﷺ کی صداقت و سچائی کی گواہی دی، اس نے کہا:

"يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ إِنَّهُ وَاللهِ قَدْ نَزَلَ بِكُمْ أَمْرٌ مَا أَتَيْتُمْ لَهُ بِحِيلَةٍ بَعْدُ قَدْ كَانَ مُحَمَّدٌ فِيكُمْ غُلَامًا حَدَثًا أَرْضَاكُمْ فِيكُمْ وَأَصْدَقَكُمْ حَدِيثًا وَأَعْظَمَكُمْ أَمَانَةً....... "[1]

"اے گروہ قریش! اللہ کی قسم تم پر ایسی افتاد آن پڑی ہے کہ تم ابھی تک اس

[1] السيرة النبوية لابن هشام ،نصيحة النضر لقريش فى ماجاء به الرسول ﷺ، 2/ 299-300

کا کوئی توڑ پیش نہیں کر سکے۔ محمد (ﷺ) جوان تھے تو تمہارے پسندیدہ نوجوان تھے اور "تم میں سب سے زیادہ سچے اور سب سے بڑھ کر امانت دار تھے"۔ اب ان کی دونوں کنپٹیوں پر سفیدی چمکنے لگی ہے اور اس نے تمہارے سامنے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے تو تم کہتے ہو کہ وہ "جادوگر" ہے بخدا، وہ جادوگر نہیں ہے کیونکہ ہم نے بڑے جادوگر، ان کی گرہ بندی اور جھاڑ پھونک دیکھی ہے۔ کبھی تم کہتے ہو کہ وہ "کاہن" ہے۔ اللہ کی قسم، وہ کاہن بھی نہیں ہے۔ ہم نے کئی کاہن، ان کی الٹی سیدھی حرکتیں اور فقرہ بندیاں دیکھی ہیں۔ تم کہتے ہو وہ "شاعر" ہے۔ اللہ کی قسم، وہ شاعر بھی نہیں ہے۔ ہم شاعری کو اچھی طرح سمجھتے اور تمام اصناف و اقسام سے واقف ہیں۔ اب تم کہتے ہو کہ "پاگل" ہے۔ "لَا وَاللهِ مَا هُوَ بِمَجْنُونٍ" اللہ کی قسم، وہ پاگل نہیں ہے اس میں پاگلوں والی کوئی گھٹن، بہکی باتیں اور فریب کارانہ گفتگو کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اے قریشیو! تم پر (محمد ﷺ) کی شکل میں بہت بڑی مصیبت آگئی ہے۔ اب تمہیں اس پریشانی کا کوئی حل تلاش کرنا چاہیے"۔

یقیناً آپ نے توجہ فرمائی ہو گی کہ نضر بن حارث، رسول اکرم ﷺ کا دشمن ہو کر آپ ﷺ کی سچائی اور صداقت کی گواہی دے رہا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم بھی ہمیشہ صداقت، راست بازی اور سچائی کو اپنائیں اور زندگی کے کسی حصے میں بھی غلط بیانی، دروغ گوئی اور جھوٹ سے ہر صورت اجتناب اور پرہیز کریں، جناب صفوان بن سلیم تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا:

أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ جَبَاناً؟فَقَالَ: «نَعَمْ»فَقِيلَ لَهُ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ بَخِيلاً؟فَقَالَ: «نَعَمْ»فَقِيلَ لَهُ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ كَذَّاباً ؟ فَقَالَ: «لَا»(1)

(1) الموطا، كِتَابُ الْجَامِعِ،بَابُ مَا جَاءَ فِي الصِّدْقِ وَالْكَذِبِ: 824

"کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ پھر آپ سے عرض کیا گیا کہ کوئی صاحب ایمان شخص کنجوس ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ہو سکتا ہے۔ پھر دریافت کیا گیا، کوئی مومن "جھوٹا" ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں"۔

یعنی مومن بزدل اور بخیل تو ہو سکتا ہے مگر جو مومن ہو، وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا اور جو جھوٹا ہو وہ مسلمان اور مومن نہیں ہو سکتا۔

حضرات! ہر کلمہ گو، محب رسول اور صاحب ایمان کو اس ارشاد رسول کو ہمیشہ پیش نگاہ رکھنا چاہیے اور اپنی عادات واطوار اور سیرت وکردار کو پرکھنا چاہیے کہ ہمارے محبوب کا فرمان کیا ہے اور ہمارا عمل کیا ہے؟ ہمارا رویہ تو یہ ہونا چاہیے کہ

صداقت کے بیاں کرنے سے مومن رک نہیں سکتا
اتر سکتا ہے سر خود دار کا پر جھک نہیں سکتا

اور شاعر مشرق علامہ محمد اقبال مرحوم کے الفاظ میں مسلمانوں کا شیوہ تو یہ ہے کہ:

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
ہیں اپنے بھی نالاں مجھ سے بیگانے بھی ہیں ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سیرت رسول کے اس اہم سبق "صداقت" کو ہر وقت یاد رکھنے اور اسے حرز جان بنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

امت کے فرعون ابو جہل کی گواہی:

ابو جہل کا نام آپ نے درجنوں بلکہ بیسیوں بار پڑھ اور سن رکھا ہے۔ اس دشمن رسول کا نام عمرو بن ہشام اور کنیت ابو الحکم تھی، قبیلہ بنو مخزوم سے تعلق رکھتا تھا۔ بڑا ضدی، ہٹ

دھرم اور متکبر انسان تھا۔ رسول مکرم ﷺ کی مخالفت اور اسلام دشمنی میں سب سے پیش پیش تھا۔ اپنی حماقت، جہالت اور عداوت کے باعث مسلمانوں میں ابو جہل کے نام سے پکارا جاتا تھا، بڑا جاہ طلب، منصب کا حریص اور خود پسند تھا، غزوہ بدر کے موقع پر دو نوجوان صحابہ کرام جناب معاذ بن عمرو اور جناب معوذ (معاذ بن عفراء) رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں قتل ہو کر جہنم واصل ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کی لاش کے قریب کھڑے ہو کر اسے "فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ" اس امت کا فرعون قرار دیا تھا۔[1]

امت کا یہ فرعون اپنی زندگی میں متعدد بار اس امر کی گواہی دے چکا اور آپ ﷺ کے بارے میں ان تاثرات کا اظہار کر چکا تھا کہ رسول اکرم ﷺ قول کے سچے اور عہد کے پکے انسان ہیں اور ہم نے زبانِ رسالت سے کبھی جھوٹ نہیں سنا ہے۔ موضوع کی مناسبت سے صرف ایک واقعہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

"غزوہ بدر کے موقع پر جب گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی تو مکی سردار اخنس بن شریق اور ابو جہل کچھ دیر کیلئے لوگوں سے الگ تھلگ ہو گئے اور تنہائی میں ان کے درمیان آپ ﷺ کی ذات گرامی کے متعلق گفتگو ہوئی۔ اخنس نے ابو جہل سے کہا کہ اب میرے اور آپ کے ساتھ کوئی تیسرا شخص موجود نہیں ہے لہٰذا مجھے بالکل درست جواب دینا اور کسی قسم کی مصلحت سے کام نہ لینا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم محمد (ﷺ) کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟ ابو جہل نے دائیں بائیں دیکھ کر جواب دیا، اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) بالکل سچے اور صادق انسان ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ (اخنس نے کہا پھر تم اس کی مخالفت کیوں کرتے ہو؟ تو ابو جہل نے کہا) ہماری مخالفت کا اصل سبب یہ ہے کہ عَلَم برداری (جھنڈا اٹھانے کی ذمہ داری) حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب، بیت اللہ کے انتظام کا شرف اور اب نبوت کی فضیلت، سب

(1) سیرۃ النبی لابن کثیر، غزوہ بدر، قتل ابی جہل

کچھ اسی قبیلے میں چلا جائے تو تم ہی بتاؤ کہ باقی قریشیوں کے پاس کیا رہ جائے گا؟"۔[1]

ابو جہل اور اس قبیل کے دوسرے لوگوں کی اسی ذہنی کیفیت کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ (الانعام:33)

"(اے رسول ﷺ) تحقیق ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتیں یقیناً آپ کو غمگین کرتی ہیں۔ (آپ تسلی رکھیں) بے شک وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ وہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں"۔

اس آیت کریمہ اور ابو جہل واخنس کے مکالمے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ابو جہل اور دیگر دشمنانِ اسلام نبی محترم ﷺ کو بالکل سچا، صادق اور راست گو سمجھتے تھے مگر خاندانی رقابت، جاہ و حشمت کی طلب اور حسد و عداوت کی وجہ سے وہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کیا کرتے تھے۔

اسی سچائی اور صداقت کا اپنی امت کو درس دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِضْمَنُوا لِيْ سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ: اُصْدُقُوا إِذَا حَدَّثْتُمْ وَأَوْفُوْا إِذَا وَعَدْتُمْ. وَأَدُّوْا إِذَا اؤْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ وَغُضُّوا أَبْصَارَكُمْ وَكُفُّوا أَيْدِيَكُمْ»[2]

"تم مجھے اپنے بارے میں چھ چیزوں کی ضمانت دے دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ (1) جب گفتگو کرو تو سچ بولو۔ (2) جب وعدہ کرو تو پورا کرو۔ (3) جب تمہیں امانت دی جائے تو دیانتداری سے ادا کرو۔ (4) اپنی

(1) تفسیر ابن کثیر، الانعام/33

(2) المستدرک للحاکم: 8060، قال الحاکم صحیح الاسناد

شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔ (5) اپنی آنکھوں کو نیچا رکھو یعنی غیر محرم عورتوں کی طرف نہ دیکھو۔ (6) اپنے ہاتھوں کو (دوسروں کو تکلیف دینے سے) روک کر رکھو"۔

حضرات! عقائد کی اصلاح اور فرائض کی ادائیگی کے ساتھ یہ چھ اوصاف اپنانے والے مسلمان کو اصدق الصادقین جناب محمد مصطفےٰ ﷺ نے جنت کی گارنٹی اور ضمانت دی ہے۔ ممکن ہے میں اور آپ کسی معاملے کی گارنٹی دیں تو اس پر پورا نہ اتر سکیں مگر یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول جناب محمد کریم ﷺ اپنی ضمانت پوری نہ کرلیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے کردار کا محاسبہ کرے اور ان چھ احکام پر عمل کر کے اپنے لیے جنت کو واجب اور لازم کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت الفردوس میں اپنے محبوب مکرم ﷺ کی رفاقت و معیت نصیب فرمائے، آمین۔

ابوسفیان اور ہرقل کی گواہی:

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے سات ہجری میں مختلف ممالک کے حکمرانوں، قبائل کے رؤساء اور ہم عصر شخصیات کو دعوتی خطوط لکھے۔ ان میں ایک خط سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے رومی حکمران ہرقل کو بھی بھیجا گیا۔ اس خط کی وصولی کے بعد ہرقل کے دربار میں جو صورت حال پیدا ہوئی اس کا کچھ حصہ "صداقت مصطفےٰ ﷺ" کی بیّن دلیل، واضح ثبوت اور برہان قاطع ہے۔ اس لیے ہم اس کا مختصر ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کو ایک خط لکھا جس میں اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، یہ خط آپ ﷺ نے سیدنا دحیہ کلبی کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ تم یہ خط "بُصریٰ" کے حاکم کو دینا، وہ اسے ہرقل تک پہنچادے گا۔ ان دنوں قیصر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کیلئے ایلیاء (بیت المقدس) آیا ہوا تھا

کیونکہ اللہ تعالی نے اسے ایرانیوں کے لشکر پر فتح عطا فرمائی تھی"۔[1]

جب رسول مکرم ﷺ کا مکتوب مبارک بادشاہ روم ہرقل ـــــ جو عیسائی المذہب تھا ـــــ کو وصول ہوا تو اس نے آپ ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے اپنے پولیس افسروں کو حکم دیا کہ وہ سرزمین شام میں آئے کسی عربی تجارتی وفد کو تلاش کریں اور ان تمام لوگوں کو میرے پاس حاضر کریں تاکہ میں اس خط لکھنے والے نبوت کے دعوے دار "محمد" ﷺ کے بارے میں ان سے سوال وجواب کر سکوں۔

جناب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ہرقل کے دربار میں حاضری کی تفصیل مجھے ابوسفیان نے خود سنائی، اس نے بتایا کہ:

ہرقل نے انہیں بلانے کیلئے ایک آدمی بھیجا، اس وقت یہ لوگ تجارت کیلئے شام گئے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش اور ان کے سردار ابوسفیان کے ساتھ معاہدہ صلح (حدیبیہ) کیا ہوا تھا۔ چنانچہ ہرقل کی دعوت پر یہ لوگ اس کے پاس ایلیاء (بیت المقدس) اس کے دربار میں پہنچ گئے۔ جہاں اس کے پاس سلطنت روم کے بڑے بڑے زعماء، رؤساء اور علماء بیٹھے ہوئے تھے۔ ہرقل نے اپنے ترجمان کے ذریعے پوچھا کہ "تم میں سے مدعی رسالت کا قریبی عزیز کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں ہی اس کا قریبی رشتہ دار ہوں، ہرقل نے کہا کہ ابوسفیان کو میرے قریب اور اس کے ساتھیوں کو اس کی پشت کے پیچھے بٹھا دیا جائے۔ پھر اس نے اپنے ترجمان کے ذریعے تمام ارکان وفد سے کہا کہ میں ابوسفیان سے اس شخص (محمد ﷺ) کے حالات پوچھنے لگا ہوں، اگر یہ شخص میرے سامنے جھوٹ بولے تو تم اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا ـــــ ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے ساتھیوں کے جھٹلانے کا خوف نہ ہوتا تو میں اس (محمد ﷺ) کے بارے میں ضرور جھوٹی باتیں کرتا۔ پھر ابوسفیان اور ہرقل کے درمیان ترجمان کے توسط سے یہ مکالمہ ہوا۔

ہرقل: اس شخص (محمد ﷺ) کا خاندان کیسا ہے؟

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب دعاء النبی ﷺ الی الاسلام والنبوة: 2940

ابوسفیان : وہ بڑا عالی نسب (اور معزز خاندان کا فرد) ہے۔

ہرقل: کیا اس سے پہلے بھی تم لوگوں میں کسی نے یہ دعویٰ (نبوت) کیا تھا؟

ابوسفیان : نہیں۔

ہرقل: اس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ ہوا ہے؟

ابوسفیان : نہیں۔

ہرقل: اس کے پیروکار بڑے لوگ ہیں یا کمزور؟

ابوسفیان : کمزور لوگ۔

ہرقل: اس کے پیروکار بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟

ابوسفیان: وہ تو دن بدن بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔

ہرقل : کیا اس کے دین کو بُرا جان کر کوئی پھرا بھی ہے؟

ابوسفیان : نہیں۔

ہرقل: کیا دعوائے نبوت سے پہلے اس نے کبھی جھوٹ بولا تھا؟

ابوسفیان : نہیں۔ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

ہرقل: کیا وہ بدعہدی کرتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں ___ البتہ اب ہماری اس سے صلح کی ایک مدت مقرر ہوئی ہے، نامعلوم وہ کیا کرتا ہے ___ ابوسفیان کا قول ہے کہ میں اس کے سوا اپنی گفتگو میں کوئی بات شامل نہ کر سکا۔

ہرقل: کیا اس سے کبھی تمہاری لڑائی ہوئی ہے؟

ابوسفیان : ہاں۔

ہرقل: پھر تمہاری جنگ کیسی رہی؟

ابوسفیان: لڑائی تو ڈول کی طرح ہے۔ کبھی وہ جیت جاتے ہیں اور کبھی ہم۔

ہرقل: مَاذَا يَأْمُرُكُمْ۔ وہ تمہیں کیا حکم دیتا ہے؟

ابو سفیان : "يَقُولُ: اُعْبُدُوا اللهَ وَحْدَهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَاتْرُكُوا مَا يَقُولُ آبَاؤُكُمْ وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّدْقِ وَالعَفَافِ وَالصِّلَةِ"

"وہ کہتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اپنے آباء و اجداد کی (شرکیہ) باتیں چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز پڑھنے "سچ بولنے" پاک دامنی اختیار کرنے اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے"۔

بادشاہ روم ہرقل نے رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ابو سفیان ---- جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور ان کا شمار رسول محترم ﷺ کے بڑے دشمنوں میں ہوتا تھا---کی فراہم کردہ معلومات پر جو حقیقت پسندانہ تبصرہ کیا ،اس میں بھی ہمارے رسول ﷺ کی "صداقت" کا تذکرہ ہے۔ تبصرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس نے کہا:

1۔ بقول تمہارے وہ عالی نسب ہے تو رسول اپنی قوم میں ہمیشہ عالی نسب ہی ہوتا ہے۔

2۔ اگر اس کے آباء اجداد میں سے کسی نے دعوائے نبوت کیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ وہ اس کی تقلید کر رہا ہے۔

3۔ اگر اس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں سمجھتا وہ اس بہانے بادشاہ بننا چاہتا ہے۔

4۔ جب وہ دعوائے نبوت سے پہلے انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا تھا تو وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط بیانی کیسے کر سکتا ہے۔

5۔ اس کے فرماں برداروں کی اکثریت کمزور ہے تو در حقیقت ابتدا میں ایسے لوگ ہی رسولوں کے پیروکار ہوتے ہیں۔

6۔ اس کے ساتھیوں کا بڑھنا بھی اس کی نبوت ورسالت کی دلیل ہے۔

7۔ کسی کا ناخوش ہو کر واپس نہ پلٹنا ہی ایمان کی خصوصیت ہے۔

8۔ اس کا وعدہ خلافی نہ کرنا بھی اس کی پیغمبری کا ثبوت ہے۔

9۔ پھر اس کی تعلیمات و ہدایات کی جو تفصیل تم نے بیان کی ہے (توحید، نماز، صدق، پاکبازی اور صلہ رحمی) اگر یہ سچ ہے تو عنقریب میرے پاؤں کی جگہ اس کی ملکیت ہو گی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ پیغمبر آنے والا ہے مگر میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم لوگوں میں سے ہو گا۔ اگر میں جانتا ہوتا کہ میں اس تک پہنچ سکوں گا تو اس کی ملاقات وزیارت کیلئے ہر تکلیف گوارا کر لیتا۔ اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔ پھر اس نے رسول مکرم ﷺ کا مکتوب گرامی منگوایا اور اسے پڑھا، اس میں لکھا تھا۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ: سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الهُدٰى أَمَّا بَعْدُ. فَإِنِّي أَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الأَرِيسِيِّينَ "وَ: ﴿يَا أَهْلَ الكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾[1]

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

"محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے شاہ روم ہرقل کی طرف۔ سیدھے راستے پر چلنے والے پر سلام ہو۔ اس کے بعد! میں تمہیں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں، مسلمان ہو جاؤ تو سلامت رہو گے۔ اسلام قبول کر لو، اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اگر تم اسلام سے روگردانی کرو گے تو

[1] آل عمران:64

رعایا کا گناہ بھی تم پر ہو گا۔ اور۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور نہ ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو، کہ ہم تو مسلمان ہیں"۔[1]

یہ حدیث مبارکہ دیگر مسائل کے علاوہ اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ ابو سفیان قبول اسلام سے قبل بھی آپ کی صداقت کا گواہ تھا اور سعادت اندوز اسلام ہونے کے بعد بھی آپ کی سچائی اور حق گوئی کا عینی شاہد ___ اسی طرح بادشاہ روم ہرقل نے بھی گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے رسول، نبی اور پیغمبر صادق و وفادار اور توحید الٰہی کے پرستار ہوتے ہیں اور محمد مصطفیٰ ﷺ بھی حق و صداقت کی نشانی اور رسول برحق ہیں۔ سبحان اللہ۔

قریش مکہ کی گواہی:

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ امام الرسل ﷺ اپنی صفت "صداقت" میں بے مثل و بے مثال اور یگانہ روزگار۔ اصدق الصادقین سب سچوں میں زیادہ سچ بولتے اور اپنے بچپن، لڑکپن، جوانی، ادھیڑ عمری اور بڑھاپے میں آپ کی زبان مبارک پر کبھی جھوٹ نہیں آیا۔ آپ نے زندگی بھر کوئی بات خلاف حقیقت نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ مزاح و دل لگی کے موقع پر بھی آپ نے صداقت کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیا اور کبھی سچائی کے منافی کوئی بات اپنی زبان مبارک سے ادا نہیں فرمائی۔

اگر آپ ﷺ کی دعوتی سرگرمیوں اور تبلیغی کاوشوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ و دعوت کے ابتدائی دور میں "توحید" کا اعلان بعد میں فرمایا۔ اپنی نبوت و رسالت کا اظہار بعد میں کیا، عقائد اسلام اور ارکان اسلام کی تبلیغ بعد

---

(1) صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی:7

میں فرمائی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بعد میں انجام دیا۔ مکارم اخلاق اور حسن معاملات کی نصیحتیں بعد میں فرمائیں۔ صلہ رحمی، اخوت، ہمدردی، غمخواری اور دیگر حقوق و فرائض کی تفصیل بعد میں بیان فرمائی۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے لوگوں کے سامنے پیش فرمایا تو اپنی "صداقت، سچائی اور سیرت و کردار" کو پیش فرمایا۔

آیئے! صحیح بخاری سے آپ ﷺ کی دعوتی سرگرمیوں کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ کے وصف "صداقت" سے آگاہی حاصل کرتے ہیں اور قریش مکہ کی زبانی آپ ﷺ کی صداقت و حق بیانی کا حال معلوم کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کے تایا زاد بھائی اور قرآن مجید کے اولین مفسر، صحابی رسول جناب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعراء:214)

"اور اپنے قریبی عزیزوں کو (عذاب الٰہی سے) ڈرائیں"۔

تو خاتم النبیین ﷺ نے "کوہ صفا" پہ کھڑے ہو کر باآواز بلند اعلان فرمایا: ((يَا صَبَاحَاهُ يَا صَبَاحَاهُ)) اے لوگو! میرے فریاد سنو! اے لوگو! میری پکار سنو.... یہ اہل عرب کا طریقہ تھا کہ دشمن کے حملے سے آگاہ کرنے کے لئے کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر یہ آواز دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی آواز سن کر اہل مکہ دوڑتے ہوئے آئے کہ دیکھیں اور سنیں کہ آمنہ کا لعل "محمد" ﷺ کیا کہنے والا، اور عوام کے سامنے کس لائحہ عمل کا اعلان کرنے والا یا کس دشمن سے ڈرانے والا ہے۔(1)

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مجبوری اور لاچاری کی وجہ سے آپ ﷺ کی آواز سن کر خود نہ آ سکا تو اس نے صورت حال معلوم کرنے کے لئے اپنا نمائندہ بھیج دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو نبی معظم ﷺ نے اپنی دعوت اور تقریر کا آغاز یوں فرمایا:

(1) صحيح مسلم، كِتَابُ الْإِيمَانَ، بَابٌ فِي قَوْلِهِ تَعَالَىٰ: وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ:207

"اے اہل مکہ !((لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُراً هَلْ وَجَدْتُمُونِي صَادِقًا أَوْ كَاذِبًا)) میں نے تم میں (چالیس سال کا) طویل عرصہ گزارا ہے۔ میرے دن رات کے معمولات سے تم بخوبی واقف اور میری عادات و اطوار سے پوری طرح آگاہ ہو۔ مجھے بتاؤ کہ میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا۔ امام الانبیاء ﷺ کا یہ سوال سن کر تمام حاضرین نے بیک زبان اور باآواز بلند کہا کہ ((جَرَّبْنَاكَ مِرَارًا مَا رَأَيْنَاكَ إِلَّا صِدْقًا)) (اے محمد ﷺ) ہم نے تجھے بارہا مرتبہ آزمایا۔ کئی مرتبہ تجربہ کیا اور متعدد بار امتحان لیا۔ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا پایا اور ہمیں تو آپ میں سچائی کے سوا کوئی دوسری چیز نظر ہی نہیں آئی۔ آپ ﷺ نے قوم کی طرف سے اِس حسن اعتماد کے اظہار و اعلان کے بعد مزید تائید، تصدیق اور تسلی کیلئے فرمایا:

«أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ. أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟»

"تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن کے سواروں کا دستہ اس پہاڑ کے دامن سے نکل کر تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟"

محسن انسانیت ﷺ کے اس فرمان اور سوال کو سن کر آپ ﷺ کی چالیس سالہ زندگی کے عینی شاہدوں، آپ کی پاکیزہ جوانی کے گواہوں، آپ کے صادق و امین کا لقب دینے والوں، آپ کی طہارت و نجابت اور دیانت و امانت کا مشاہدہ کرنے والوں اور حجر اسود کی تنصیب کے وقت آپ ﷺ کو فیصل، مُنصِف اور ثالث ماننے والوں نے واشگاف الفاظ میں کہا۔ اے محمد ﷺ! اگر آپ دشمن کے حملہ آور ہونے کی اطلاع دیں، تو ہم تصدیق کریں گے کیونکہ آپ کا فرمان سچ ہے، حق ہے اور صحیح ہے اور ہم اس بھرپور اعتماد کا اظہار اس لئے کر رہے ہیں کہ ہم نے آج تک آپ کی زبان سے کبھی جھوٹ سنا ہی نہیں ہے، ((مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا))"ہم نے آپ کو ہر تجربے میں، راست باز، سچا اور

صادق ہی پایا ہے۔

اب سرور کائنات ﷺ نے اہل مکہ کے سامنے اپنی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

«فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ»[1]

''میں تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔

یعنی مجھے رسالت کی عظیم نعمت سے نوازا گیا ہے۔ میرے سر پر دستار نبوت سجائی گئی اور مجھے بنی نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سرزمین مکہ کے سربر آوردہ خاندانوں، قبیلوں اور شخصیتوں کے نام لے کر انہیں خطاب فرمایا اور علی الاعلان کہا:

''اے کعب بن لؤی کے بیٹو! اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچالو۔ اے مرہ بن کعب کی اولاد! جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرو۔ اے بنی ہاشم! تم بھی آتش جہنم سے بچاؤ کی تدبیر کرو۔ اے بنی عبد مناف! تم بھی اپنے آپ کو آگ سے بچالو۔ اے بنی زہرہ! تم بھی جہنم سے بچنے کی جدوجہد کرو۔ اے عبد المطلب کے بیٹو! اپنے آپ کو عذاب سے بچاؤ۔ اے میری لخت جگر فاطمہ اور اے میری پھوپھی صفیہ! تم بھی اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے بچالو۔ کیونکہ اگر تمہارا عقیدہ اور عمل صحیح نہ ہوا تو ((لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا)) میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اور یاد رکھو۔ عذاب الٰہی سے بچاؤ۔ آتش جہنم سے دوری اور آگ سے محفوظ رہنے کا ایک ہی طریقہ اور سلیقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کر لو۔''[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب و انذر عشیرتك: 4971

[2] صحیح البخاری، كِتَابُ الوَصَايَا، بَابٌ: هَلْ يَدْخُلُ النِّسَاءُ وَالوَلَدُ فِي الأَقَارِبِ؟: 2753

آپ نے توجہ فرمائی کہ قریش مکہ کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملے سے رسول اکرم ﷺ کی صداقت، سچائی اور راست بازی کا اعلان و اظہار ہو رہا ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی گواہی:

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ کی ایک معزز و محترم خاتون تھیں جو عفت، حمیت، طہارت، نظافت اور شرافت کا پیکر تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کو پاکیزہ سیرت کے باعث "طاہرہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، قبول اسلام کے بعد رسول محترم ﷺ نے آپ کو "سیدۃ نساء العالمین "تمام جہانوں کی عورتوں کا سردار اور جنتی خواتین کی سربراہ قرار دیا تھا۔ جب امام الرسل ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال ہوئی تو آپ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ سیدۃ رضی اللہ عنہا کو 25 سال خاتم الرسل ﷺ کی بلاشرکت غیرے "رفیقہ حیات" ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

جب آقائے دوجہاں ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی اورآپ علیہ الصلاۃ والسلام پر نزول وحی کا آغاز ہوا تو سیدہ کے ساتھ نکاح کو پندرہ سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ اسی دوران رمضان المبارک کا مہینہ، آخری عشرے کی طاق رات اور سوموار کا دن تھا اور آپ ﷺ "غار حراء" میں مصروف عبادت تھے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام کی آمد ہوئی اور آپ ﷺ پر پہلی وحی یعنی سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات نازل فرمائی گئیں۔

چونکہ یہ واقعہ خلوت و تنہائی میں اچانک پیش آیا تھا، اس لیے رسول مکرم ﷺ کی طبع نازک پر گراں گزرا اور آپ ﷺ کے جسم اطہر پر کپکپی اور گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ آپ گھر تشریف لائے تو آپ کے دل کی دھڑکن تیز اور کندھوں اور گردن کا گوشت پھڑک رہا تھا۔ آپ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "مجھے چادر اڑھادو، مجھے چادر اڑھادو"۔ چنانچہ آپ ﷺ کو چادر اوڑھا دی گئی۔ حتی کہ آپ ﷺ سے خوف اور گھبراہٹ کی کیفیت ختم ہوگئی۔

پھر آپ ﷺ نے تسلی اور اطمینان سے اپنی مخلص ووفادار رفیقہ حیات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو غار حرا کی سرگزشت سنائی اور فرمایا: «لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي» "مجھے تو اپنی جان کا ڈر اور خطرہ پیدا ہو گیا تھا"۔ اس موقع پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو کچھ فرمایا، وہی ہمارے موضوع کا حصہ ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بعد از نکاح 15 سال رسول محترم ﷺ کی خلوت و جلوت ــــ محفل و تنہائی ــــ خوشی اور غمی ــــ اٹھنا اور بیٹھنا ــــ چلنا اور پھرنا ــــ نیند اور بیداری ــــ کھانا اور پینا ــــ آنا اور جانا ــــ سونا اور جاگنا ــــ معمولات و معاملات ــــ نشست و برخاست ــــ خاموشی اور گفتگو ــــ خدمت انسانیت اور صلہ رحمی ــــ غیروں کے ساتھ رویہ ــــ اپنوں سے تعلقات ــــ مسافروں کی خدمت ــــ محتاجوں کی معاونت ــــ بیوگان کی خبر گیری ــــ یتیموں کی کفالت ــــ اور عبادت وریاضت ــــ غرض ہر معاملے اور ہر چیز کو باریک بینی سے دیکھا اور تجربہ کیا تھا۔ اور وہ بڑی دانا، سمجھدار، معاملہ فہم، زیرک اور دیندار خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر نام دار جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو تسلی دیتے اور ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے فرمایا:

«كَلَّا أَبْشِرْ فَوَاللهِ لَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا. فَوَاللهِ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ. وَتَصْدُقُ الحَدِيثَ. وَتَحْمِلُ الْكَلَّ. وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ. وَتَقْرِي الضَّيْفَ. وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ»[1]

"ایسا ہر گز نہیں ہو گا، آپ کو خوشخبری ہو، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی پریشان نہیں کرے گا۔ بلاشبہ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، "آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں"۔ آپ کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ آپ محتاجوں کو کما کر دیتے ہیں۔ آپ مہمان نواز ہیں اور راہ حق میں آنے والی مصیبتوں پر لوگوں کے مددگار اور معاون ہیں"۔

---

[1] صحیح بخاری، كِتَابُ تَفْسِيرِ القُرْآنِ، بَابُ قَوْلِهِ: اقْرَأْ وَرَبُّكَ الأَكْرَمُ: 4953

حضرات! نزول وحی کی کیفیات و تفصیلات اور بعد میں پیش آمدہ واقعات فی الوقت ہمارا موضوع نہیں ہے۔ ہم تو پہلی وحی کے نزول تک 15 سال محسن انسانیت کی رفاقت و معیت میں گزارنے والی زوجہ رسول سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے رسول محترم ﷺ کی سیرت و کردار کے چند نمایاں پہلوؤں سے آپ کو آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ اور ان پاکیزہ اوصاف میں ایک وصف ہے۔ تَصْدُقُ الحَدِیْثَ۔ کہ آپ ﷺ ہمیشہ سچ بولنے والے، صداقت کی گواہی دینے والے اور سچے لوگوں کا ساتھ دینے والے تھے۔

اس واقعہ کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مزید 10 سال بقید حیات رہیں اور رسول اکرم ﷺ کے مشن کی تبلیغ و اشاعت میں آپ ﷺ کی معاون و مددگار، غم خوار و غم گسار اور ہمدرد و خیر خواہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا

صداقت کا نور:

محسن عالم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی صفت "صداقت" ایسی کامل و اکمل تھی کہ اس سچائی، صداقت اور راست گوئی کا نور آپ ﷺ کے رخ انور اور چہرہ مبارک سے جھلکتا تھا اور آپ ﷺ کے چہرہ پُر انوار کی زیارت کرنے والے کو اس امر کا یقین ہو جاتا تھا کہ ایسے دل ربا چہرے والا "محمد ﷺ" جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

ہم احادیث رسول سے صرف دو ایسے واقعات بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن سے واضح ہو گا کہ آپ کی صداقت کا عکس آپ کے رخ انور میں نظر آتا تھا۔

1۔ جناب عبد اللہ بن سلام یہود مدینہ کے کبار علماء میں سے تھے۔ بلکہ "سر تاج العلماء" تھے اور اپنے قبیلے کے رئیس تھے۔ بہت دانا، عقل مند، سمجھدار اور تجربہ کار انسان تھے۔ یہودیوں کے بہت بڑے مذہبی لیڈر تھے۔ مدینہ منور کے یہودی آپ کو، سَیِّدُنَا وَابْنُ سَیِّدِنَا اَعْلَمُنَا وَابْنُ اَعْلَمِنَا۔" وہ ہمارا سردار ہے، ہمارے سردار کا بیٹا ہے، وہ ہمارے سب سے بڑا عالم ہے اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہے"۔ کہا کرتے تھے۔ آپ اپنے قبول اسلام کا واقعہ خود بیان فرماتے ہیں:

"جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور نبوت کے بارے میں سنا اور آپ کے اوصاف حمیدہ، اسم مبارک، شکل وصورت اور اخلاق وعادات کے بارے میں علم ہوا تو مجھے بڑی مسرت اور خوشی ہوئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ مکہ مکرمہ میں اعلان نبوت کرنے والا شخص وہی ہستی ہے جس کی تشریف آوری کے ہم منتظر اور ان کے لیے چشم براہ ہیں۔ دل چاہا کہ فوراً مکہ مکرمہ حاضری دوں اور سرور کونین ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤں۔ مگر بعض مصالح کی بناء پر میں نے اپنے جذبات اور احساسات کو ظاہر نہ کیا اور مکمل خاموشی اختیار کئے رکھی۔ تا آنکہ نبی محترم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ جب میں نے آپ ﷺ کے وُرودِ مدینہ منورہ کی خبر سنی تو فرط مسرت سے میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا۔ اور نبی محترم ﷺ کی زیارت اور ملاقات کیلئے دربار رسالت میں حاضر ہو گیا ۔ «لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْجَفَلَ النَّاسُ عَلَيْهِ، فَكُنْتُ فِيمَنِ انْجَفَلَ» جب نبی مکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق آپ ﷺ کی ملاقات کیلئے حاضر ہوئے۔ میں بھی دربار رسالت میں حاضر ہونے والوں میں سے ایک تھا۔ «فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ» جب میں نے امام الانبیاء ﷺ کے چہرہ اقدس کو بغور دیکھا تو میرے دل میں یقین پیدا ہو گیا کہ ایسا خوبصورت اور روشن چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ میرے دل نے فوراً تصدیق کر دی کہ بے شک یہی نبی آخر الزماں ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کا رخ انور آپ کی صداقت وحقانیت کی واضح دلیل ہے۔"

جناب عبد اللہ بن سلام ابھی چہرہ مصطفیٰ ﷺ کی زیارت سے اپنے دل کی پیاس بجھا رہے تھے کہ رسول محترم ﷺ نے حاضرین سے خطاب فرمانا شروع کر دیا۔ سرور کائنات ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف آوری پر جو پہلا وعظ فرمایا۔ وہ چار مسائل پر مشتمل تھا۔ اور ان احکام اربعہ

میں عمل پیرا ہونے والوں کے لیے جنت کی بشارت کا اعلان تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَ صَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ»(1)

"ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کہو، اور بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور صلہ رحمی اختیار کرو اور رات کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو نماز (تہجد) ادا کرو۔ تم بسلامت جنت میں داخل ہو جاؤں گے۔"

جناب عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے زیارت رسول ﷺ اور تقریر مصطفیٰ سے متاثر ہو کر فوراً کلمہ پڑھا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

2۔ طارق بن عبد اللہ محاربی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد کی بات ہے کہ:

"ایک مرتبہ ہم مدینہ طیبہ کے قریب قیام پذیر تھے کہ ایک دن سفید کپڑوں میں ملبوس ایک شخص ہمارے پاس آیا۔ اس نے ہمیں سلام کہا۔ ہم نے سلام کا جواب دیا تو آنے والے نے سوال کیا کہ «مِنْ أَيْنَ أَقْبَلَ الْقَوْمُ؟» قافلہ کہاں سے آیا ہے؟ ہم نے انہیں بتایا کہ ہم "ربذہ" سے آئے ہیں اور اونٹوں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں یہاں چند دن کیلئے مقیم ہیں۔ اس آدمی نے ایک سرخ اونٹ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا: «تَبِيعُونِيْ هٰذَا الْجَمَلَ؟» کیا تم یہ اونٹ بیچو گے؟ ہم نے کہا: نَعَمْ، ہاں، یہ اونٹ قابل فروخت ہے۔ اس نے ہم سے قیمت پوچھی، قُلْنَا: بِكَذَا وَكَذَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، ہم نے کہا: اس اونٹ کے بدلے میں ہم اتنے صاع کھجوریں لیں گے۔ اس نے ہم سے اونٹ کی قیمت میں کمی کا مطالبہ کئے بغیر اونٹ کی نکیل پکڑی اور مدینہ منورہ کی طرف چل پڑا۔ (ہم اس کے حسن و جمال، گفتگو میں مٹھاس

(1) جامع ترمذی، ابواب صفة القيامة والرقائق :2485، قال الالبانی، صحیح

اور اخلاق سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہم میں سے کسی نے اس سے قیمت کا مطالبہ نہ کیا اور اسے جاتے ہوئے پیچھے سے دیکھتے رہے) جب وہ ہمارے نظروں سے اوجھل ہو گیا تو ہمیں فکر دامن گیر ہوئی کہ ہم نے اس شخص سے اونٹ کا سودا کیا ہے۔ قیمت وصول نہیں کی اور اونٹ اس کے حوالے کر دیا ہے۔ اس کے نام کا ہمیں علم نہیں ہے۔ اور پتہ بھی معلوم نہیں ہے۔ ہمارے جیسا بھی کوئی بیوقوف دنیا میں ہو گا کہ ایک اجنبی اور ناواقف شخص کو اونٹ پکڑا دیا اور قیمت وصول نہیں کی۔ ہم نے ایک دوسرے کو ملزم ٹھہرانا اور ملامت کرنا شروع کر دی"۔

جب ہمارے قافلے کی ایک خاتون نے ہمیں پریشان دیکھا تو ہمیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ فکر نہ کرو۔ "تمہارے اونٹ کی قیمت کی میں ضامن ہوں۔" ہم نے کہا: تم اسے جانتی اور پہچانتی ہو؟ خاتون نے کہا: "میں نے اس کے چہرہ مبارک کو بغور دیکھا ہے۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ ایسے پرکشش، دل ربا اور حسین و جمیل چہرے والا دھوکہ باز نہیں ہو سکتا۔" قافلے والوں نے خاتون سے کہا کہ اس کے حسن و جمال نے تو ہمیں بھی متاثر کیا ہے۔ لیکن تم بتاؤ کہ تم نے اس شخص کے بارے میں اتنی بڑی بات کس طرح کہہ دی۔ خاتون نے جواب دیا: مَا رَأَيْتُ وَجْهَ رَجُلٍ أَشْبَهَ بِالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ مِنْ وَجْهِهِ، میں نے آج تک اس جیسا حسین و جمیل نہیں دیکھا۔ اس کا چہرہ تو چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ اس کے چہرے کی ملاحت، بناوٹ اور سجاوٹ کی بناء پر مجھے پورا یقین ہے کہ وہ تم سے دغا نہیں کرے گا۔ شام تک ہم اسی قسم کی گفتگو میں مصروف اور امید و یاس کی کیفیت سے دوچار رہے۔ جب عشاء کا وقت ہوا تو مدینہ منورہ کی طرف سے ایک شخص ہمیں آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے ہمارے قریب آکر سلام کہا اور بتایا کہ۔ ((اَنَا رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْكُمْ)) میں اللہ تعالیٰ کے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا قاصد ہوں۔ مجھے آپ ﷺ نے اہل قافلہ کی طرف کھجوریں دے کر بھیجا ہے اور فرمایا ہے: ((أَنْ

تَأْكُلُوا مِنْ هٰذَا حَتّٰى تَشْبَعُوْا)) تمام قافلے والے پہلے پیٹ بھر کر کھجوریں کھاؤ، ((وَتَكْتَالُوْا حَتّٰى تَسْتَوْفُوْا)) اور پھر جتنی کھجوروں کے بدلے اونٹ کا سودا ہوا ہے، وہ تول کر پوری کر لو۔

طارق بن عبد اللہ محاربی کہتے ہیں کہ پہلے تو ہم نے خوب سیر ہو کر کھجوریں کھائیں اور پھر اونٹ کی قیمت کے برابر تول کر پوری پوری وصول کر لیں۔ (رات ہم سب نے مشورہ کیا کہ صبح ہم ایسے خوبرو، حسین و جمیل اور امانتدار و دیانتدار ہستی کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جائیں گے) پس جب ہم اگلے دن مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو۔((فَإِذَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يَخْطُبُ النَّاسَ عَلَى الْمِنْبَرِ)) رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔[1]

بزرگان محترم! آپ نے غور فرمایا کہ رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین جناب محمد کریم ﷺ کی صداقت و سچائی اور راست بازی و حق گوئی کا نور آپ کے چہرہ انور سے ٹپکتا تھا اور صاحبان عقل و بصیرت آپ کے رخ انور کی زیارت سے ہی یقین کر لیتے تھے کہ جس کا چہرہ اتنا حسین ہے، اس کی زبان بھی یقیناً سچی اور حق و صداقت کی ترجمان ہو گی۔

ہمارے دور کے مسلمانوں مرد و خواتین کو اپنے رسول ﷺ کی سیرت پاک کے اس پہلو پر خاص توجہ دینے اور اپنانے کی ضرورت ہے کیونکہ ہمارے ہاں یہی جملہ زبان زد عام ہے کہ "جھوٹ کے بغیر گزارا نہیں ہوتا" یاد رکھیے! صداقت میں کامیابی ہے۔ سچائی میں کامرانی ہے۔ راست گوئی میں برکت ہے۔ سیرت کا مطالعہ فرمائیے ہمارے رسول نے 63 سالہ زندگی میں ایک بار۔ہاں۔ ایک بار بھی جھوٹ نہیں بولا۔ ہمیشہ سچائی کو اپنایا اور صداقت کو اختیار فرمایا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صداقت:

امام الرسل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے رفقاء، اصحاب اور شاگردوں کی ایسی مثالی

(1) سنن الدار قطنی، کتاب البیوع: 2976؛ المستدرک للحاکم: 4219، قال الحاکم صحیح ووافقہ الذھبی

تربیت فرمائی کہ وہ ہمیشہ سچ بولتے، صداقت سے کام لیتے اور کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے :

"جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے (تالیف قلوب کی خاطر) وہ مال غنیمت (نو مسلم) قریشیوں میں تقسیم فرمادیا۔ انصار مدینہ نے اس پر تعجب و حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے آپس میں کہا کہ: إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْعَجَبُ؟ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جن کے خلاف لڑنے کے باعث ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے، انہیں کو اموال غنیمت سے نوازا جا رہا ہے۔ جب یہ صورت حال رسول اکرم ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے انصار کو جمع کر کے ان سے پوچھا، «مَا الَّذِي بَلَغَنِي عَنْكُمْ ؟» یہ کیا بات ہے جو تمہارے بارے میں مجھے بتائی گئی ہے؟ تو انہوں نے بلا تامل صاف عرض کیا کہ "ہمارے کچھ لوگوں نے یہ بات کی ہے"۔ جناب انس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ انصار کرام رضی اللہ عنہم نے صاف اقرار و اعتراف اس لیے کیا کیونکہ: وَكَانُوا لَا يَكْذِبُونَ "وہ صحابہ کرام جھوٹ نہیں بولتے تھے"۔

آپ ﷺ نے بھی انہیں ڈانٹنے، جھڑکنے اور ان پر غصہ نکالنے کی بجائے انہیں حالات سے پوری طرح آگاہ فرمایا اور تقسیم غنائم کی حکمت و مصلحت واضح کرنے کے بعد فرمایا :

«أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَرْجِعَ النَّاسُ بِالدُّنْيَا. وَتَرْجِعُونَ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى بُيُوتِكُمْ ؟»

"کیا تم اس فیصلے پر راضی نہیں ہو کہ لوگ اپنے گھروں کو دنیا کا مال لے کر واپس جائیں اور تم اللہ کے رسول ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے شہر مدینہ کو واپس جاؤ۔ اس پر تمام انصار راضی اور مطمئن ہو گئے"۔(1)

(1) صحیح بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب مَنَاقِبِ الأَنْصَارِ: 3778

شاید انہیں الفاظ رسول کا پنجابی ترجمہ ہے کہ:

لوگ گھراں نُوں لے کر جاون، اُوتھ تے بکریاں گائیں
تُسیں گھراں نوں لے کر جاؤ، دو عالم دا سائیں

اس حدیث پاک کے جن الفاظ کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام وَكَانُوا لَا يَكْذِبُونَ "وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے"۔

اصحاب رسول کی صداقت و سچائی کا صرف ایک واقعہ عرض کر کے گزارشات کو مکمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ 9 ہجری میں غزوہ تبوک کے موقع پر پیچھے رہ جانے منافقین کے علاوہ ایک مخلص صحابی سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے، غزوہ سے واپسی پر رسول محترم ﷺ نے اس اہم غزوہ میں شریک نہ ہونے والوں سے باز پرس فرمائی تو منافقین مدینہ نے حیلے بہانے کر کے آپ ﷺ سے معذرت کرلی، جسے مصلحتاً قبول فرمالیا گیا۔ جب جناب کعب خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ تو آپ ﷺ نے ان سے بھی غزوے میں عدم شرکت کی وجہ معلوم کی۔ جناب کعب نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے جو جواب دیا وہ ہمارا موضوع ہے۔ انہوں نے نہایت ادب سے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ!

"لَوْ جَلَسْتُ عِنْدَ غَيْرِكَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا، لَرَأَيْتَ أَنْ سَأَخْرُجُ مِنْ سَخَطِهِ بِعُذْرٍ، وَلَقَدْ أُعْطِيتُ جَدَلًا، وَلٰكِنِّي وَاللهِ، لَقَدْ عَلِمْتُ لَئِنْ حَدَّثْتُكَ الْيَوْمَ حَدِيثَ كَذِبٍ تَرْضٰى بِهِ عَنِّي، لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يُسْخِطَكَ عَلَيَّ، وَلَئِنْ حَدَّثْتُكَ حَدِيثَ صِدْقٍ، تَجِدُ عَلَيَّ فِيهِ، إِنِّي لَأَرْجُوا فِيهِ عَفْوَ اللهِ"

"اگر میں آپ کے علاوہ کسی دنیا دار کے سامنے ہوتا تو آپ دیکھتے کہ میں اپنی تیز زبانی کے باعث کوئی عذر کر کے اس کی ناراضی سے نکل جاتا۔ اللہ کی قسم! مجھے گفتگو کا سلیقہ معلوم ہے۔ لیکن بخدا! میں جانتا ہوں کہ اگر آج کوئی جھوٹی بات کر کے آپ کو راضی کر بھی لوں تو جلد ہی اللہ تعالیٰ آپ کو (حقائق

بتا کر) مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اور اگر میں آپ کے رُوبرو "سچی بات" کروں تو آپ (وقتی طور پر) مجھ سے ناراض ہوں گے۔ اور مجھے پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادے گا"۔

ان ابتدائی گزارشات کے بعد جناب کعب نے صاف بتا دیا کہ میرے پاس اس غزوے سے پیچھے رہ جانے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے میں صاحب حیثیت، تندرست و توانا اور فارغ البال تھا۔ سچی بات یہی ہے کہ صرف سستی کی وجہ سے میں اس غزوہ میں رفاقت رسول کا اعزاز حاصل نہیں کر سکا۔...... بالآخر جب اللہ تعالیٰ نے جناب کعب کی توبہ قبول فرمائی، ان کی معذرت تسلیم کر لی گئی اور ان کی فضیلت و عظمت کے اظہار و بیان کے لئے سورۃ توبہ کی آیت 118 نازل فرمادی تو جناب کعب نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے رسول مکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی:

"فَوَاللهِ مَا أَنْعَمَ اللهُ عَلَيَّ مِنْ نِعْمَةٍ قَطُّ بَعْدَ أَنْ هَدَانِي لِلْإِسْلَامِ. أَعْظَمَ فِي نَفْسِي مِنْ صِدْقِي لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ."

"اللہ کی قسم! اسلام قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر سب سے بڑا احسان و انعام یہ فرمایا کہ اس نے مجھے رسول اکرم ﷺ کے سامنے "سچ بولنے" کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اگر خدانخواستہ میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح جھوٹ بولتا تو منافقین کی طرح ہلاک ہو جاتا"۔(1)

اس واقعہ صحیحہ سے یہ بات روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ صحابہ کرام راست گوئی سے کام لیتے۔ دروغ گوئی بالکل نہ کرتے اور کسی موقع پر جھوٹ نہیں بولتے تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ انہیں :صَادِقُوْنَ،رَاشِدُوْنَ، عَابِدُوْنَ اور اَلَّذِيْنَ صَدَقُوْا کے دل نواز القابات سے یاد فرماتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ہماری محبت، الفت اور عقیدت کا اولین تقاضا ہے کہ ہم

(1) صحیح بخاری، كِتَابُ الْمَغَازِي، بَابُ حَدِيثِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ:4418

آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے زندگی کے ہر میدان میں "صداقت و سچائی" کو اپنائیں۔ صحابہ کرام کی طرح سچائی کو اختیار کریں اور کسی وقتی اور عارضی فائدے اور منفعت کی خاطر سیرت رسول سے کسی صورت سر موا انحراف نہ کریں۔ اسی میں ہمارا دنیا کا بھلا اسی میں قبر کی نجات اور اسی میں آخرت کی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو ہمیشہ سچ بولنے، سچ لکھنے اور سچوں کا ساتھ دینے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۝

2

امانتِ مصطفیٰ ﷺ

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی لا تعداد تعریفات و تحمیدات، رسول محترم ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر بے شمار درود و سلام اور تمام فوت شدہ اہل ایمان کے لیے بلندی درجات کی دعاؤں اور التجاؤں کے بعد!

ہر کلمہ گو کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات اور جمیع معمولات نبی محترم، رسول معظم، رحمت مجسم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت، سنت اور حدیث کے مطابق انجام دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اپنانے، آپ ﷺ کے فرامین پر عمل کرنے اور آپ کی سنتوں کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے، در حقیقت امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی ہی وہ واحد شخصیت ہیں جن کی سیرت میں طبقہ انسانی کے ہر فرد بشر کے لیے راہنمائی اور نمونہ موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول (جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ (سے ملاقات) اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے"۔

سورۃ الاحزاب کی یہ آیت مبارکہ اس امر کی وضاحت اور صراحت کرتی ہے کہ امام الرسل جناب محمد کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے اہل ایمان کیلئے اسوہ اور نمونہ ہیں اور تمام مومنین و مومنات کو دینی امور اور دنیاوی معاملات میں سیرت رسول سے راہنمائی حاصل کر کے اپنی زندگی کو خوش گوار، قبر کو جنت کا باغ اور آخرت کو کامیاب بنانا چاہیے۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے بے شمار رہنما اصولوں میں ایک اہم اور بنیادی اصول "امانت و دیانت" ہے۔ لہٰذا ان معروضات میں ان شاء اللہ العزیز آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے اسی پہلو پر گفتگو کی کوشش کی جائے گی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ توفیق و سعادت مرحمت فرمائے۔ آمین

امانت کا معنٰی و مفہوم:

لفظ "امانت" امن سے ماخوذ و مشتق ہے جس کا لغوی معنی سلامتی، بے خوفی اور سکون ہے چونکہ کسی کی امانت واپس لوٹانے والا اس کی طرف سے بے خوف و پُر امن اور مطمئن و پر سکون ہو جاتا ہے اس لیے اس ذمہ داری سے سبکدوشی کو امانت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اصطلاح شریعت اور عرف عام میں امانت کا مفہوم یہ ہے:

"هِيَ خُلُقٌ ثَابِتٌ فِي النَّفْسِ يَعِفُّ بِهِ الْإِنْسَانُ عَمَّا لَيْسَ لَهُ بِهِ حَقٌّ.......... وَيُؤَدِّي بِهِ مَا عَلَيْهِ أَوْ لَدَيْهِ مِنْ حَقِّ غَيْرِهِ"

"ایسی انسانی خصلت و عادت جو اسے ہر ایسی چیز سے بچانے پر آمادہ کرے جس پر اس کا حق نہیں ہے۔ اور اس کے ذمہ یا اس پر دوسرے کا جو حق ہے، اسے ادا کرنے پر تیار کرے"۔

امانت کی اہمیت اور فضیلت:

انسانی معاملات کے اخلاقی فضائل میں "امانت و دیانت" کو مرکزی حیثیت حاصل

ہے۔ ہر مسلمان کو اپنے معاملات میں ایماندار و دیانتدار ہونا چاہیے اور اس کے ذمے جس کا جو حق ہے اسے ادا کر کے اپنے آپ کو "امین" ثابت کرنا چاہیے ۔ اجتماعی زندگی کی بنیاد واساس "امانت ودیانت" پر ہی ہے۔

خادم رسول سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب بھی ہمیں خطاب کرتے تو اپنے ہر خطبے میں فرماتے:

"لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ"[1]

"جو شخص امانت دار نہیں اس کا ایمان (قبول) نہیں اور جو وعدے کا پابند نہیں اس کے دین کا کوئی اعتبار نہیں"۔

اس حدیث مبارکہ میں پیارے رسول ﷺ نے بد دیانت انسان کو ایمان کی نعمت سے خالی اور محروم قرار دیا ہے اور خالق کائنات نے قرآن مجید میں حکم دیا ہے کہ "امانتیں" ان کے مالکوں اور حق داروں کو ادا کی جائیں اور امانات کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ (النساء:58)

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کر دو"۔

امانت کی بر وقت اور درست واپسی اللہ رب العزت کا حکم، رسول محترم ﷺ کا فرمان اسلامی معاشرے کا حسن اور ہر صاحب ایمان کا وطیرہ ہے، بلکہ اسوۂ رسول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کے ساتھ خیانت، بددیانتی اور دھوکہ کرے تو جواباً اس کے ساتھ خیانت وبددیانتی نہ کی جائے بلکہ حق دار کو اس کا پورا حق ادا کیا جائے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] الجامع لشعب الایمان ، الثانی والثلاثون من شعب الایمان:4045؛ مسند الامام احمد:12383، قال شعیب الارناؤط ،حسن

«أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ» [1]

"جو شخص تمہارے پاس (کوئی چیز) امانت رکھے تو اس کی امانت اسے واپس کرو، اور جو تمہارے ساتھ خیانت کرے تو تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو"۔

اگر کوئی شخص کسی کی امانت کو ہڑپ اور ہضم کر لے اور اس کے مالک کو واپس نہ کرے تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ دنیا عارضی، فانی اور ختم ہو جانے والی ہے۔ آخر کار دربار الٰہی میں حاضری ہو گی اور وہاں ہر آدمی سے اس کے عقائد و اعمال کا حساب لیا جائے گا اور حق داروں کو ان کے حقوق دلوائے جائیں گے جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلَى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ، مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ» [2]

"قیامت کے دن حق والوں کے حقوق ضرور ادا کیے جائیں گے یہاں تک کہ بے سینگ بکری کا سینگوں والی بکری سے حق وصول کیا جائے گا"۔

جنت کی بشارت:

امانت و دیانت کی اہمیت اور فضیلت اس امر سے بھی عیاں ہوتی ہے کہ امانت دار کو رسول محترم ﷺ نے اپنی زبان حق ترجمان سے جنت کی خوشخبری سنائی ہے، چنانچہ خادم مصطفیٰ جناب انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:

«تَقَبَّلُوا لِي بِسِتٍّ أَتَقَبَّلْ لَكُمُ الْجَنَّةَ. قَالُوا: وَمَا هِيَ؟ قَالَ: «إِذَا حَدَّثَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَكْذِبْ، وَإِذَا وَعَدَ فَلَا يُخْلِفْ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ فَلَا يَخُنْ، وَغُضُّوا

---

(1) جامع ترمذی، کتاب البیوع :1264؛سنن ابی داؤد ، کتاب البیوع ،باب فی الرجل یاخذ حقه: 3535، قال الالبانی، صحیح

(2) صحیح مسلم ،کتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ،بَابُ تَحْرِيمِ الظُّلْمِ :2582

أَبْصَارَكُمْ، وَكُفُّوا أَيْدِيَكُمْ، وَاحْفَظُوا فُرُوجَكُمْ»[1]

"تم مجھ سے چھ چیزیں قبول کر لو (تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو) میں تمہیں جنت قبول کرنے کی خوشخبری دیتا ہوں (یعنی جنت کی ضمانت دیتا ہوں) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی وہ کونسی چیزیں ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: (1) جب گفتگو کرو تو جھوٹ نہ بولو۔ (2) جب وعدہ کرو تو خلاف ورزی نہ کرو۔ (3) جب تمہیں امانت دی جائے تو خیانت نہ کرو۔ (4) اور اپنی نظروں کو نیچا رکھو (5) اور اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو یعنی اپنے ہاتھوں سے کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ (6) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو"۔

اس حدیث مبارکہ میں "امانت دار" کو بھی جنت کی بشارت سنائی گئی ہے اور ہر مومن و مسلمان کو بددیانتی اور خیانت سے منع فرمایا گیا ہے۔

کاروباری اور تجارتی معاملات میں امانت و دیانت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ دیانتدار تاجر اپنی کاروباری برادری میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جبکہ بددیانت شخص کے ساتھ کوئی لین دین کرنے کو پسند نہیں کرتا اور معاشرے میں اسے حقارت و نفرت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض روایات میں امانت دار تاجر کو نہ صرف جنت بلکہ جنت میں انبیاء، اصدقاء اور شہداء کی رفاقت کی نوید سنائی گئی ہے۔

جناب ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ، وَالصِّدِّيقِينَ، وَالشُّهَدَاءِ»[2]

"سچا اور امانت دار تاجر (حشر کے دن) نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا"۔

---

[1] الجامع لشعب الایمان، الثانی والثلاثون من شعب الایمان: 4046؛ المستدرک للامام حاکم: 8067۔ صححه الحاکم؛ مسند الامام احمد: 22757، قال شعیب الارناؤط: حسن لغیرہ

[2] جامع ترمذی، كِتَابُ الْبُيُوعِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي التُّجَّارِ وَتَسْمِيَةِ النَّبِيِّ ......: 1209، قال الترمذی هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ و قال الالبانی ضعیف

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زبان نبوت سے امانت و دیانت کو نماز، روزے اور حج وزکاۃ کی طرح فرض قرار دیا ہے اور اپنی امت کے امانت داروں کو جنت کی بشارات سے سرفراز فرمایا ہے۔ سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَمْسٌ مَنْ جَاءَ بِهِنَّ مَعَ إِيمَانٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ: مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ عَلَى وُضُوئِهِنَّ وَرُكُوعِهِنَّ وَسُجُودِهِنَّ وَمَوَاقِيتِهِنَّ، وَصَامَ رَمَضَانَ، وَحَجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا، وَأَعْطَى الزَّكَاةَ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ، وَأَدَّى الْأَمَانَةَ»[1]

”جو شخص حالت ایمان میں پانچ کام کرے تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ (1) جو پانچ نمازوں کی حفاظت کرے، ان کے وضو، رکوع، سجدے اور اوقات کا خیال کرتے ہوئے۔ (2) رمضان المبارک کے روزے رکھے۔ (3) اگر طاقت واستطاعت ہے تو بیت اللہ کا حج کرے (4) دل کی خوشی کے ساتھ (ہر سال) زکاۃ ادا کرے (5) اور امانت کو ادا کرے“۔

آپ امانت کی ادائیگی کی فضیلت واہمیت کا اندازہ فرمائیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اسے ارکان اسلام کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور امانت ادا کرنے والے کو جنت کا مستحق قرار دیا ہے، ایسا کیوں نہ ہو کہ اللہ رب العزت نے بھی قرآن مجید فرقان حمید میں امانات کو بروقت اور پورا ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ﴾ (البقرہ:283)

”پس اگر تم میں سے کوئی کسی کے پاس امانت رکھے تو جس کے پاس امانت رکھی جائے اسے چاہیے کہ اس (امانت رکھنے والے) کی امانت واپس کر دے

[1] سنن ابی داؤد، كِتَاب الصَّلَاةِ، بَابٌ فِي الْمُحَافَظَةِ عَلَى وَقْتِ الصَّلَوَاتِ:429، قال الالبانی، حسن

اور اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے"۔

امانت کی واپسی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی گئی ہے وہ اس کی پوری طرح حفاظت کرے، اسے نقصان سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے اور مالک کے مطالبے پر اسے فوراً بحفاظت واپس لوٹادے۔ امانت میں کمی بیشی نہ کرے۔ واپس کرنے میں حیل و حجت نہ کرے اور ٹال مٹول سے کام نہ لے۔

صحابی رسول جناب سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتَّى تُؤَدِّيَ»[1]

"ہاتھ سے جو کچھ لیا ہے وہ اس کے ذمے واجب ہے یہاں تک کہ اسے ادا کر دے"۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی امانت داری:

اہل ایمان کے قلوب و اذہان میں "امانت" کی اہمیت منقش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کی امانت و دیانت کو بیان فرمایا ہے اور اس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اعلیٰ درجے کے امانت دار و دیانت دار تھے اور اللہ تعالیٰ نے توحید اور اسلام کی جو امانت ان کے سپرد فرمائی۔ اسے انہوں نے بلاکم وکاست اپنی امتوں تک پہنچایا اور "امانت الٰہی" کی تبلیغ و اشاعت میں کسی قسم کی سستی اور کوتاہی نہیں کی بلکہ اپنی اپنی قوموں کو واشگاف الفاظ میں بتایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور رب العالمین نے ہمیں "رسول امین" یعنی امانت دار رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

آیئے! انبیاء کرام علیہم السلام کی امانت کے حوالے سے سورۃ الشعراء کی چند آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

---

(1) جامع ترمذی، كِتَابُ الْبُيُوعِ ، بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْعَارِيَةَ مُؤَدَّاةٌ:1266،قال الترمذی هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وقال الالبانی ضعیف

1۔ اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر کا نام سیدنا نوح علیہ السلام ہے۔ آپ کو جنوبی عراق (جہاں آج کوفہ واقع ہے) کے باشندوں کی طرف "رسول" بنا کر بھیجا گیا۔ آپ نے ساڑھے نو سو سال تک لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا درس دیا مگر قوم کی اکثریت نے ان کی دعوت کو جھٹلایا اور ان کی نبوت و رسالت کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے سیلاب کی صورت میں ان پر اپنا عذاب مسلط کر دیا اور سیدنا نوح پر ایمان لانے والے 80 یا 40 افراد کے سوا تمام لوگوں کو غرق آب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی آخری کتاب میں سیدنا نوح علیہ السلام کی زبان سے ان کی امانت کا ذکر ان الفاظ میں فرماتا ہے:

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ (الشعراء:105-109)

"نوح (علیہ السلام) کی قوم نے رسولوں کو جھٹلا دیا۔ جب انہیں ان کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے کہا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے نہیں ہو؟ بلاشبہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور میری اطاعت کرو۔ اور میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو رب العالمین ہی کے ذمہ ہے"۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیات میں اپنے ایک عظیم المرتبت رسول سیدنا ہود علیہ السلام کی ایمانداری کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے۔ آپ علیہ السلام کو "قوم عاد" کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا گیا۔ قوم عاد کا مسکن "احقاف" تھا۔ جو جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں ربع الخالی اور حضر موت کے درمیان واقع ہے۔ اس کے مشرق میں عمان، مغرب میں یمن، شمال میں ربع الخالی اور جنوب میں حضر موت ہے۔

یہ مشرک، بت پرست اور بد عمل قوم تھی۔ جناب ہود علیہ السلام نے عادیوں کی اصلاح و فلاح کیلئے بڑی کوشش کی مگر معدودے چند افراد کے سوا سب لوگوں نے آپ علیہ السلام کی

تکذیب کی اور توحید الٰہی کے اقرار و اعتراف سے صاف انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر تند و تیز آندھی کا عذاب مسلط فرمایا۔ جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل جاری رہا جس نے اس سرکش اور باغی قوم کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا۔ صرف سیدنا ہود علیہ السلام اور ان کے فرماں بردار عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔ رب العالمین نے قرآن عزیز میں جناب ہود علیہ السلام کی تبلیغ، امانت و دیانت اور قوم کے سلوک کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿ كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء:123-127)

"(قوم) عاد نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) نے کہا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے نہیں ہو۔ بے شک میں تمہارے لیے "امانت دار رسول" ہوں۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور میری اطاعت کرو۔ اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے"۔

3۔ تیسرے وہ برگزیدہ رسول جن کی امانت و دیانت کو بطور خاص قرآنی آیات کی زینت بنایا گیا ہے۔ وہ سیدنا صالح علیہ السلام ہیں۔ آپ علیہ السلام "قوم ثمود" کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ اس قوم کا مقام سکونت حجاز اور اردن کے درمیان "الحجر" ہے۔ جسے "مدائن صالح" بھی کہا جاتا ہے۔ آج کل دیار ثمود "فج الناقۃ" کے نام سے مشہور ہیں۔

ثمودی، بتوں کے پجاری، شرکیہ عقائد کے حامل اور نافرمان لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شرک سے بچانے، توحید کا سبق پڑھانے اور بتوں کی عبادت سے ہٹانے کیلئے سیدنا صالح علیہ السلام کو پیغمبر، واعظ اور ھادی بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ علیہ السلام کا معجزہ ..... قوم کے مطالبے پر .... پتھر سے نکلنے والی اونٹنی تھی جسے قرآن حکیم میں "ناقة الله" کہا گیا ہے۔ جب ثمودیوں نے اس اونٹنی کو قتل کر دیا تو انہیں ایک کڑک دار آواز کے ساتھ ہلاک و برباد کر دیا گیا۔ صرف جناب صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مومنین (جن کی تعداد

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے "روح المعانی" میں 120 بیان فرمائی ہے) عذاب سے محفوظ رہے۔

قرآن آیات میں سیدنا صالح علیہ السلام کی نبوت، امانت اور قوم کی تکذیب و مخالفت کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء: 141-145)

"(قوم) ثمود نے رسولوں کی تکذیب کی جب ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے ان سے کہا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے نہیں ہو۔ بلاشبہ میں تمہارے لیے "امانت دار رسول" ہوں۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرماں برداری کرو۔ اور میں تم سے اس پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے"۔

4۔ چوتھے عظیم القدر پیغمبر جن کی امانت و دیانت کی گواہی قرآن مجید میں دی گئی ہے وہ سیدنا لوط علیہ السلام ہیں۔ آپ علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپ کی تربیت جناب ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ ہوئی۔ انہوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی ہجرت فرمائی اور انہیں "سدوم" (اردن) کے باشندوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا گیا۔ ان کی قوم بت پرستی کے ساتھ ساتھ بڑی بے حیا اور بے شرم تھی اور وہ لوگ نوعمر لڑکوں سے لذت حاصل کرنے کی برائی میں مبتلا تھے۔ سیدنا لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت، اپنی اطاعت اور اس فعل بد سے اجتناب کرنے کی تلقین و نصیحت فرمائی۔ جب قوم کی نافرمانی حد سے بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پتھروں کی بارش کر کے تباہ و برباد کر دیا اور نافرمانوں کی بستی کو الٹ کر ان کا نام و نشان کو مٹا دیا۔ اس عبرتناک اور دردناک عذاب سے صرف وہی محفوظ رہے جو رب العالمین کے عبادت گزار اور جناب لوط علیہ السلام کے فرماں بردار تھے۔

قرآنی آیات میں جناب لوط علیہ السلام کی امانت و دیانت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ١لْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء:160۔164)

''لوط (علیہ السلام) کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی جب انہیں ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے کہا: کیا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہو؟ یقیناً میں تمہارے لیے ''امانت دار رسول'' ہوں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور میری اطاعت کرو۔ اور میں اس پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے ذمے ہے''۔

5۔ امانت و دیانت کی اہمیت واضح کرنے کے لیے قرآن مجید میں جناب شعیب علیہ السلام کی ایمانداری اور دیانت داری کو بھی موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ جناب شعیب علیہ السلام اہل مدین کیلئے رسول بنائے گئے یہ علاقہ موجودہ جغرافیے کے مطابق ''تبوک'' کے بالمقابل واقع ہے۔ قرآنی آیات میں شعیب علیہ السلام کی قوم کو ''اصحاب الایکۃ'' بھی کہا گیا ہے۔ امام المفسرین علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ''ایکہ'' ایک درخت تھا جس کی اہل مدین پوجا کیا کرتے تھے۔ سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم بت پرستی اور شرکیہ عقائد پر کاربند ہونے کے علاوہ ناپ تول میں کمی، معاملات میں دھوکہ دہی اور ڈاکہ زانی کے جرائم کی مرتکب تھی۔ جناب شعیب علیہ السلام کی دعوت کے انکار کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس نافرمان قوم کو ہولناک زلزلے سے جھٹکا دے کر ان پر آگ برسائی اور تباہ و برباد کر کے نام و نشان مٹا دیا۔

اللہ تعالیٰ جناب شعیب علیہ السلام کی دیانت و امانت کو یوں بیان فرماتا ہے:

﴿ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء:176۔180)

''ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے شعیب (علیہ السلام) نے کہا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے نہیں ہو؟ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول

ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور میری فرماں برداری کرو۔ اور میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے ہی ذمے ہے"۔

امانت اور بادشاہت:

قرآن حکیم میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جلیل القدر بندے کو امانت و دیانت کے اعلیٰ وارفع وصف کے باعث جیل سے نکال کر بادشاہت کے تخت پر بٹھا دیا۔ وہ شخصیت عظیمہ ہیں "سیدنا یوسف علیہ السلام۔

سیدنا یوسف علیہ السلام جناب یعقوب علیہ السلام کے بیٹے، جناب اسحاق علیہ السلام کے پوتے اور جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام "راحیل" تھا۔ جناب بنیامین آپ کے حقیقی بھائی، جب کہ سوتیلے بھائیوں کی تعداد 10 تھی۔ آپ علیہ السلام کے ایک خواب کے باعث آپ کے سوتیلے بھائیوں نے حسد کیا اور بہانے سے جنگل میں لے جا کر ایک ویران کنویں میں پھینک دیا۔ جہاں سے ایک قافلے والوں نے نکالا اور مصر میں لے جا کر غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیا۔ عزیز مصر نے آپ کو خرید کر گھر کا معزز فرد بنالیا اور اپنی بیوی کو اس خوب رو نوجوان کی عزت و تکریم کا حکم دیا۔

کچھ عرصہ بعد عزیز مصر کی بیوی کے خیالات تبدیل ہو گئے اور اس نے جناب یوسف علیہ السلام کو "آمادۂ گناہ" کرنے کی کوشش کی، مگر سیدنا یوسف علیہ السلام نے برائی کے تمام اسباب و وسائل مہیا ہونے کے باوجود اپنے مالک کی عزت و آبرو کو پامال کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور گھر کے آخری کمرے سے بھاگ کر اپنی عفت و عصمت کی حفاظت فرمائی۔ عزیز مصر کی اہلیہ نے آپ علیہ السلام پر الزام لگا کر انہیں جیل بھجوا دیا اور آپ ناکردہ گناہ کی پاداش میں کئی سال پابند سلاسل رہے۔

قید خانے میں جناب یوسف علیہ السلام نے دو قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر بتائی تو آپ کی فرمائی ہوئی تعبیر کے مطابق ایک قیدی کو پھانسی اور دوسرے کو رہائی نصیب ہوئی۔ رہا ہونے والا شخص بادشاہ مصر کا ساقی تھا۔ کئی سال بعد وہ بادشاہ کے خواب کی تعبیر معلوم کرنے کیلئے

بادشاہ کی خصوصی اجازت سے جیل میں جناب یوسف علیہ السلام کے پاس آیا اور آپ سے بادشاہ کے خواب کی تعبیر دریافت کی۔ بادشاہ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی بیان فرمودہ تعبیر سن کر جناب یوسف علیہ السلام کو شاہی دربار میں طلب کیا تو آپ علیہ السلام نے معاملے کی تحقیقات منظر عام پر لانے تک قید خانہ سے رہا ہونے سے انکار فرما دیا اور واضح فرمایا کہ:

﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ﴾ (یوسف: 52)

"یہ میں نے (تحقیقات کا مطالبہ) اس لیے کیا ہے تاکہ وہ (عزیز مصر) جان لے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں خیانت نہیں کی اور بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کا مکر (تدبیر) کامیاب نہیں ہونے دیتا"۔

جب بادشاہ مصر نے یوسف علیہ السلام کے مطالبے پر عزیز مصر کی بیوی اور دیگر خواتین سے تحقیقات کیں تو صورت حال بالکل عیاں ہو گئی کہ اصل قصور وار امرءۃ العزیز اور اس کی سہیلیاں ہیں جبکہ یوسف علیہ السلام کا دامن بالکل پاک اور صاف ہے۔ قرآنی الفاظ کے مطابق عزیز مصر کی بیوی نے عدالت کے روبرو اقرار کیا کہ:

﴿الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾

(یوسف: 51)

"اب حق واضح ہو گیا ہے، میں نے ہی اسے اس کے نفس سے پھسلایا تھا۔ بے شک وہ (یوسف) سچوں میں سے ہے"۔

اور عزیز مصر کی بیوی کی سہیلیوں نے بھی برملا اعتراف کیا کہ:

﴿حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ﴾ (یوسف: 51)

"اللہ کی پناہ (بخدا) ہمیں تو اس (یوسف) میں کوئی برائی معلوم ہی نہیں ہے"۔

جب تفصیلی تحقیقات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام انتہائی عفت مآب، امانت دار اور دیانت دار شخصیت ہیں تو بادشاہ مصر نے بڑے

احترام و اکرام کے ساتھ انہیں اپنے پاس بلوایا اور درخواست کی آپ میرے خاص مصاحب کا منصب قبول فرمائیں کیونکہ میں نے آپ کو بڑا امانت دار پایا ہے، قرآنی الفاظ ہیں:

﴿وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (یوسف :54-55)

”اور بادشاہ نے کہا کہ اس (یوسف) کو میرے پاس لاؤ، میں اسے اپنے لیے مخصوص کروں گا (یعنی خاص وزیر مقرر کروں گا) پھر جب اس (بادشاہ) نے اس (یوسف) سے گفتگو کی تو (متاثر ہو کر) کہا کہ آج سے آپ ہمارے ہاں بڑے معتبر امانت دار ہیں۔ یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: تو آپ مجھے زمین (ملک) کے خزانوں پر (نگران) مقرر کر دیں۔ بے شک میں اچھی طرح حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں“۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی امانت، دیانت، صداقت اور عفت و پاک دامنی کے باعث پہلے مصر کے ”نائب السلطان“ کا منصب جلیل عطا فرمایا اور پھر ملک کا بلاشرکتِ غیرے حاکم و سربراہ بنا دیا۔ اور چشمِ فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ وہ برادرانِ یوسف جنہوں نے یوسف کو ٹھکانے لگانے کی نیت سے کنعان کے بے آباد کنویں میں پھینکا تھا۔ وہی بھائی سائل کی حیثیت سے اسی بادشاہ یوسف کے روبرو حاضر ہوئے اور حصول غلہ کی درخواست پیش کی۔

یہ اجر تھا یوسف علیہ السلام کے صبر کا — عفت کا — صداقت کا — امانت کا — دیانت کا — استقامت کا — عزیمت کا — تقویٰ کا — اصول پسندی کا — توکل علی اللہ کا — تعلق باللہ کا — اور — تحمل و برداشت اور عفو و درگزر کا —

امانت داروں کے سردار:

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ کائنات ہست و بود میں سب سے بڑے امانت دار اور دیانت دار سرکار دوعالم، محسن اعظم، نبی اکرم، رسول معظم، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ حسن میں حسینوں کے سردار، جمال میں جمیلوں کے سردار، کرم میں کریموں کے سردار، عظمت میں عظیموں کے سردار، صداقت میں صدیقوں کے سردار، شرافت میں شریفوں کے سردار اور امانت میں امینوں کے سردار ہیں۔

آپ ﷺ جیسا امانت دار و دیانت دار آج تک کوئی اس جہان میں نہیں آیا اور قیامت تک نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کی امانت و دیانت اور صداقت و شرافت کے نہ صرف اپنے معترف تھے اور ہیں بلکہ بیگانے، اجنبی اور دشمن بھی آپ کی امانت کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کی یہ دیانتداری اور امانت داری اعلان نبوت کے بعد شروع نہیں ہوئی بلکہ اعلان نبوت سے قبل ہی سرزمین مکہ اور قرب و جوار میں آپ ﷺ "صادق و امین" کے لقب سے معروف تھے۔ لوگ آپ ﷺ کی اسی امانت کی وجہ سے اپنے اختلافات و تنازعات میں آپ ﷺ کو ثالثی، جج اور فیصل بناتے تھے اور آپ ﷺ کے فیصلوں کو بصد خوشی تسلیم و قبول کرتے تھے۔

آیئے تصورات کی دنیا میں آپ کو "مکہ معظمہ" لیے چلتے ہیں ___ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بار بار کعبۃ اللہ کی زیارت اور حج و عمرہ کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین ___

رحمت عالم ﷺ کی عمر مبارک پینتیس سال ہے اور آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے تقریباً پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ:

> "بیت اللہ کی عمارت بوسیدہ ہو چکی، اس پر چھت بھی موجود نہیں تھی اور خانہ کعبہ کے منہدم ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس سال سیلاب کا پانی خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو گیا اور دیواروں میں دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ انہیں دنوں ایک عورت از خود ہی بیت اللہ کو خوشبو کی دھونی دے رہی تھی کہ ایک شرارہ اڑ کر

غلاف کعبہ پر پڑا جس سے آگ بھڑک اٹھی اور آگ نے کعبہ مشرفہ کی دیواروں کو شدید نقصان پہنچایا"۔

ان اسباب و وجوہ کے باعث قریش مکہ نے باہمی مشاورت سے متفقہ فیصلہ کیا کہ بیت اللہ کو از سرِ نو تعمیر کیا جائے، دیواروں کو بلند بنایا جائے، اوپر چھت ڈالی جائے، کعبۃ اللہ کا دروازہ سطح زمین سے بلند رکھا جائے اور اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعمیر جدید میں صرف حلال اور طیب کمائی کا مال صرف کیا جائے۔ ناجائز، حرام اور غصب شدہ رقم کو اس تعمیر میں ہرگز ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ کعبۃ اللہ کی تعمیر جدید کا کام قریش مکہ نے قرعہ اندازی کے ذریعے آپس میں تقسیم کر لیا"۔(1)

امام الرسل جناب محمد مصطفےٰ ﷺ نے اپنے اعزہ و اقارب کے ہمراہ "کعبۃ اللہ" کی تعمیر میں بڑے ذوق و شوق، جوش و جذبے اور محنت و جاں فشانی سے حصہ لیا۔ جناب جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"جب کعبہ زیر تعمیر تھا تو نبی اکرم ﷺ اپنے عم محترم جناب عباس رضی اللہ عنہ کے ہم راہ پتھر اٹھا کر لا رہے تھے (جس سے آپ ﷺ کے کندھے پر نشان پڑ گئے) تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا: اپنا ازار کندھے پر رکھ لیں۔ آپ ﷺ نے جونہی تہبند اتار کر کندھے پر رکھا تو فوراً بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے اور آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ جب ذرا طبیعت بحال ہوئی تو فرمایا: اِزَارِیْ، اِزَارِیْ۔ مجھے میرا تہبند دے دیں۔ میرا ازار پکڑا دیں۔ پھر آپ ﷺ نے اسے اچھی طرح مضبوطی سے باندھ لیا"۔(2)

اس روایت سے واضح ہو گیا کہ نبی محترم ﷺ اپنے قبیلے کے ہمراہ کعبۃ اللہ کی تعمیر میں پوری طرح شریک تھے۔ قریش مکہ بڑے شوق و ذوق سے خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف

(1) السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، جلد 1۔ تجزئۃ الکعبۃ بین قریش و نصب کل فریق منھا، ص:195

(2) صحیح بخاری، کتاب الحج، باب فضل مکۃ و بنیانھا، رقم الحدیث:1582

مشغول تھے۔ جب کعبۃ معظمہ کی دیواریں اتنی بلند ہو گئیں جہاں "حجر اسود" نصب کرنا تھا تو ان میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا کہ حجر اسود کی تنصیب کا اعزاز کون حاصل کرے؟ ہر قبیلہ خواہش مند تھا کہ یہ شرف عظیم اس کے حصے میں آئے۔ معاملہ بڑھتے بڑھتے شدت اختیار کر گیا، تعمیراتی کام رک گیا اور قبائل قریش ایک دوسرے کے خلاف لڑائی کیلئے تیار ہو گئے۔ تمام قبیلوں نے مرنے مارنے کی قسمیں کھالیں حتی کہ بنو عبد الدار اور بنو عدی نے خون سے لبریز پیالے میں ہاتھ ڈبو کر کٹ مرنے کے عزم کا اعلان کر دیا۔(۱)

حجر اسود کی فضیلت:

یہاں یہ سوال پیدا ہونا فطری بات ہے کہ آخر "حجر اسود" کی کیا خصوصی فضیلت تھی اور ہے کہ خانہ کعبہ کی دیوار میں اس کی تنصیب کا شرف حاصل کرنے کیلئے لوگ ایک دوسرے کو مارنے پر تیار ہو گئے اور تعمیر کعبہ کا کام کئی دن تعطل کا شکار رہا؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے ہم رسول اللہ ﷺ کی چند احادیث بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

1۔ داماد رسول سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

"جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحب زادے جناب اسماعیل علیہ السلام کعبۃ اللہ کی عمارت بناتے ہوئے "حجر اسود" کے مقام تک پہنچے تو جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اِبْغِنِي حَجَرًا "کوئی مناسب پتھر ڈھونڈ کر لاؤ"۔ چنانچہ جناب اسماعیل علیہ السلام پتھر تلاش کرنے چلے گئے جب واپس آئے تو دیکھا کہ: وَقَدْ رَكِبَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ فِي مَكَانِهِ "تحقیق حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کیا جا چکا تھا۔ انہوں نے والد محترم سے سوال کیا: يَا أَبَتِ مَنْ أَتَاكَ بِهٰذَا الْحَجَرِ؟ "ابا جان! یہ پتھر آپ کے پاس کون لایا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواباً فرمایا: "اسے وہ لایا ہے جو میری اور آپ کی تعمیر کا محتاج نہیں ہے"۔

(۱) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، 1/196، اختلاف قریش فیمن یضع الحجر.....

جَاءَهُ بِهِ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ "اسے جبریل علیہ السلام آسمان سے لائے ہیں"۔[1]

2۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نَزَلَ الْحَجَرُ الأَسْوَدُ مِنَ الجَنَّةِ، وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ»[2]

"حجر اسود (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جنت سے اترا تھا اور (اس کا رنگ) دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا۔ تو بنی آدم کی خطاؤں نے اسے سیاہ کر دیا"۔

یعنی حجر اسود اپنا استلام کرنے والوں کے گناہوں کی سیاہی اپنے اندر جذب کر کے خود سیاہ ہو گیا مگر اپنے سامنے آنے والے ہر صاحب ایمان کو گناہوں کی سیاہی سے پاک اور صاف کر دیا۔

3۔ بڑے عبادت گزار، صائم النہار اور شب زندہ دار صحابی سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ الرُّكْنَ وَالمَقَامَ يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَاقُوتِ الجَنَّةِ، طَمَسَ اللهُ نُورَهُمَا، وَلَوْ لَمْ يَطْمِسْ نُورَهُمَا لأَضَاءَتَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ»[3]

"بیشک حجر اسود اور مقام ابراہیم، جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نور (چمک اور روشنی) کو ختم کر دیا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کا نور (چمک) ختم نہ کرتا تو یہ مشرق اور مغرب کے درمیان کی ہر چیز کو روشن کر دیتے"۔

---

[1] الجامع لشعب الایمان للبیهقی، الخامس والعشرون من شعب الایمان، حدیث الکعبة و المسجد الحرام والحرم کله: 3704۔ قال المحقق، اسناده لابأس به

[2] جامع ترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فی فضل الحجر الاسود: 877، قال الالبانی، صحیح

[3] جامع ترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فی فضل الحجر الاسود: 878، قال الالبانی، صحیح

4۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مَسْحَ الرُّكْنِ الْيَمَانِي وَالرُّكْنِ الْأَسْوَدِ يَحُطُّ الْخَطَايَا حَطًّا»[1]

"بلاشبہ رکن یمانی اور حجر اسود کو چھونے سے گناہ اچھی طرح جھڑ جاتے ہیں"۔

5۔ جناب عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے:

«لَوْلَا مَا مَسَّهُ مِنْ أَنْجَاسِ الْجَاهِلِيَّةِ مَا مَسَّهُ ذُو عَاهَةٍ إِلَّا شُفِيَ، وَمَا عَلَى الْأَرْضِ شَيْءٌ مِنَ الْجَنَّةِ غَيْرُهُ»[2]

"اگر زمانہ جاہلیت کی نجاستوں نے حجر اسود نہ چھوا ہو تا تو جو بیمار اسے ہاتھ لگاتا ،شفایاب ہو جاتا۔ اور اس کے سوا زمین پر جنت کی کوئی چیز نہیں ہے"۔

6۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا:

«وَاللهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا، وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ، يَشْهَدُ عَلَى مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ»[3]

"اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حجر اسود کو ایسے ظاہر فرمائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور ایک زبان ہو گی جس سے وہ گفتگو کرے گا۔ وہ (حجر اسود) ہر اس شخص کیلئے گواہی دے گا جس نے حق (ایمان) کے ساتھ اس کا استلام کیا ہو گا"۔

حجر اسود کا "استلام" یہ ہے کہ اسے چھو کر بوسہ دیا جائے یا ہاتھ لگا کر ہاتھ کو بوسہ دیا جائے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کسی چیز (لاٹھی وغیرہ) سے چھو کر اس چیز کو بوسہ دیا جائے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو دائیں ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔

قریش مکہ اگر حجر اسود کے ان فضائل و مناقب سے پوری طرح واقف نہ بھی ہوں تو

---

(1) مسند الامام احمد، مسند عبداللہ بن عمر :5621۔قال شعیب الارناؤط ،اسنادہ حسن

(2) السنن الکبری للبیھقی ،کتاب الحج،باب ما ورد فی الحجر الاسود:9230

(3) جامع ترمذی ،کتاب الحج، باب ما جاء فی فضل الحجر الاسود:961، قال الالبانی، صحیح

اس امر سے پوری طرح آگاہ تھے کہ یہ ایک متبرک چیز ہے اور اسے اپنے ہاتھوں سے نصب کرنا بڑے اعزاز، شرف اور افتخار کی بات ہے۔ لہٰذا ان میں کوئی قبیلہ بھی اس فضیلت سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہ تھا۔

هٰذَا الْأَمِيْنُ رَضِيْنَا هٰذَا مُحَمَّدٌ ﷺ:

مختصر یہ کہ حجر اسود کی تنصیب پر اختلاف نے طول پکڑا، چار پانچ دن صورت حال بہت کشیدہ رہی اور جنگ و جدل کا خطرہ سروں پر منڈلاتا رہا۔ تاآنکہ مکہ مکرمہ کے بعض سنجیدہ فکر لوگوں نے باہمی مشاورت سے اس معاملے کو حل کرنے کا فیصلہ کیا۔ لوگ مسجد حرام میں جمع ہوئے تو ایک انتہائی عمر رسیدہ اور تجربہ کار سردار ابو امیہ بن مغیرہ نے کہا:

> "اے گروہ قریش! میری تجویز یہ ہے کہ تم اپنے اس اختلافی معاملے میں اس شخص کو حکم، ثالثی اور فیصل تسلیم کر لو۔ جو (صبح) سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہو"۔

ابو امیہ کی یہ رائے سب کو پسند آئی اور اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ تنازعہ کے اصل فریقوں کے علاوہ جو شخص صبح سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہو گا۔ وہی ہمارا ثالث ہو گا اور وہ جو بھی فیصلہ کرے گا، تمام فریق اسے من و عن تسلیم کرنے اور اس پر عمل کرنے کے پابند ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کہ اگلے دن صبح مسجد حرام کے باب بنی شیبہ سے مسجد حرام میں داخل ہونے والی شخصیت امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ تھے، آپ ﷺ کو دیکھتے ہی تمام لوگ پکار اٹھے:

> هٰذَا الْأَمِيْنُ رَضِيْنَا هٰذَا مُحَمَّدٌ ﷺ
>
> "یہ تو بڑے امانت دار ہیں۔ یہ تو محمد (ﷺ) ہیں۔ ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں"۔

آپ ﷺ لوگوں کے اجتماع کے قریب پہنچے تو آپ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ تمام متحارب فریقوں نے آپ کو بخوشی حکم تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا حجر اسود کی تنصیب کے بارے میں آپ جو بھی فیصلہ فرمائیں گے۔ ہم سب لوگ اسے تسلیم کریں گے اور آپ کے حکم پر عمل کیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے بڑے وقار، طمانیت اور سکون سے فرمایا:

هَلُمَّ إِلَيَّ ثَوْبًا "مجھے ایک کپڑا (چادر) پکڑاؤ"۔

لہٰذا آپ ﷺ کی خدمت میں ایک چادر پیش کی گئی، آپ ﷺ نے اسے زمین پر بچھایا اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کے درمیان میں رکھ دیا، پھر فرمایا:

لِتَأْخُذْ كُلُّ قَبِيلَةٍ بِنَاحِيَةٍ مِنَ الثَّوْبِ، ثُمَّ ارْفَعُوهُ جَمِيعًا

"ہر قبیلے کا نمائندہ اس چادر کے ایک ایک کنارے کو تھام لے، پھر سب مل کر اسے اوپر اٹھائیں"۔

چنانچہ کعبۃ اللہ کی چاروں دیواریں تعمیر کرنے والے قبائل کے نمائندوں نے چادر کے چاروں کنارے پکڑے اور اسے اٹھا کر حجر اسود کی تنصیب کے مقام تک لے آئے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دست اطہر و مبارک سے اس متبرک پتھر کو اٹھایا اور اس کی جگہ پر نصب کر دیا۔ آپ ﷺ کے اس مثالی، مبنی بر عدل اور دانش مندانہ فیصلے سے تمام لوگ راضی ہو گئے، اختلاف ختم ہو گیا اور خانہ کعبہ کی تعمیر دوبارہ شروع ہو گئی۔ [1]

بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے سمجھا دیا چند اشاروں میں

عرض یہ کر رہا تھا کہ رسول محترم ﷺ کی امانت، دیانت اور عدالت اعلان نبوت سے قبل بھی مسلّمہ تھی اور اہل مکہ اپنے بڑے بڑے جھگڑوں، باہمی لڑائیوں اور تنازعات د

---

(1) السيرة النبوية لابن هشام، اشارة ابی امیه بتحکیم اول داخل فکان ﷺ: 197/1

تُدَارِي، وَلَا تُمَارِي»[1]

"میرے ماں، باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ نے بالکل سچ فرمایا: (میں آپ کو اور آپ مجھے جانتے ہیں) آپ میرے کاروباری شراکت دار تھے۔ اور آپ ﷺ نے نہ کبھی وعدہ خلافی کی اور نہ کبھی بددیانتی کی"۔

آپ نے غور فرمایا کہ عرب کا ایک تاجر جو اعلان نبوت سے قبل آپ ﷺ کے ساتھ تجارت اور کاروبار کیا کرتا تھا وہ برسر عام آپ ﷺ کی امانت و دیانت کی گواہی دے رہا اور آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کر رہا ہے۔ ہمیں بھی آپ ﷺ کے امتی ہونے کی حیثیت سے اپنے معمولات و معاملات سرکار دو عالم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطابق انجام دینے چاہئیں اور کبھی اور کسی صورت بھی "امانت و دیانت" کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

آپ جانتے ہیں کہ تجارتی معاملات میں طے شدہ بات اور معاہدے کی پابندی کرنا اور اپنی ذمہ داری یعنی امانت کو ادا کرنا لازمی امر ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت پاک کے واقعات اس امر پر شاہد عدل ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ عدل کی پاس داری فرمائی اور ہر کسی کی امانت کو بروقت اور اصلی حالت میں واپس لوٹایا۔

خادم رسول سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

«اسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْعَةً فَضَاعَتْ، فَضَمِنَهَا لَهُمْ»[2]

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی کراھیة المراء:4836، قال الالبانی، صحیح

[2] جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب ما جاء فیمن یکسر له الشئی.....: 1360، قال الالبانی، ضعیف الاسناد

"نبی اکرم ﷺ نے کسی شخص سے ایک پیالہ ادھار لیا اور وہ ضائع ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس کا تاوان ادا فرمایا"۔

یہ آپ ﷺ کی امانت، دیانت اور حسن معاملہ کی اعلیٰ مثالیں ہیں جن سے راہنمائی حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کر کے اپنا کردار سنوارنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

قبول اسلام بوجہ امانت رسول ﷺ:

آپ ﷺ کی امانت و دیانت ایسی مسلمہ اور مثالی تھی کہ تاریخ اسلام کی کئی نامور شخصیات کو آپ ﷺ کی امانت داری کے باعث قبول اسلام کی سعادت حاصل ہوئی۔

صفوان بن امیہ سرداران قریش میں سے تھا اور آپ ﷺ کے سخت دشمنوں میں شمار ہوتا تھا۔ غزوۂ بدر کے بعد اسی صفوان نے عمیر بن وھب کے بچوں کی کفالت اور اس کے قرض کی ادائیگی اپنے ذمہ لے کر اسے آپ ﷺ کے قتل کی خاطر مدینہ طیبہ روانہ کیا تھا۔ (یہ الگ داستان ہے جسے ہم نے خطبات سیرت مصطفیٰ جلد دوئم میں "اخلاق مصطفیٰ ﷺ" میں بیان کیا ہے کہ عمیر بن وھب نے بھی اخلاق رسول کی بدولت صحابیت کا اعزاز حاصل کیا)

صفوان بن امیہ فتح مکہ کے موقع پر اپنی اسلام دشمنی کی بناء پر مکہ مکرمہ سے فرار ہو گیا تو سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کیلئے آپ ﷺ سے امان طلب کی اور آپ ﷺ نے اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس دشمن کو بھی اپنے دامن عفو میں جگہ عطا فرما دی۔ فتح مکہ کے بعد "غزوۂ حنین" کیلئے تیاری کا مرحلہ آیا تو رسول اکرم ﷺ نے اسی صفوان سے جو ابھی حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوا تھا.... سے فرمایا:

"يَا صَفْوَانُ، هَلْ عِنْدَكَ مِنْ سِلَاحٍ؟" اے صفوان! کیا کچھ اسلحہ (زرہیں) دو گے؟ صفوان نے بڑی ڈھٹائی سے پوچھا۔ عَارِيَةً أَمْ غَصْبًا ادھار لو گے یا غصب کرو گے؟ آپ ﷺ نے نہایت نرمی، تحمل اور محبت سے فرمایا: بَلْ عَارِيَةً مَضْمُونَةً "ادھار مانگ رہا ہوں اور اگر کوئی

ضائع ہوئی تو تاوان ادا کروں گا۔ چنانچہ صفوان نے تیس یا چالیس زرہیں آپ ﷺ کی خدمت میں عاریتاً پیش کر دیں۔ غزوۂ حنین میں کفار و مشرکین کی ہزیمت و شکست کے بعد جب صفوان کی زرہوں کو اکٹھا کیا گیا تو ان میں کچھ زرہیں کم تھیں تو آپ ﷺ نے صفوان سے فرمایا: إِنَّا قَدْ فَقَدْنَا مِنْ أَدْرَاعِكَ أَدْرَاعًا. فَهَلْ نَغْرَمُ لَكَ؟ اے صفوان! آپ کی زرھوں میں سے کچھ زرہیں ہم سے گم ہو گئی ہیں۔ ہم آپ کو ان کا معاوضہ اور تاوان ادا کر دیتے ہیں۔ تو صفوان نے جواب دیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! اب میرے دل کی حالت پہلے والی نہیں رہی (یعنی میں آپ کے اخلاق عالیہ، امانت داری اور اصول پسندی کو دیکھ کر مسلمان ہو چکا اور شرف صحابیت حاصل کر چکا ہوں) اس لیے اب ضائع شدہ زرہوں کا معاوضہ اور تاوان وصول نہیں کروں گا۔"(1)

یہ ہمارے رسول ﷺ کی امانت، دیانت اور شرافت تھی جس سے متاثر ہو کر آپ ﷺ کا دشمن بھی قبول اسلام پر مجبور ہو گیا۔ صاحب عون المعبود علامہ شرف الحق محمد اشرف عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں کہ صفوان بن امیہ:

"حَضَرَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنَ وَالطَّائِفَ كَافِرًا ثُمَّ أَسْلَمَ وَحَسُنَ إِسْلَامُهُ"

"نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ حالت کفر میں ہی غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں شریک ہوا۔ پھر (آپ ﷺ کی امانت داری سے متاثر ہو کر) مسلمان ہو گیا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا"۔

بنیادی انسانی جوہر:

"امانت" ایک بنیادی انسانی جوہر ہے جس کے بغیر انسانی شخصیت بے وقعت اور بے

(1) سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی تضمین العاریۃ :3562-3563،قال الالبانی ، صحیح

توقیر ہے۔ نبی اکرم، رسول معظم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ میں یہ جوہر بدرجہ اتم موجود تھا۔ آپ ﷺ اپنے کاروبار اور تجارت میں بھی امانت دار تھے اور لوگوں کی امانات کی حفاظت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے لوگ اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھتے تھے اور انہیں کامل یقین تھا کہ آپ ناصرف ہماری امانتوں کے حقیقی محافظ ہیں بلکہ ہمارے طلب کرنے پر ہماری امانات ہمیں فوراً لوٹا دیں گے۔

اعلان نبوت سے قبل جن لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کے تاجرانہ تعلقات تھے وہ ہمیشہ آپ ﷺ کی امانت و دیانت کے دل و جان سے معترف رہے۔ کتب احادیث میں متعدد ایسے واقعات کا تذکرہ موجود ہے جن میں آپ ﷺ کی امانت، دیانت، ایفاء عہد اور حسن معاملہ کی کیفیات اور حقائق بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

"ایک مرتبہ کوئی دیہاتی شخص اونٹ کا گوشت فروخت کر رہا تھا۔ آپ ﷺ کا خیال تھا کہ گھر میں عجوہ کھجوریں موجود ہیں لہٰذا آپ ﷺ نے ایک وسق کھجوروں کے عوض گوشت خرید لیا۔ جب گھر تشریف لائے تو گھر میں کھجوریں موجود نہ تھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے باہر جاکر اسے بتایا کہ میں نے آپ سے کھجوروں کے بدلے میں گوشت کا سودا کیا تھا لیکن میرے پاس تو کھجوریں موجود نہیں ہیں۔ (وہ دیہاتی آپ ﷺ کو پہچانتا نہیں تھا) اس نے شور مچا دیا کہ: وَاغَدَرَاہُ۔ میرے ساتھ تو بد دیانتی ہوئی ہے۔ لوگوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں یہ کسی سے دھوکہ، فراڈ اور بد دیانتی نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ نے بھی اسے بتایا کہ میں نے کھجوروں کے عوض گوشت خریدا تھا لیکن اب میرے گھر میں کھجوریں نہیں ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں، لیکن وہ شخص مسلسل شور مچائے جارہا تھا کہ "وَاغَدَرَاہُ" میرے ساتھ خیانت ہوگئی ہے، بد دیانتی ہوگئی ہے

اور میرے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے۔ لوگوں نے اسے بار بار سمجھایا لیکن وہ ماننے کیلئے تیار نہ تھا۔ چنانچہ لوگوں نے اسے ڈانٹنا شروع کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: دَعُوهُ، فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا" اسے چھوڑ دو کیونکہ صاحب حق کو ایسی باتیں کرنے کا اختیار ہے"۔ اس شخص نے مذکورہ فقرہ کئی بار دہرایا تو آپ ﷺ کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص معاملے کی نوعیت اور حقیقت کو سمجھنا نہیں چاہتا بلکہ شور و غل کر کے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے تو آپ ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو حکم فرمایا کہ اسے میری صحابیہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کے پاس لے جاؤ۔ اور اسے کہو کہ اس شخص کو ایک وسق کھجوریں دے دیں۔ جب ہمارے پاس کھجوریں آئیں گی تو ہم ان شاء اللہ واپس کر دیں گے۔ وہ صحابی، اس دیہاتی کو لے کر صحابیہ کے ہاں گئے تو انہوں نے حکم رسول پر عمل کرتے ہوئے فوراً مطلوبہ کھجوریں اس شخص کے حوالے کر دیں۔ جب وہ دیہاتی کھجوریں لے کر واپس آیا تو رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ وہ آپ ﷺ کے حسن معاملہ، اخلاق عالیہ، تحمل و برداشت اور دیانت داری و امانتداری سے از حد متاثر اور آپ ﷺ کی شان و عظمت اور رسالت و نبوت سے آگاہ ہو چکا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ کو دیکھتے ہی پکار اٹھا: جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا، فَقَدْ أَوْفَيْتَ وَأَطْيَبْتَ" اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے قیمت پوری دی اور اچھے طریقے سے ادا کی۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے اس آدمی کی بات سن کر فرمایا: أُولَئِكَ خِيَارُ عِبَادِ اللهِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُوفُونَ الْمُطِيِّبُونَ" قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ وہی ہوں گے جو لوگوں کا حق خوشی اور اچھے طریقے سے ادا کرتے رہے ہوں گے"۔[1]

---

[1] مسند الامام احمد، مسند عائشۃ: 26312، قال شعیب الارناؤط، اسنادہ حسن

اللہ تعالیٰ کے محبوب جناب محمد مصطفیٰ ﷺ تو ایسے امانت دار، دیانت دار اور باکردار تھے کہ آپ ﷺ نے خیانت کرنے والے کے ساتھ بھی امانت داری کا رویہ اپنانے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ»[1]

”جو تمہارے پاس امانت رکھے اسے پوری طرح ادا کرو، اور جو تمہارے ساتھ بددیانتی کرے، تم اس سے خیانت نہ کرو“۔ سبحان اللہ

آپ تعلیم رسول اور تربیت رسول کا اندازہ فرمائیں کہ حسن معاملہ اور اخلاق عالیہ کی کیسے خوب صورت انداز میں تعلیم دے رہے ہیں کہ جو شخص تم پر اعتماد کرے اس کے اعتماد پر ہر صورت پورا اترنے کی کوشش کرو، امانت میں خیانت نہ کرو اور کسی کی حق تلفی نہ کرو۔ اور اگر کوئی تمہارے ساتھ ناانصافی، بددیانتی اور خیانت کرے تو بدلے میں تم اس کے ساتھ ایسا رویہ نہ اپناؤ بلکہ اچھے کردار اور حسن سیرت کا مظاہرہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تعلیمات رسول پر عمل کرنے اور اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

نفاق کی نشانیاں:

احادیث رسول کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ امانت داری و دیانت داری، ایمان واسلام کی علامت اور بددیانتی و خیانت نفاق کی نشانی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ»[2]

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الرجل یأخذ حقه من تحت یده: 3535،قال الالبانی، حسن صحیح

(2) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب خصال المنافق:59و صحیح بخاری: 33

"منافق کی تین نشانیاں ہیں (۱)جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۲)جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے(۳) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے"۔

اور سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں:

« أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ »[1]

"جس شخص میں یہ چار خصلتیں ہوں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان سے ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی ایک علامت ہے۔ حتی کہ وہ اسے ترک کر دے۔(۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔(۲)جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔(۳)جب وعدہ کرے تو عہد شکنی کرے(۴)اور جب جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ پر اتر آئے"۔

اور ایک حدیث شریف کے الفاظ ہیں کہ:

« وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ »[2]

"اگرچہ وہ روزہ رکھے، نماز پڑھے اور اپنے خیال میں مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے"۔

ان احادیث مبارکات کی روشنی میں ہم میں سے ہر شخص کو اپنے کردار کا جائزہ لینا اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے کہ آج مومن و مسلمان ہونے کے دعوے داروں میں کتنے لوگ ہیں جو حقیقی معنوں میں مسلمان کہلانے کے حقدار ہیں۔ اور کتنے ہیں جو صرف نام کے مسلمان مگر حقیقتاً منافقت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ہم میں سے بعض لوگ تو بڑی ڈھٹائی

---

(1) صحيح بخاری، كتاب الايمان ،باب علامة المنافق : 34وصحيح مسلم : 58

(2) صحيح مسلم ، كتاب الايمان ، باب خصال المنافق :59

سے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولیں تو کاروبار ترقی نہیں کرتا۔ وعدہ خلافی نہ کریں تو دوکان خالی ہو جائے۔ بد دیانتی اور خیانت نہ کریں تو منافع حاصل نہیں ہوتا اور اگر مخالف فریق کی گندی گالیوں سے تواضع نہ کی جائے تو وہ سر پر چڑھ جاتے ہیں۔ استغفر اللہ

حضرات: سوچیے اور بار بار سوچیے کہ کیا ہماری باتیں صحیح ہیں یا امام الرسل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشادات درست ہیں۔ یقیناً پیغمبر اکرم ﷺ کا ہر فرمان حق، سچ اور درست ہے تو پھر ہمیں اسلامی احکام کی پابندی کرتے ہوئے منافقانہ روش کو ترک کر کے اپنے آپ کو سچا امانت دار، عہد کا پابند اور گالیوں سے اجتناب کرنے والا بننا چاہیے ورنہ ہماری مسلمانی مشکوک ہو گی، ہمارے دعویٰ ایمان کھوکھلا ہو گا اور حسب فرمان رسول ہم منافق کہلائیں گے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِكَ.

بات ہو رہی تھی محسن انسانیت ﷺ کی امانت و دیانت کی...... حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذات مجموعہ کمالات تھی اور آپ ﷺ کے اخلاقی فضائل اور پیغمبرانہ خصائل کی وجہ سے اپنے اور بیگانے تمام لوگ آپ ﷺ پر بھرپور اعتماد کرتے اور عقائد و نظریات کے اختلاف کے باوجود مخالفین بھی آپ ﷺ کے پاس اپنی امانتیں جمع کروایا کرتے تھے۔ جیسا کہ مشہور بات ہے کہ ہجرت کی رات آپ ﷺ نے اہل مکہ کی امانتیں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمائیں اور انہیں حکم دیا گیا کہ لوگوں کی امانات بحفاظت واپس کر کے مدینہ طیبہ آ جائیں۔

محبت رسول ﷺ کا تقاضا:

رسول مکرم ﷺ سے محبت والفت ایمان کی بنیادی شرط، دین کا اہم جزء اور اسلام کا لازمی حصہ ہے۔ ہر صاحب ایمان کو آپ ﷺ کے ساتھ صرف محبت ہی نہیں۔ بلکہ "سب سے زیادہ محبت" ہونی چاہیے۔ سید الانبیاء ﷺ کی محبت کے مقابلے میں کسی فرد، چیز اور ذات کی محبت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ آپ ﷺ کی الفت وعقیدت پر ماں، باپ، بیوی اور

بچے، بہن اور بھائی، قوم اور قبیلہ، دوست واحباب، مال و متاع، دولت و شہرت، مکانات و محلات، باغات و فصلات، کارخانے اور دکانات بلکہ کل جہان اور ساری کائنات قربان کی جا سکتی ہے مگر آپ ﷺ کی عقیدت و محبت اور الفت و مؤدت سے سر مو انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ نبی مکرم ﷺ نے اپنی زبان حق ترجمان سے "محبت رسول" ﷺ کی اہمیت اور حیثیت واضح کرتے ہوئے فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ»[1]

"تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والد، اس کی والدہ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔

اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل اور ذہن نشین کرنے کے لائق ہے کہ حب رسول کے بغیر ایمان کا دعویٰ باطل، لغو اور جھوٹا ہے اور عقیدے اور عقیدت کی بنیادی بات ہی یہ ہے کہ:

محمد کی جس دل میں الفت نہ ہو گی
سمجھ لو کہ قسمت میں جنت نہ ہو گی
بھٹکتا رہا ہے بھٹکتا رہے گا
محمد سے جس کو عقیدت نہ ہو گی

اور

کرے جو اطاعت محمد کی دل سے
اسے پیر و مرشد کی حاجت نہ ہو گی

میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ محبت رسول کا لازمی تقاضا اور بنیادی شرط "امانت و دیانت" ہے۔ اور یہ بات خود نبی معظم ﷺ نے اپنی زبان رسالت سے بیان فرمائی ہے۔

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان: 15

چنانچہ صحابیِ رسول جناب عبد الرحمٰن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"ایک دن نبی اکرم ﷺ نے وضو کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے وضو کے پانی کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے جسموں پر ملنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: مَا يَحْمِلُكُمْ عَلىٰ هٰذَا؟۔ تمہیں اس عمل پر کس چیز نے ابھارا ہے یعنی تمہارے اس عمل کا سبب کیا ہے؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: حُبُّ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ. ہمارے اس عمل کا باعث اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہے"۔

حضرات! لمحہ بھر کے لئے سوچئے اور غور فرمایئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس نرالے انداز میں محبت رسول کا اظہار فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ کے جسم اطہر کے اعضاء مبارکہ سے گرنے والے پانی کے قطرات کو ہاتھوں میں لے کر اپنے جسموں پر مل رہے، الفت و عقیدت کا مظاہرہ کر رہے اور اپنے لیے برکت حاصل کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے رفقاء کے اس عجیب عمل کی وجہ معلوم کرنے کے بعد فرمایا:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُحِبَّ اللهَ وَرَسُولَهُ، أَوْ يُحِبَّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ فَلْيَصْدُقْ حَدِيثَهُ إِذَا حَدَّثَ، وَلْيُؤَدِّ أَمَانَتَهُ إِذَا اؤْتُمِنَ، وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهُ»[1]

"جو شخص پسند کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرے یا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ (۱) جب گفتگو کرے تو ہمیشہ سچ بولے (۲) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس امانت کو ادا کرے۔ اور (۳) اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرے"۔

---

(1) الجامع لشعب الایمان ،الخامس من شعب الایمان: 1440،قال الالبانی ،فالحدیث عندی حسن علی الاقل بمجموع هذه الطرق ،سلسلة الاحادیث الصحیحة:2998

ہمارے معاشرے کے اکثر افراد محبت رسول کے بڑے بڑے دعووں ،اظہار اوراعلان کے باوجود آپ ﷺ کی تعلیمات کو اپنانے ،آپ ﷺ کے احکام پر عمل کرنے اور اپنے معاملات کو سیرت رسول کے مطابق ڈھالنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ یادرکھیے !صرف نعروں اور دعووں سے بات نہیں بنے گی۔ بلکہ دنیا کی عزت اورآخرت کی سرخروئی کیلئے ہمیں آپ ﷺ کی سیرت کو اپنانا ہوگا اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے سنہری اصولوں اور ضابطوں میں سے ایک اصول،ضابطہ ، قاعدہ اور قانون "امانت داری" ہے۔

یہ تو نبوت کی علامت ہے:

سرور کونین ﷺ کی صفت امانت ایسی عظیم صفت ہے کہ روم کے بادشاہ ہرقل نے جب آپ ﷺ کی اس صفت مبارکہ کا تذکرہ سنا تو پکار اٹھا کہ یہ تو واقعی "صفت نبوت" ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ مجھے ابوسفیان نے خبر دی کہ (جب مجھے بادشاہ روم کے دربار میں پیش کیا گیا تو) ہرقل نے مجھ سے پوچھا:

فَمَاذَا يَأْمُرُكُمْ ؟"وہ (رسول) تمہیں کس چیز کا حکم دیتا ہے"۔

تومیں اسے جواباً بتایا کہ:

يَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ، وَالصَّدَقَةِ، وَالعَفَافِ، وَالوَفَاءِ بِالعَهْدِ، وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ

"وہ ہمیں نماز پڑھنے ،صدقہ کرنے،وعدہ پورا کرنے اور امانت کو ادا کرنے کا حکم دیتاہے"۔

ہرقل نے ابوسفیان کی زبانی پیارے رسول ﷺ کی یہ صفات حمیدہ سن کر کہا:

وَهَذِهِ صِفَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"یہی تو نبی ﷺ کی صفات وعلامات ہیں"۔[1]

---

[1] صحیح بخاری ، کتاب الجهاد،باب دعاء النبی ﷺ الی الاسلام والنبوة:2941

ابو سفیان کے بادشاہ روم کے دربار میں حاضری اور سوال و جواب کا واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد پیش آیا۔ جب ابھی ابو سفیان حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے۔ جناب ابو سفیان (رضی اللہ عنہ) نے فتح مکہ کے موقع پر قبول اسلام کی سعادت حاصل کی۔ قابل غور بات ہے کہ اس دور میں ابو سفیان نے دشمن رسول ہونے کے باوجود، دیار غیر میں عیسائی بادشاہ کے روبرو آپ ﷺ کے جن اوصاف و خصائل کا تذکرہ کیا، ان میں ایک اہم وصف "امانت داری" ہے۔ اور یہ امر بھی ہماری توجہ کے لائق ہے کہ عیسائی المذہب بادشاہ ہرقل نے ابو سفیان کی زبانی جب "اوصاف رسول" ﷺ کا تذکرہ خیر سنا تو فوراً پکار اٹھا۔ **وَهَذِهِ صِفَةُ النَّبِيِّ** ﷺ یہ تو آخری نبی ﷺ کی صفات و علامات ہیں۔ یہ الگ بحث ہے کہ بادشاہ روم دلی خواہش کے باوجود اپنے وزیروں، مشیروں اور حواریوں کے دباؤ اور حکومت و اختیار کے بچاؤ کی وجہ سے سعادت اندوز اسلام نہ ہو سکا مگر وہ آپ ﷺ کی صفت "امانت" اور دوسری صفات جلیلہ کی تعریف و توصیف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے حبیب مکرم ﷺ کے خصائل حمیدہ کو اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

امانت لوٹانے کا انوکھا واقعہ:

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے امانت کی حفاظت کا حکم بھی دیا۔ عمل بھی کیا اور امت کو امانت کی حفاظت اور حسب وعدہ واپس لوٹانے کی اہمیت و افادیت سمجھانے کیلئے امانت کو بحفاظت اور بروقت لوٹانے کے واقعات بھی بیان فرمائے۔ آیئے! زبان رسالت سے امانت کو بروقت اور بحفاظت لوٹانے کے ایک عجیب و غریب، نادار اور انوکھے واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> "اس نے ایک شخص سے ایک ہزار دینار قرض کی درخواست کی تو اس نے کہا کہ کوئی معتبر گواہ لاؤ، طالب قرض نے جواب دیا: كَفَى بِاللهِ شَهِيدًا "اللہ

تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے"۔ پھر اس نے تقاضا کیا کہ کوئی ضامن لاؤ، تو قرض خواہ نے کہا: كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا "اللہ تعالیٰ ہی ضامن کافی ہے"۔ تو مال دار شخص کہنے لگا۔ تم نے بالکل سچی بات کی ہے۔ چنانچہ اس نے قرض مانگنے والے کو مقررہ مدت کیلئے ایک ہزار دینار بطور قرض دے دیے۔ پھر یہ صاحب قرض دریائی سفر پر روانہ ہو کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ جب قرض (یعنی امانت) لوٹانے کا مقررہ وقت قریب آیا تو یہ مقروض، ایک ہزار دینار لے کر دریا کے کنارے (بندر گاہ پر) آیا تاکہ کشتی یا بحری جہاز پر سوار ہو کر بروقت قرض دینے والے کے پاس پہنچ جائے اور اسے (شکریے کے ساتھ) اس کی رقم (امانت) واپس لوٹا دے۔ لیکن بڑی کوشش اور محنت کے باوجود اسے دریا عبور کرنے کیلئے کوئی کشتی میسر نہ آئی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ میں میعاد مقررہ پر قرض دینے والے کے پاس نہیں پہنچ سکتا تو اس نے ایک لکڑی لے کر اس میں سوراخ کیا اور سوراخ میں ایک ہزار دینار اور اپنے محسن کے نام ایک خط رکھ کر اسے بند کر کے دریا کی لہروں کے سپرد کر دیا اور دریا کے کنارے بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے کی"۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّي كُنْتُ تَسَلَّفْتُ فُلَانًا أَلْفَ دِينَارٍ، فَسَأَلَنِي كَفِيلًا، فَقُلْتُ: كَفٰى بِاللّٰهِ كَفِيلًا، فَرَضِيَ بِكَ، وَسَأَلَنِي شَهِيدًا، فَقُلْتُ: كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا، فَرَضِيَ بِكَ، وَأَنِّي جَهَدْتُ أَنْ أَجِدَ مَرْكَبًا أَبْعَثُ إِلَيْهِ الَّذِي لَهُ فَلَمْ أَقْدِرْ، وَإِنِّي أَسْتَوْدِعُكَهَا

"اے میرے اللہ! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں نے فلاں آدمی سے ایک ہزار دینار قرض لیے تھے تو اس نے مجھ سے ضامن طلب کیا تو میں نے کہا کہ اللہ ہی ضامن کافی ہے تو وہ تیری ضمانت پر راضی ہو گیا تھا۔ پھر اس نے گواہ مانگا تو میں نے کہا" اللہ ہی گواہ کافی ہے"۔ تو وہ تیری گواہی پر بھی رضامند ہو گیا، اب میں اس کا قرض (امانت) واپس کرنے آیا ہوں اور میں نے سواری

ڈھونڈنے کی بڑی کوشش کی ہے مگر کوئی سواری دستیاب نہیں جس پر سوار ہو کر میں بروقت اپنا قرض ادا کر سکوں۔ لہٰذا اب میں وہ رقم تیرے حوالے کرتا ہوں کہ تو اسے اُس (میرے محسن) تک پہنچادے"۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ اس نے یہ دعا کر کے دیناروں والی لکڑی کو دریا میں بہادیا اور وہاں سے چلا گیا۔ لیکن مسلسل اس تلاش میں رہا کہ جونہی کوئی سواری میسر آئے گی تو فوراً سوار ہو کر دریا کے دوسری طرف جاؤں گا اور قرض دینے والے سے دیر کی معذرت کر کے ایک ہزار دینار قرض (امانت) لوٹاؤں گا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ دریا کے اس کنارے پر یہ صورت حال اور دوسری طرف وہ شخص جس نے قرض دیا تھا وہ مقررہ وقت پر دریا کے اس کنارے (بندرگاہ) پر پہنچ گیا کہ میرا مقروض حسب وعدہ آئے گا اور مجھے میری رقم واپس لوٹادے گا یا کسی کے ہاتھ بھجوادے گا مگر شام تک اس طرف سے کوئی کشتی نہ آئی۔

شام تک انتظار کر کے جب اس نے دریا کے کنارے سے واپسی کا ارادہ کیا تو اسے دریا میں تیرتی ہوئی ایک لکڑی نظر آئی (جو سیدھی اس کی طرف آرہی تھی) اس نے اپنے گھر میں ایندھن جلانے کے ارادے سے وہ لکڑی اٹھالی۔ اور گھر آکر جب اسے چیرا تو اس میں سے پورے ایک ہزار دینار اور ایک خط برآمد ہوا۔ سبحان اللہ

ادھر مقروض شخص مسلسل اس کوشش میں رہا کہ کوئی کشتی میسر آئے تو وہ جلدی دریا کے دوسری طرف اپنے شہر میں جاکر قرض دینے والے مہربان سے معذرت کرے اور اس کی رقم بحفاظت اسے واپس کرے۔ چند دنوں کے بعد سواری دستیاب ہوئی تو وہ اپنے شہر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے قرض دینے والے کے گھر حاضر ہوا اور اس کی خدمت میں ایک ہزار دینار پیش کرتے ہوئے بڑی لجاجت سے عرض کی:

وَاللهِ مَا زِلْتُ جَاهِدًا فِي طَلَبِ مَرْكَبٍ لِآتِيَكَ بِمَالِكَ، فَمَا وَجَدْتُ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِي أَتَيْتُ فِيهِ

"اللہ کی قسم! میں مسلسل اس کوشش میں رہا کہ کوئی سواری میسر آئے تو میں آپ کا مال لے کر بروقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ لیکن افسوس کہ اب تک مجھے کشتی نہ مل سکی، اب دستیاب ہوئی ہے تو میں حاضر ہو گیا ہوں"۔

وہ قرض دینے والا بھی بڑا امانت دار، دیانت دار اور نیک آدمی تھا۔ اس نے اپنے مقروض سے سوال کیا کہ:

هَلْ كُنْتَ بَعَثْتَ إِلَيَّ بِشَيْءٍ؟

"کیا تم نے میری طرف نام کوئی چیز بھیجی تھی"۔

مقروض نے بڑے معذرت خواہانہ انداز میں کہا کہ میں عرض کر رہا ہوں کہ:

أُخْبِرُكَ أَنِّي لَمْ أَجِدْ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِي جِئْتُ فِيهِ

"مجھے آپ کے پاس حاضر ہونے کے لیے کوئی سواری نہیں ملی تھی اس لیے لیٹ ہو گیا ہوں۔ آج ہی کشتی میسر آئی ہے اور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں"۔

قرض دینے والے مقروض کو اصل صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

فَإِنَّ اللهَ قَدْ أَدَّى عَنْكَ الَّذِي بَعَثْتَ فِي الْخَشَبَةِ، فَانْصَرِفْ بِالْأَلْفِ الدِّينَارِ رَاشِدًا

"اللہ تعالیٰ نے آپ کا وہ قرض ادا کر دیا (مجھے واپس لوٹا دیا) جسے آپ نے لکڑی میں ڈال کر میرے نام بھیجا تھا۔ لہٰذا آپ اپنا ہزار دینار (جو مجھے دے رہے ہو) خوشی کے ساتھ واپس لے جاؤ کیونکہ میں اپنا ہزار وصول کر چکا ہوں"۔[1]

حضرات! اس واقعہ صحیحہ میں ہمارے لیے بڑے دروس، اسباق اور نصیحتیں ہیں مگر فی

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الکفالۃ، باب الکفالۃ فی القرض: 2291

الوقت جو موضوع ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص امانت داری سے کسی کا قرض بروقت لوٹانے کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے اسباب فراہم فرمادیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ضامن اور گواہ بنا کر قرض دینے والے کو بھی رب العالمین مایوس اور پریشان نہیں ہونے دیتا۔

اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے؟:

تاریخ اسلام میں امانت کی حفاظت اور دیانت داری کی ایسی شاندار مثالیں محفوظ ہیں جنہیں پڑھ کر آج کا مسلمان حیران رہ جاتا ہے کہ ہمارے بزرگوں میں ایسے نابغہ روزگار انسان بھی تھے جو خلوت وجلوت، محفل و تنہائی اور ظاہر وباطن میں امانات کی مثالی حفاظت کرنے والے اور دیانت داری کا مظاہرہ کرنے والے تھے۔ چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے شاگرد خاص، معروف تابعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ جناب امام نافع رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

> ”سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ اپنے رفقاء کے ہمراہ مدینہ طیبہ کے نواح میں تشریف لے گئے۔ کھانے کیلئے دستر خوان بچھایا گیا تو قریب سے ایک چرواہا گزر رہا تھا اس نے نہایت ادب سے سلام عرض کیا تو جناب عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: هَلُمَّ يَا رَاعِي هَلُمَّ فَأَصِبْ مِنْ هٰذِهِ السُّفْرَةِ ”اے چرواہے: ادھر آؤ، آؤ، ہمارے ساتھ دستر خوان سے کچھ کھالو۔ تو اس نے جواب دیا: إِنِّي صَائِمٌ ”میرا تو روزہ ہے“۔ جناب عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر فرمایا: أَتَصُومُ فِي مِثْلِ هٰذَا الْيَوْمِ الْحَارِّ شَدِيدٍ سُمُومُهُ وَأَنْتَ فِي هٰذِهِ الْجِبَالِ تَرْعَى هٰذَا الْغَنَمَ؟ ”کیا تم شدید گرمیوں کے طویل دنوں میں بھی نفلی روزے رکھتے ہو اور روزے کی حالت میں ان پہاڑوں میں بکریاں بھی چراتے ہو؟ تو اس چرواہے نے جواب دیا۔
>
> اے عبد اللہ! میرے لیے یہی ایام فارغ اور غنیمت ہیں۔
>
> سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کی نیکی، تقویٰ، عبادت گزاری اور پرہیز گاری سے بڑے متاثر ہوئے اور اس کی پرہیز گاری کا امتحان لینے کیلئے اس سے فرمایا:

فَهَلْ لَكَ أَنْ تَبِيعَنَا شَاةً مِنْ غَنَمِكَ هٰذِهِ فَنُعْطِيكَ ثَمَنَهَا وَنُعْطِيكَ مِنْ لَحْمِهَا "کیا یہ ممکن ہے کہ اس ریوڑ میں سے ایک بکری ہمیں بیچ دو، ہم تمہیں اس کی قیمت بھی دیں گے اور (افطاری کیلئے) گوشت بھی دیں گے۔ اس چرواہے نے عرض کی۔ إِنَّهَا لَيْسَتْ لِي بِغَنَمٍ، إِنَّهَا غَنَمُ سَيِّدِي یہ بکریاں میری نہیں ہیں بلکہ ان کا مالک میرا آقا ہے (میں اس کا غلام اور نوکر ہوں اور اسی کی بکریاں چرا رہا ہوں) جناب عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا۔ تم اپنے مالک سے کہہ دینا کہ "ایک بکری بھیڑیا کھا گیا ہے"۔ اس چرواہے نے انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور زبان سے کہا: فَأَيْنَ اللهُ؟ اگرچہ اس وقت میرا مالک تو مجھے نہیں دیکھ رہا مگر اللہ کہاں ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا میں اپنے مالک کی امانت میں خیانت نہیں کر سکتا۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کے جواب سے بڑے خوش ہوئے اور اس کے الفاظ بار بار دہرائے کہ: فَأَيْنَ اللهُ، فَأَيْنَ اللهُ۔ جناب عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ تشریف لا کر اس چرواہے کے آقا سے ملاقات کر کے اس کی تمام بکریاں اور چرواہے کو خرید لیا۔ اور تمام بکریاں چرواہے کو تحفے میں دے کر اسے آزاد فرما دیا"۔[1]

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول جناب محمد کریم ﷺ کی سیرت پاک ہمیں امانت و دیانت کا درس دیتی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے ہر محب صادق اور ہر امتی کا فرض ہے کہ وہ حیات مستعار کے معاملات و معمولات کی طرح امانت و دیانت کے متعلق بھی آپ ﷺ جیسا کردار بنانے کی کوشش کرے اور بد دیانتی، خیانت اور دھوکہ دہی سے اجتناب کرتے ہوئے امانت داری اور دیانت داری کو اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

(1) الجامع لشعب الایمان ،الخامس والثلاثون من شعب الایمان وهو باب فی الامانات و مایجب من اداتها الیٰ اهلها:4908-اسناده،حسن

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرتی بگاڑ کا ایک بہت بڑا سبب بد دیانتی اور خیانت ہے۔ اگر ہم ہر معاملے میں امانت و دیانت کو اپنا لیں تو آخرت کی کامیابی کے ساتھ ساتھ ہمارے معاشرے کی خرابیاں ختم ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو ہمیشہ امانت و دیانت اختیار کرنے کی سعادت و توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۝



سخاوتِ مصطفیٰ ﷺ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

”البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے“۔

اللہ رب العالمین کی بے حساب حمد و ثنا، رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ پر لاتعداد و بے شمار درود و سلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بلندیِ درجات، صلحائے امت کے مقام رفیع میں اضافے اور اسلاف و اکابر کیلئے دعاء مغفرت کے بعد!

قرآن حکیم کے یہ الفاظ بابرکات ہر مسلمان کیلئے زندگی کے ہر معاملے میں رسول مکرم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت، اتباع اور پیروی کی اہمیت و حیثیت کو واضح کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی پوری حیات مبارکہ امت کیلئے حسین، بہترین اور عظیم نمونہ ہے۔ اور اس آیت طیبہ کے نزول کا پس منظر اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ اگر حالات کٹھن اور پر فتن ہوں ___ مصائب اور مسائل کے طوفان کا سامنا ہو ___ کلیجے حلق میں اٹک چکے ہوں ___ غربت انتہا کو پہنچ چکی ہو ___ موت سامنے رقص کناں ہو ___ دشمن شہر اور ملک کی دہلیز تک آگیا ہو ___ منافقوں کی سازشیں اپنا کام دکھا رہی ہوں ___ مخالفین کی تعداد کئی گنا زیادہ ہو ___ بھوک اور افلاس سے لوگ مر رہے ہوں ___ دفاعی حیثیت کمزور ہو ___ اور ___ غزوۂ احزاب جیسے شدید اور کثیر مسائل درپیش ہوں تو پھر بھی مومن کامل کیلئے ”اسوہ حسنہ“ ہی بہترین نمونہ ہے۔ اور اسے زندگی کے ہر مسئلے، ہر معاملے اور ہر

کام میں اسوۂ رسول کو ہی اختیار کرنا چاہیے۔

آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ، سیرت و کردار اور خصائص و خصائل میں سے ایک اہم خصلت سخاوت، فیاضی اور جود و کرم ہے۔ لہٰذا اس نشست کی گزارشات میں ہم ان شاء اللہ العزیز آپ ﷺ کی اسی "صفت عظیمہ" کا تذکرہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

سخاوت کا معنیٰ و مفہوم:

سخاوت ایک وسیع المعنیٰ لفظ ہے جس کا حقیقی اور اصلی مفہوم یہ ہے کہ اپنا حق، خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالے کر دیا جائے۔ اسی طرح اپنا حق معاف کر دینا، اپنی ضرورت سے زائد مال کسی کو عطا کر دینا، اپنی ضرورت سے صرف نظر کر کے دوسرے کی ضرورت پوری کرنا، کسی دوسرے کیلئے اپنی جسمانی قوت اور دماغی صلاحیت کو خرچ کرنا، اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دوسرے کی جان بچانا اور حق و صداقت کی حمایت و نصرت کے لیے اپنا سب کچھ صرف کر دینا سخاوت و فیاضی کہلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو سخاوت، فیاضی اور جود و کرم کی صفت بڑی پسند ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ میرے بندے ایک دوسرے کے لیے اپنا سب کچھ لٹانے والے، ایک دوسرے کیلئے قربانی دینے والے اور ایک دوسرے پر مال و جان نچھاور کرنے والے بن جائیں۔ قرآن مجید میں اہل ایمان کی فیاضی اور سخاوت کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿ وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۚ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ وَ لَسَوْفَ يَرْضٰى ۠ ﴾

(اللیل: 17-21)

"اور بڑے پرہیزگار کو اس (آگ کے عذاب) سے ضرور بچا لیا جائے گا۔ جو اپنا مال، پاک ہونے کیلئے دیتا ہے۔ اور وہ کسی احسان کا بدلہ اتارنے کیلئے نہیں دیتا۔ بلکہ صرف اپنے اعلیٰ رب کی رضا حاصل کرنے کیلئے اپنا مال خرچ کرتا ہے

اور یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) اس سے عنقریب راضی ہو جائے گا"۔

اکثر مفسرین کرام ﷭ کی رائے ہے کہ یہ آیات طیبات سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سخاوت و فیاضی کے اظہار کی خاطر نازل فرمائی گئیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ امت میں سب سے بڑے سخی اور فیاض تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ متقی، پرہیز گار، صادق و صدیق اور پیکر جود و سخا تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ اور رسول اکرم ﷺ کی اعانت و نصرت میں اپنا مال بے دریغ خرچ کرنے والے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہی رسول مکرم ﷺ کا فرمان ذی شان ہے:

«مَا نَفَعَنِي مَالٌ قَطُّ. مَا نَفَعَنِي مَالُ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ، وَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ، هَلْ أَنَا وَمَالِي إِلَّا لَكَ يَارَسُولَ الله»[1]

"کسی شخص کے مال نے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مال نے مجھے فائدہ پہنچایا ہے۔ یہ فرمان رسول سن کر جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ میں اور میرا مال تو آپ ہی کی ملکیت ہے"۔

سخاوت کی اصل روح اور فیاضی کی اصل حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دے، ہر وقت دوسروں کا فائدہ سوچے اور ان کیلئے ایثار اور قربانی کے جذبے سے سرشار ہو۔ قرآن حکیم ایسے ایثار پیشہ سخاوت کے پیکروں کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتا ہے:

﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الحشر:9)

"اور وہ اپنی ذات پر (دوسروں) ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں خود سخت ضرورت ہو۔ اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

---

[1] سنن ابن ماجه ،باب فى فضائل اصحاب النبى ﷺ:94، قال الالبانی، صحیح

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا ایثار:

محدثین کرام اور مفسرین عظام نے سورۃ الحشر کی اس آیت مبارکہ کے شان نزول میں صحابی رسول جناب ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ایثار و قربانی اور سخاوت و فیاضی کا دلچسپ واقعہ فرمایا ہے، چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ "مجھے شدید بھوک لگی ہے"۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک زوجہ محترمہ کی طرف پیغام بھجوایا کہ مسافر کے خوردو نوش کا انتظام کیا جائے مگر جواب موصول ہوا: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، مَا عِنْدِي إِلَّا مَاءٌ "آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کرنے والے اللہ کی قسم! میرے پاس تو پانی کے سوا کوئی چیز نہیں ہے"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری، تیسری بلکہ کئی ازواج مطہرات کو پیغام بھجوایا مگر ہر گھر سے یہی جواب آیا کہ ہمارے پاس تو کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: «أَلَا رَجُلٌ يُضَيِّفُهُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ، يَرْحَمُهُ اللّٰهُ؟» "کیا کوئی شخص ہے جو آج رات اس شخص کی مہمان نوازی کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر ایک انصاری صحابی سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔ چنانچہ جناب ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اس مسافر کو ساتھ لے کر اپنے گھر تشریف لائے تو اپنی اہلیہ سے فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں۔ ان سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہ کرنا، اچھا پہلے یہ بتاؤ۔ هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ؟ "کیا تمہارے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان ہے؟۔ فرماں بردار بیوی نے عرض کی، وَاللّٰهِ مَا عِنْدِي إِلَّا قُوتُ الصِّبْيَةِ "اللہ کی قسم! میرے پاس تو صرف بچوں کا کھانا ہے۔ جناب ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب بچے رات کا کھانا طلب کریں تو انہیں بہانے سے سلا دینا، اور جب مہمان کھانا

شروع کرے تو تم دیا بھی بجھا دینا، میں اس کے ساتھ بیٹھ کر لقمہ اٹھاؤں گا تا کہ اسے محسوس ہو کہ میں بھی کھانا کھا رہا ہوں۔ جبکہ حقیقت میں آج ہم اپنے پیٹوں کو لپیٹ کر (یعنی بھوکا) رکھیں گے تا کہ رسول اللہ ﷺ کا مہمان پیٹ بھر کر کھانا کھالے۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی نیک طینت اور وفا شعار بیوی نے **فَفَعَلَتْ** اسی طرح کیا (کہ بچوں کو بہانے سے سلا دیا، مہمان کیلئے کھانا چن دیا۔ جب ابو طلحہ اور مہمان نے کھانا شروع کیا تو درست کرنے کے انداز میں چراغ گل کر دیا) مہمان نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور ابو طلحہ کے گھر میں رات بسر کی۔ جب رات گزارنے کے بعد صبح فجر کی نماز کیلئے جناب ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور مہمان مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں دیکھ کر (مسکراتے ہوئے) فرمایا: «لَقَدْ عَجِبَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ أَوْ ضَحِكَ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةٍ» "اللہ تعالیٰ نے فلاں شخص (ابو طلحہ) اور فلاں عورت (ام طلحہ) کے طرز عمل پر تعجب کا اظہار فرمایا ہے۔ یا یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل پر مسکرا دیا ہے۔ ایک روایت میں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو طلحہ «قَدْ عَجِبَ اللهُ مِنْ صَنِيعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ» اللہ تعالیٰ نے رات کو تم میاں بیوی کے مہمان کے ساتھ حسن سلوک اور طرز عمل پر خوشی اور تعجب کا اظہار فرمایا ہے اور تمہاری فضیلت و شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے کہ ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ اور وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگر چہ انہیں خود سخت ضرورت ہو"۔[1]

سخیوں کا امام:

جود و سخا ایک اہم اخلاقی فضیلت ہے جس کی اصل غرض دوسروں کو فائدہ پہنچانا ہے

[1] صحيح بخاری، كتاب التفسير، سورة الحشر باب قوله :يؤثرون علىٰ انفسهم :4889؛صحيح مسلم ، كتاب الاشربة ، باب اكرام الضيف وفضل ايثاره: 2054

لیکن عرف عام میں دوسروں کی خیر خواہی، ہمدردی اور معاونت کرتے ہوئے ان کی مالی خدمت کو "سخاوت" کہا جاتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام فطری طور پر ہی صفت سخاوت سے متصف ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء و رسل کا اصل کام دعوت الی اللہ، تبلیغ دین اور احکام الٰہی کی نشر و اشاعت ہے اور یہ کام جود و کرم، سخاوت و فیاضی اور انفاق مال کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے امام الرسل ﷺ کو دوسری بے شمار صفات حمیدہ کی طرح سخاوت و فیاضی میں سب سے افضل و اعلیٰ مقام عطا فرمایا کہ آپ روئے زمین پر سب سے بڑے فیاض، سخی اور أَجْوَدَ النَّاسِ قرار پائے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ، فَلَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ»[1]

"رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور خصوصاً رمضان المبارک میں جناب جبریل علیہ السلام کی ملاقات کے وقت تو آپ بے حساب سخاوت فرمایا کرتے تھے اور جناب جبریل علیہ السلام رمضان المبارک کی ہر رات آپ ﷺ سے ملاقات کرتے اور آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دورہ کرتے تھے (یعنی آپ ﷺ سے قرآن حکیم سنتے اور آپ کو قرآن مجید سنایا کرتے تھے) پس رسول اللہ ﷺ تو لوگوں کو خیر اور بھلائی پہنچانے میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخاوت اور جود و کرم فرمایا کرتے تھے"۔

محدث کبیر مولانا محمد داؤد راز رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی :6

''آپ ﷺ کے ''جود''کا ذکر خیر بھی کیا گیا۔ سخاوت، خاص مال کی تقسیم کا نام ہے اور جود کے معنی إِعْطَاهُ مَا يَنْبَغِي لِمَنْ يَنْبَغِي کے ہیں جو بہت زیادہ عمومیت لیے ہوئے ہے۔ پس جود، مال ہی پر موقوف نہیں بلکہ جو شئ بھی جس کے لیے مناسب ہو، دے دی جائے اس لیے آپ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ تھے۔ حاجت مندوں کے لیے مالی سخاوت ___ تشنگان علوم کے لیے علمی سخاوت ___ گمراہوں کے لیے فیوض روحانی کی سخاوت، الغرض آپ ﷺ ہر لحاظ سے تمام بنی نوع انسان میں بہترین سخی تھے۔ آپ ﷺ کی جملہ سخاوتوں کی تفصیلات کتب احادیث و سیر میں منقول ہیں آپ ﷺ کی جود، سخاوت کی تشبیہ بارش لانے والی ہواؤں سے دی گئی، جو بہت سی مناسب ہے۔ باران رحمت سے زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ کی جود و سخاوت سے بنی نوع انسان کی اجڑی ہوئی دنیا آباد ہو گئی۔ ہر طرف ہدایات کے دریا بہنے لگے۔ خدا شناسی اور اخلاقِ فاضلہ کے سمندر موجیں مارنے لگے۔ آپ ﷺ کی سخاوت اور روحانی کمالات سے ساری دنیائے انسانیت نے فیض حاصل کیے اور یہ مبارک سلسلہ تا قیام دنیا قائم رہے گا''۔

اس حدیث اور شرح حدیث سے اس امر کی صراحت اور وضاحت ہو گئی کہ آسمانی کی نیلی چھت کے نیچے اور روئے زمین کے اوپر سب سے بڑے سخی بلکہ سخیوں کے امام و مقتدا صرف اور صرف جناب محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ سے بڑا تو دور کی بات ہے۔ آپ ﷺ جیسا سخی، فیاض اور جواد آج تک دنیا میں پیدا نہیں ہوا اور قیامت تک پیدا نہیں ہو گا۔ آپ ﷺ کی سخاوت کی کثرت اور فیاضی کی وسعت کا تذکرہ کرتے ہوئے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«مَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قَطُّ فَقَالَ: لَا»[1]

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب حسن الخلق والسخاء: 6034

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینے سے انکار کیا ہو"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جود و سخا اور فیاضی کا یہ عالم تھا جو شخص جب بھی آپ کے پاس آیا۔ وہ خالی ہاتھ واپس نہیں گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ اگر کچھ پاس ہو تا تو ضرور عنایت فرماتے اور اگر کسی وقت دینے کیلئے کچھ نہ ہوتا تو سائل سے وعدہ فرما لیتے، اس لئے لوگ آپ کی خدمت اقدس میں اپنے مطالبات لے کر وقت بے وقت حاضر ہوتے رہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں اپنے دریائے سخاوت سے سیر اب فرماتے رہتے تھے۔

آیئے! کتب احادیث و سیرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت، دریا دلی اور فیاضی کے چند واقعات کے تذکرے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

یہ چادر مجھے دے دیں:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ذاتی استعمال کی چیز کا بھی سوال کرتا تو آپ باوجود شدید ضرورت کے، وہ چیز اسے عطا فرما کر سخاوت کا عملی مظاہرہ فرماتے۔ چنانچہ صحابی رسول سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"ایک عورت خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی اور اپنے ہاتھ سے بنی ہوئی ایک حاشیہ دار چادر بطور تحفہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بصد احترام) پیش کی اور عرض کی کہ میں یہ چادر آپ کے پہننے کیلئے لائی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بخوشی قبول فرما لیا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دنوں چادر کی ضرورت تھی ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ چادر زیب تن فرما کر مسجد میں تشریف لائے تو ایک صحابی (جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ) نے چادر کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، یہ چادر مجھے عنایت فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے اور اسی وقت چادر تبدیل کرنے کیلئے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے تو مجلس میں موجود دوسرے صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں(عبد الرحمٰن بن عوف) کو ملامت کرتے ہوئے کہا: آپ کو معلوم ہے کہ ان دنوں رسول اکرم ﷺ کو چادر کی شدید ضرورت تھی اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ آپ ﷺ کسی سائل کا سوال رد نہیں فرماتے، پھر تم نے آپ ﷺ سے چادر کیوں مانگی؟ تو انہوں (عبد الرحمٰن بن عوف) نے جواب دیا کہ میں نے آپ ﷺ سے چادر کا مطالبہ پہننے کیلئے نہیں کیا۔ بلکہ میری خواہش ہے کہ جسم رسول سے لگی ہوئی اس بابرکت چادر کو اپنے کفن کیلئے سنبھال کر رکھوں اور جب موت آئے تو مجھے اسی چادر کا کفن پہنایا جائے۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابی کی خواہش اور درخواست پر اسے چادر عنایت فرمادی۔ اور سیدنا سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جناب عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اسی چادر میں کفنایا گیا"۔[1]

شاعر اسلام شیخ محمد سعید الفت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ ﷺ کے اس واقعہ سخاوت کو پنجابی اشعار میں یوں ذکر فرمایا ہے کہ:

سُنو ،کُن لا کے عورت اِک آئی
بطور تحفہ اک چادر لیائی

میرے پیر نوں اس نے آکے پھڑائی
میرے پیر نے زیب تن فرمائی

مُرید اک بیٹھا ہو یاسی گا اَگے
کہن لگا چادر، کڈی سوہنی لگے

او سے ویلے سوہنے کے چادر اتاری
مرید اپنے دی نذر چا گزاری

---

[1] صحیح بخاری،کتاب الجنائز ، باب من استعد الکفن فی زمن النبی ﷺ:1277و کتاب الادب،باب حسن الخلق والسخاء: 6036

ذرا مسکرائے تے بات ایہہ سنائی
تینوں چنگی لگدی تے توں لے جا ،بھائی

تیرا دل چادر نوں ترسے نہ یارا
اسیں ایویں ای کرلواں گے گزارا

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

''البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے''۔

اس عمل رسول کی روشنی میں ہم میں سے ہر شخص کو اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہیے۔ ہمارا حال تو الا ماشاء اللہ یہ ہے کہ ہم اپنی ضرورت سے زائد چیزیں، بوسیدہ کپڑے اور فالتو اشیاء بھی کسی غریب و محتاج کو دینے کیلئے تیار نہیں ہیں اور ہمارے رسول ﷺ کا اسوہ یہ ہے کہ آپ شدید حاجت اور ضرورت کے باوجود صرف ایک مرتبہ پہنی ہوئی چادر طلب گار کو عنایت فرمادیتے ہیں اور اس جود و کرم اور سخاوت پر خوشی کا اظہار فرماتے ہیں۔

اونٹ بھی اور قیمت بھی:

تاریخ سخاوت میں حاتم طائی کا نام بڑا معروف و مشہور ہے لیکن اگر دیانت داری اور غیر جانبداری سے تجزیہ کیا جائے تو ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی سخاوت و فیاضی کے مقابلے میں حاتم طائی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ آیئے! آپ کو سخاوت مصطفےٰ ﷺ کی مناسبت سے ایک عجیب و غریب واقعہ سناتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے ایک اونٹ قیمتاً خریدا اور ادائیگی کے وقت اونٹ کی قیمت ادا کی اور مالک کو تحفہ میں اونٹ بھی واپس کر دیا۔ سبحان اللہ

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ:

''غزوہ ذات الرقاع میں واپسی پر میرا اونٹ تھکاوٹ، سستی اور کمزوری کے باعث رک گیا جس سے مجھے بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ ابھی میں اونٹ کو ہانکنے

اور چلانے کی تدبیریں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک نبی محترم ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ جابر ہو؟ میں نے عرض کی، جی، اے اللہ کے رسول ﷺ، جابر ہی ہوں۔ فرمایا، کیا ہوا؟ رک کیوں گئے ہو؟ عرض کی، میرا اونٹ تھک کر سست ہو گیا ہے، چلنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ اس لیے میں قافلے سے پیچھے رہ گیا ہوں۔ آپ ﷺ اپنی سواری سے اتر کر میرے پاس تشریف لائے اور میرے اونٹ کو چھڑی سے ہانکا اور فرمایا۔ اِرْکَبْ۔ اب سوار ہو جاؤ۔ میں سوار ہوا تو میرا اونٹ تیز دوڑنے لگا۔ یہاں تک کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے برابر رہنے کیلئے اسے روکنا پڑتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے دوران سفر مجھ سے میرے گھر کے حالات کے بارے میں چند سوالات کیے اور میرے جوابات سن کر میرے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ پھر سفر کے دوران ہی مجھ سے فرمایا۔ اے جابر! اَتَبِیْعُ جَمَلَكَ؟ کیا تم اپنا اونٹ بیچنا پسند کرو گے؟ میں نے عرض کی اگر حکم ہو تو فروخت کر دوں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حالت سفر میں ہی میرا اونٹ مجھ سے ایک اوقیہ (28 گرام) چاندی کے عوض خرید لیا۔ میں نے عرض کی گھر واپسی تک اس پر سوار رہوں گا۔ فرمایا ٹھیک ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ آپ ﷺ مجھ سے پہلے مدینہ طیبہ پہنچ گئے جبکہ میں دوسرے دن صبح حاضر ہوا تو آپ ﷺ سے مسجد کے دروازے پر ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا ابھی آئے ہو؟ میں نے عرض کیا۔ جی۔ ابھی پہنچا ہوں۔ فرمایا: اونٹ کو یہاں ہی چھوڑ دو۔ اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز نفل ادا کرو۔ میں مسجد کے اندر گیا اور نماز پڑھ کر واپس آیا تو آپ ﷺ نے جناب بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا: جابر کو ایک اوقیہ چاندی تول کر دے دو۔ چنانچہ بلال رضی اللہ عنہ نے جھکتے ہوئے ترازو کے ساتھ مجھے چاندی تول دی۔ میں نے اونٹ کی قیمت چاندی کی صورت میں وصول کی اور اونٹ

آپ ﷺ کے حوالے کر کے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اُدْعُ لِيْ جَابِراً۔ جابر کو میرے پاس بلاؤ۔ یہ سن کر مجھے خیال آیا کہ شائد آپ ﷺ کو میرا اونٹ پسند نہیں آیا۔ اور آپ مجھے میرا اونٹ واپس کر دیں گے اور قیمت واپس لے لیں گے۔ حالانکہ بات میرے لیے بڑی ناگوار تھی۔ تاہم میں حکم رسول ﷺ پر واپس لوٹا تو آپ ﷺ نے کمال مہربانی، شفقت اور محبت کرتے ہوئے فرمایا اے جابر! خُذْ جَمَلَكَ وَلَكَ ثَمَنُهٗ۔ اپنا اونٹ پکڑو، اسے گھر لے جاؤ اور اس کی قیمت ہماری طرف سے تحفہ قبول کرو۔"[1]

آپ نے رسول محترم ﷺ کی سخاوت اور طریقہ سخاوت پر غور فرمایا کہ آپ نے کیسے خوبصورت، نرالے اور عجیب انداز میں جناب جابر رضی اللہ عنہ سے مالی تعاون فرمایا کہ پہلے ان سے اونٹ خریدا، پھر قیمت ادا کرنے کے بعد واپس کر دیا تاکہ اس طریقے سے جناب جابر رضی اللہ عنہ کی خدمت بھی ہو جائے اور ان کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہو۔

ہمارے معاشرے کے مال دار و سرمایہ دار اولاً تو غرباء، مساکین اور محتاجوں کی مالی خدمت اور تعاون پر آمادہ و تیار ہی نہیں ہیں اور اگر کوئی نیکی کا یہ عظیم کام انجام دیتا ہے تو الا ماشاء اللہ۔ مستحقین کی ایسی تذلیل کرتے ہیں کہ وہ بیچارے اندر ہی اندر کڑھتے، پریشان و پشیمان ہوتے اور اپنی قسمت پر شکوہ کناں نظر آتے ہیں۔ حضرات! غرباء کی مدد فرمایئے ___ یتامیٰ کی کفالت کیجئے ___ بیوگان کی خبر گیری کیجیے ___ محتاجوں کا خیال رکھیے ___ اپاہجوں کا سہارا بنیے ___ مدارس و مساجد کی ضروریات کا خیال فرمایئے ___ اور یہ سارے کام بڑی خاموشی، رازداری اور کسی کی عزت نفس کو مجروح کیے بغیر کیجئے تو ان شاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ راضی ہو گا۔ رزق میں برکت ہو گی۔ کاروبار میں وسعت ہو گی اور قلبی سکون حاصل ہو گا۔

---

(1) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء الدواب والحمیر...:2097

سخاوت سے برکت:

سید الکونین، رسول الثقلین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ سخاوت اور فیاضی کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے اور آپ ﷺ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جود و کرم کی بارش برساتے تو اللہ تعالیٰ بھی خیر و برکت نازل فرماتا اور تھوڑی چیز زیادہ لوگوں کو کفایت کر جاتی تھی۔

چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ:

"اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ زمانہ رسالت میں کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ بھوک کی شدت سے میرا برا حال ہو جاتا، میں جگر کو تھام کر زمین پر گر پڑتا اور اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا۔ ایک دن تو میں بھوک سے نڈھال ہو کر لوگوں کی گزر گاہ میں آکر بیٹھ گیا۔ اسی دوران سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو میں نے ان سے قرآن حکیم کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ میری حالت دیکھ کر شائد وہ میرے کھانے کا بندوبست فرمادیں مگر وہ یونہی چلے گئے اور میری حالت پر کوئی توجہ نہ فرمائی۔ تھوڑی دیر بعد جناب عمر رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا تو میں نے ان سے بھی قرآنی آیت کا مفہوم پوچھا مگر وہ بھی میرا مطلب سمجھے بغیر ہی وہاں سے گزر گئے پھر جناب ابو القاسم یعنی نبی اکرم ﷺ وہاں تشریف لائے تو آپ میری حالت دیکھ کر مسکرا دیے اور آپ ﷺ نے میرے چہرے کی کیفیت سے ہی میری بھوک کی شدت کا اندازہ فرمالیا اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کا حکم فرمایا۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ آپ ﷺ اپنے گھر میں داخل ہوگئے تو میں بھی اجازت حاصل کر کے حجرہ مبارکہ میں داخل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے کمرے میں دودھ کا پیالہ دیکھ کر گھر والوں سے دریافت فرمایا کہ: مِنْ اَيْنَ هٰذَا اللَّبَنُ؟ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ تو آپ ﷺ کو دودھ کا پیالہ بطور تحفہ بھیجنے والے مرد یا عورت کا نام بتایا گیا تو آپ ﷺ نے مجھے

حکم فرمایا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! اِلْحَقْ اِلٰی اَھْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ لِیْ۔
اصحاب صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں میرے پاس بلاؤ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اصحاف صفہ وہ دینی طالب علم تھے جن کا کوئی گھر نہ تھا۔ انہیں۔ اَضْیَنَافُ الْاِسْلَامِ۔ اسلام کے مہمان کہا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کے پاس جب کوئی صدقہ آتا تو آپ ﷺ اسے اہل صفہ میں تقسیم فرما دیتے اور جب کوئی تحفہ آتا تو آپ انہیں اپنے ساتھ شریک فرما لیتے۔ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ آپ ﷺ کا اصحاب صفہ کو بلانے کا فرمان مجھے عجیب محسوس ہوا اور میں نے سوچا کہ تمام اصحاب صفہ کے سامنے اس ایک پیالہ دودھ کی حیثیت کیا ہو گی۔ جبکہ اس وقت تو میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔ بہتر تھا کہ آپ ﷺ یہ دودھ کا پیالہ مجھ اکیلے کو ہی عنایت فرما دیتے اور میں اسے پی کر کچھ قوت اور طاقت حاصل کر لیتا۔ جب اہل صفہ آئیں گے تو آپ ﷺ مجھے انہیں پیالہ دینے کا حکم فرمائیں گے اور میں انہیں دے دوں گا تو شائد مجھے تو اس دودھ میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ لیکن چونکہ آپ ﷺ کا حکم تھا اور۔ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ طَاعَةِ اللهِ وَطَاعَةِ رَسُوْلِهٖ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بُدٌّ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں گا (یعنی بحیثیت مسلمان آپ ﷺ کا حکم مان کر تمام اہل صفہ کو بلانا بھی ضروری تھا) چنانچہ حکم رسول پر عمل کرتے ہوئے جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تمام اصحاب صفہ کو بلا لائے۔ اور وہ اجازت ملنے پر آپ ﷺ کے حجرۂ مبارکہ میں داخل ہو کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

اصحاب صفہ کو قطار میں بٹھانے کے بعد رسول مکرم ﷺ نے جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابو ہریرہ! «خُذْ فَأَعْطِهِمْ» یہ پیالہ پکڑ لو۔ اور سب کو پلاتے جاؤ۔ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دودھ کا پیالہ ہر ایک کو پکڑاتا اور پلاتا جاتا تھا۔ جب ایک سیر ہو کر پی لیتا تو وہ پیالہ مجھے تھما دیتا

اور میں اسے اگلے کے ہاتھ میں دے دیتا۔ اس طرح تمام اصحاب صفہ نے پیٹ بھر کر دودھ پی لیا۔ جب میں نے آخری شخص سے پیالہ واپس لیا تو صورت حال یہ تھی کہ تمام اصحاب صفہ کے پیٹ بھی بھرے ہوئے تھے اور پیالہ بھی دودھ سے لبالب بھرا ہوا تھا..... سبحان اللہ

میں نے وہ پیالہ خدمت نبوی میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے اسے اپنے ہاتھ میں لے کر میری طرف دیکھا اور میں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ نے فَتَبَسَّمَ. فَقَالَ۔ مسکرا کر فرمایا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ بَقِيتُ أَنَا وَأَنْتَ۔ اب دودھ پینے والا میں رہ گیا ہوں اور تم رہ گئے ہو۔ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! آپ نے سچ فرمایا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ۔ اُقْعُدْ فَاشْرَبْ۔ بیٹھ جاؤ اور پیٹ بھر کر دودھ پی لو۔ چنانچہ فرمان رسول پر عمل کرتے ہوئے، میں بیٹھ گیا اور خوب جی بھر کر دودھ پیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اور پیو"۔ میں نے پھر پیا تو حکم ہوا۔ اور پیو۔ آپ ﷺ مجھے بار دودھ پینے کا حکم فرماتے رہے اور میں پیتا رہا، آخر میں نے عرض کی۔ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا۔ مجھے اس اللہ تعالیٰ کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اب تو بالکل گنجائش نہیں ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لاؤ۔ اب مجھے پکڑا دو۔ میں نے وہ پیالہ آپ ﷺ کو پکڑا دیا۔ فَحَمِدَ اللهَ وَسَمَّى وَشَرِبَ الْفَضْلَةَ۔ تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، بسم اللہ پڑھی اور تمام اصحاب صفہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا بچا ہوا دودھ پی کر اسے ختم کر دیا"۔ (1)

آپ نے اس واقعہ عجیبہ پر غور فرمایا کہ آپ ﷺ نے جود و کرم، فیاضی اور سخاوت کا کیسا عظیم مظاہرہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے سخاوت رسول کی بدولت ایک پیالہ دودھ میں کیسی

(1) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب کیف عیش النبی ﷺ واصحابہ: 6452

اور کتنی برکت فرمائی کہ وہ بیسیوں اصحاب صفہ کو کفایت کر گیا۔

شاعر حقیقت شیخ محمد سعید الفت رحمۃ اللہ علیہ نے سخیوں کے امام جناب محمد مصطفےٰ ﷺ کی اس دریا دلی کو خوب صورت شعری جامہ پہناتے ہوئے فرمایا ہے:

بندہ اک دودھ دا پیالہ لیا یا
میرے پیر سوہنے نوں آ کے پھڑایا
میرے پیر نے ساریاں نوں بلایا
بلا کے مریداں نوں پہلے پلایا
وار و واری سب نوں گیا، جاں رجایا
تے سب توں پچھوں نوش خود فرمایا
جاؤ ساری دنیا دا چکر لگاؤ
ایہو جیہا کوئی پیر لبھ کے لیاؤ
جو سارے جہانوں انوکھا نیارا
جیہدا نام نامی محمد پیارا

سخاوت رسول ﷺ بزبان بلال رضی اللہ عنہ:

سرکار دو عالم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا "تذکرۂ سخاوت" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پسندیدہ موضوع تھا اور وہ بڑی شرح و بسط اور تفصیل و وضاحت کے ساتھ آپ ﷺ کی بے مثال سخاوت و فیاضی اور جود و کرم کا ذکر خیر کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جناب عبد اللہ ھوزنی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ: شام کے مشہور شہر "حلب" میں جب میری ملاقات مؤذن رسول سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو میں نے ان سے رسول اکرم ﷺ کے انفاق، اخراجات اور فیاضی کے بارے میں سوال کیا تو جناب بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

"آپ ﷺ کے مالی معاملات اور خرچ وغیرہ کے انتظامات میرے ہی ذمہ

تھے۔ اور میں یہ خدمت رسول مکرم ﷺ کی وفات تک انجام دیتا رہا۔ صورت حال یہ تھی کہ جب بھی کوئی مسلمان دربار رسالت میں حاضر ہوتا اور اسے لباس کی ضرورت ہوتی تو آپ ﷺ مجھے حکم فرماتے اور بسااوقات میں قرض لے کر اس حاجت مند کے لباس اور خوراک کا بندوبست کرتا تھا۔ اسی دوران ایک مشرک نے مجھے کہا کہ اے بلال! میں بڑا مال دار شخص ہوں، اگر ضرورت پڑے تو کسی اور سے قرض لینے کی بجائے مجھ سے لے لیا کرو (اور حسب وعدہ واپس لوٹا دیا کرو) چنانچہ میں نے اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ ایک دن میں وضو کر کے اذان کہنے کیلئے کھڑا ہوا تھا کہ وہی مشرک تاجروں کے ایک گروہ کے ہمراہ نمودار ہوا اور مجھے دیکھتے ہی پکار اٹھا۔ او "حبشی" میں نے جواب دیا میں ادھر ہی ہوں، کیا بات ہے؟ اس نے بڑے ترش لہجے میں کہا۔ تمہیں کوئی فکر ہی نہیں کہ (قرض کی واپسی کا) مہینہ ختم ہونے والا ہے، صرف چار دن باقی ہیں اور تم نے ابھی تک رقم کا کوئی بندوبست ہی نہیں کیا، میں تجھ سے قرض کی رقم واپس لے کر ہی چھوڑوں گا۔ ورنہ تمہیں پہلے کی طرح بکریوں کا چرواہا (یعنی غلام) بنادوں گا۔ وہ مشرک بلاوجہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے الجھ پڑا حالانکہ قرض کی ادائیگی کے وعدے میں ابھی چار دن باقی تھے۔ (اس کا مقصد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور نبی محترم ﷺ کو غصہ دلانا، پریشان کرنا اور اپنا احسان جتلانا تھا) جناب بلال رضی اللہ عنہ اس صورت حال سے آزردہ ہو کر عشاء کے بعد خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور قرض خواہ کے قبل از وقت مطالبے اور رویے کی تفصیل عرض کرنے کے بعد درخواست کی کہ فی الحال تو میرے اور آپ کے پاس قرض کی واپسی کا کوئی انتظام نہیں ہے اور وہ میری اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجھے رسوا کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا آپ مجھے اجازت فرما دیں کہ میں چند دنوں کیلئے مدینہ طیبہ سے باہر کسی مسلمان قبیلے کے ہاں چلا جاؤں۔ جب اللہ تعالیٰ، اپنے رسول ﷺ کو اتنا مال عطا فرما دے گا

جس سے قرض اتر جائے تو میں واپس حاضر ہو جاؤں گا۔

جناب بلال رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ عرض کر کے میں کاشانہ رسول سے نکل آیا اور اپنی رہائش گاہ پر آکر اپنا معمولی ساز و سامان سمیٹا تاکہ علی الصبح مدینہ طیبہ سے نکل کر کسی مسلمان قبیلے کے ہاں قیام پذیر ہو جاؤں لیکن جب صبح ہوئی اور میں نے گھر سے نکلنے کا ارادہ کر لیا تو اچانک ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور مجھے کہا کہ "تمہیں رسول اللہ ﷺ بلا رہے اور یاد فرما رہے ہیں"۔ میں فوراً حاضر خدمت ہوا تو میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ساز و سامان سے لدے ہوئے چار اونٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا: اے بلال! «أَبْشِرْ فَقَدْ جَاءَكَ اللهُ بِقَضَائِكَ» "خوش ہو جاؤ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا قرض اتارنے کے لیے مال بھیج دیا ہے"۔ فرمایا: اے بلال! کیا تم نے کپڑوں، ساز وسامان اور غلے سے لدے ہوئے وہ چار اونٹ نہیں دیکھے؟ میں نے عرض کی، آقا دیکھے ہیں ۔ فرمایا: یہ لدے ہوئے چاروں اونٹ مجھے "فدک" کے رئیس نے تحفہ بھیجے ہیں، تم یہ چاروں اونٹ بمع ساز و سامان لے جاؤ اور اپنا قرض ادا کرو۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں نے فرمان رسول پر عمل کرتے ہوئے سارا قرض ادا کر دیا اور واپس مسجد نبوی میں حاضر ہو کر نہایت ادب سے آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا آپ ﷺ نے صورت حال دریافت فرمائی تو میں نے عرض کیا کہ۔ اپنا اور آپ کا سارا قرض ادا کرنے کے بعد بھی کافی مال باقی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے (غرباء، مساکین، محتاجوں اور ضرورت مندوں میں) تقسیم کر دو، اور ہاں، یاد رکھو، جب تک یہ سارا مال راہ للہ خرچ نہ ہو جائے، میں گھر نہیں جاؤں گا، عشاء کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے جناب بلال رضی اللہ عنہ سے دوبارہ حالات معلوم کیے تو عرض کیا گیا کہ وافر تقسیم کے باوجود ابھی مال باقی ہے اور کوئی حاجت مند بھی موجود نہیں ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وہ رات مسجد میں گزار دی اور صبح جناب بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ مال ضرورت مندوں میں تقسیم کیا جائے۔

چنانچہ سارا مال حاجت مندوں میں تقسیم کرنے کے بعد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے جب رپورٹ دی کہ "سارا مال تقسیم ہو گیا ہے"۔ تو آپ ﷺ نے خوشی سے فرمایا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان فرمائی اور اس کا شکر ادا کیا کہ سارا مال راہ للہ تقسیم ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے"۔(1)

نرفت کلمہ لا بر زبان اُو ہر گز:

سرور کونین ﷺ کی سخاوت و فیاضی کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ کسی سائل کو "نہ" نہیں کرتے تھے اگر سائل کی مطلوبہ چیز موجود ہوتی تو فوراً عطا فرما دیتے، اگر نہ ہوتی تو وعدہ فرما لیتے یا دعا دے کر خاموشی اختیار فرما لیتے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

«مَا سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا»(2)

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ نے "نہیں" کہا ہو"۔

عربی شاعر نے آپ ﷺ کی سخاوت، فیاضی اور "نہ" نہ کرنے کا ذکر کرتے ہوئے بڑی خوب صورت بات کہی ہے کہ

مَا قَالَ لَا قَطُّ إِلَّا فِى تَشَهُّدِهٖ
لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءَهٗ نَعَمُ

"آپ ﷺ نے تشہد کے سوا کبھی لَا نہیں کہا۔ اگر تشہد نہ ہوتا تو

(1) سنن ابی داؤد، كِتَابُ الْخَرَاجِ وَالْإِمَارَةِ وَالْفَيْءِ، بَابٌ فِي الْإِمَامِ يَقْبَلُ هَدَايَا الْمُشْرِكِينَ:3055۔ قال الالبانی، صحیح الاسناد

(2) صحیح مسلم، کتاب الْفَضَائِلِ، بَابُ مَا سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا وَكَثْرَةُ عَطَائِهِ:2311

آپ ﷺ کا لا (نہیں) بھی نعم (ہاں) ہوتا"۔

اسی مفہوم کا فارسی شعر ہے۔

نرفت کلمہ لَا برزبانِ اُو ہرگز
مگر بِأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"انصار کے بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ چیزوں کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے انہیں عطا فرما دیں۔ انہوں نے دوبارہ سوال کیا تو آپ ﷺ نے دوسری بار بھی ان کا مطالبہ پورا کر دیا۔ وہ لوگ مسلسل مانگتے رہے اور آپ ﷺ انہیں عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ سارا مال ختم ہو گیا مگر وہ بدستور تقاضا کرتے رہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ......»

میرے پاس جو کچھ ہو گا، میں اسے تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا۔ اور جو شخص سوال کرنے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سوال سے محفوظ رکھتا ہے"۔[1]

اس واقعہ سے آپ ﷺ کی سخاوت و فیاضی کے علاوہ آپ کے تحمل، بردباری اور قوت برداشت کی حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے بار بار سوال کرنے والوں کو نہ جھڑکا، نہ منع کیا، نہ غصے ہوئے اور نہ ہی مال دینے سے انکار کیا۔

آپ ﷺ کی اسی فیاضانہ روش سے لوگوں کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ بسا اوقات وہ وقت اور حالات کی نزاکت کا احساس کیے بغیر ہی آپ ﷺ کی خدمت میں مطالبات پیش کرنا شروع کر دیتے اور اصرار کرتے کہ ہمیں ہماری مطلوبہ اشیاء ابھی اور اسی وقت عنایت

(1) صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن المسئلۃ:1469

فرمائی جائیں۔ اور ہماری حاجات وضروریات فوراً پوری کی جائیں۔ چنانچہ خادم رسول جناب انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ نماز کیلئے اقامت (تکبیر) کہی جاچکی تھی کہ ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری حاجت ابھی پوری کی جائے اور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ مسجد کے کونے میں تشریف لے گئے۔ اطمینان سے اس کی بات سنی، اس کی حاجت پوری کی اور پھر تشریف لا کر نماز پڑھائی"۔(1)

کتب احادیث میں رسول اکرم ﷺ کی طبعی فیاضی کے سینکڑوں واقعات بیان کیے گئے ہیں کہ آپ ﷺ ہر سائل کی ضرورت وحاجت کو حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش فرماتے اور اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ سائل جس اور جتنی چیز کا سوال کرتا، آپ ﷺ اس کا مطلوبہ مال اسے عطا فرمادیتے۔ چنانچہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَنَمًا بَيْنَ جَبَلَيْنِ، فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ، فَأَتَى قَوْمَهُ فَقَالَ: «أَيْ قَوْمِ أَسْلِمُوا، فَوَاللهِ إِنَّ مُحَمَّدًا لَيُعْطِي عَطَاءً مَا يَخَافُ الْفَقْرَ»(2)

"ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ دو پہاڑوں کے درمیان موجود بکریوں کا سارا ریوڑ مجھے عنایت فرمادیں تو آپ ﷺ نے وہ ساری بکریاں اسے عطا فرمادیں۔ اس شخص نے اپنے قبیلے میں جاکر اعلان کیا کہ اے میری قوم! اسلام قبول کرلو، کیونکہ محمد ﷺ اتنے فیاض اور عطا کرنے والے ہیں کہ مفلسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے یعنی ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ سب لوگوں میں تقسیم فرمادیتے ہیں اور اپنے پاس کچھ بھی رکھتے"۔

(1) صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الامام تعرض الحاجة بعد الاقامة:642-643

(2) صحیح مسلم، کتاب الْفَضَائِلِ، بَابُ مَا سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا وَكَثْرَةُ عَطَائِهِ:2312

حضرات! غور فرمایئے کہ کیا ایسے فیاض، سخی اور صاحب جود و کرم رسول کا حق نہیں بنتا کہ زندگی کے ہر معاملے میں ان کی اطاعت، اتباع اور پیروی کی جائے۔ واللہ! کائنات ہست و بود میں صرف آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے جن کی کامل اتباع، مکمل فرماں برداری اور غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا گیا۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ (آل عمران:31-32)

"(اے رسول ﷺ) آپ فرما دیجئے کہ (اے لوگو) اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا از حد مہربان ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو، پس وہ اس سے منہ موڑ لیں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے کافروں سے محبت نہیں کرتا"۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ رسول آخر الزمان جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی حدیث، سنت اور طریقے کی مخالفت کفر ہے اور جو شخص آپ ﷺ کے طریقے کی مخالفت کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں، گستاخوں اور کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ کامیابی کا اصل راستہ، نجات کی حقیقی راہ اور حصول جنت کی کلید رسول محترم ﷺ کی اطاعت، اتباع اور فرماں برداری ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے ہماری زیر بحث آیت مبارکہ میں بیان فرمائی ہے کہ:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

اگر جنت میں جانے کا ارادہ ہو تمامی کا
گلے میں پہن لو کرتا، محمد کی غلامی کا

سات دیناروں کی فکر:

بات ہو رہی تھی پیغمبر اعظم واکرام ﷺ کے جود و کرم اور سخاوت کی۔ حقیقت یہ ہے کہ آسمان کی نیلی چھت اور زمین کے فرش نے آج تک آپ ﷺ جیسا فیاض اور سخی نہیں دیکھا اور قیامت تک آپ ﷺ جیسا کوئی مال و دولت بانٹنے والا پیدا بھی نہیں ہو سکتا ،کیونکہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے بے مثل اور بے مثال اور باوصف و باکمال تخلیق فرمایا ہے۔ آیئے! سخاوت رسول ﷺ کے بارے میں آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے تین سنہری واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ سَاهِمُ الْوَجْهِ. قَالَتْ: فَحَسِبْتُ أَنَّ ذَالِكَ مِنْ وَجَعٍ. فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ. مَا لَكَ سَاهِمُ الْوَجْهِ؟ قَالَ: " مِنْ أَجْلِ الدَّنَانِيرِ السَّبْعَةِ الَّتِي أَتَتْنَا أَمْسِ. أَمْسَيْنَا وَهِيَ فِي خُصْمِ الْفِرَاشِ "[1]

"ایک دن اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کا رنگ متغیر اور پریشانی کے اثرات نمایاں تھے، میں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک میں کہیں درد ہے جس کی وجہ سے آپ پریشان اور غم زدہ ہیں ،تو میں نے عرض کی ،اے اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کیا ہوا ہے کہ آپ کی رنگت تبدیل ہے ،خیر تو ہے ؟۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کل جو سات دینار آئے تھے ، میں ان کی وجہ سے پریشان ہوں کہ شام ہو گئی ہے اور وہ ابھی تک بستر میں پڑے ہیں"۔

اللہ اکبر! آپ اندازہ فرمائیں کہ آپ ﷺ کی پریشانی اور غم کا سبب کیا ہے؟ کہ سات دینار ابھی تک بستر پر پڑے ہیں ، پورا دن گزر گیا ،شام ہو گئی اور میں ابھی تک وہ دینار کسی

---

(1) مسند احمد: 26514، قال شعیب الارناؤط ، صحیح

مستحق کی ہتھیلی پر نہیں رکھ سکا۔ کسی غریب کی مدد نہیں کر سکا اور کسی مسکین کی خدمت کا فریضہ انجام نہیں دے سکا۔

عزیزان گرامی قدر! پیارے رسول ﷺ کی سیرت دیکھیے اور اپنے اعمال، افعال اور کردار کا جائزہ لیجئے کہ ہم میں سے ہر شخص الا ماشاء اللہ دولت جمع کرنے کا متمنی، سرمایہ اکٹھا کرنے کا خواہش مند اور دینا کا مال و متاع سمیٹنے کا عادی ہے۔ سخاوت و فیاضی اور اصل مال کو راہ للہ خرچ کرنا تو رہا ایک طرف۔ مسلمانوں کی اکثریت اپنے مال کی سالانہ زکاۃ۔ جو صاحب نصاب پر نماز پنجگانہ کی طرح فرض ہے ادا کرنے کیلئے یتار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے آج غریب ،غریب تر اور امیر ،امیر ترین ہو تا جارہا ہے۔ ہمیں معاشرے کے مجبور، معذور اور مستحق انسانوں کی بنیادی ضروریات کا کوئی احساس و خیال نہیں ہے۔ یاد رکھیے! زکاۃ ادا نہ کرنے والوں کے خلاف خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد فرمایا تھا اور رسول محترم ﷺ نے زکاۃ کو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن قرار دیا ہے۔

سونے کی ڈلی کا غم:

صحابی رسول جناب عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"میں نے عصر کی نماز نبی اکرم ﷺ کی اقتدار میں پڑھی۔ آپ ﷺ نماز کا سلام پھیرتے ہی بڑی تیزی سے اٹھے اور اپنی ایک اہلیہ محترمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لے گئے پھر جلد ہی واپس تشریف لے آئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس خلاف معمول تیزی پر تعجب و حیرانی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«ذَكَرْتُ وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ تِبْرًا عِنْدَنَا، فَكَرِهْتُ أَنْ يُمْسِيَ أَوْ يَبِيتَ عِنْدَنَا فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ»[1]

"مجھے نماز میں یاد آیا کہ سونے کی ایک ڈلی گھر میں پڑی ہے جو ابھی تک

[1] صحیح بخاری، كِتَابُ العَمَلِ فِي الصَّلَاةِ، بَابُ يُفْكِرُ الرَّجُلُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ: 1221

مستحقین میں تقسیم نہیں ہو سکی تو مجھے برا محسوس ہوا کہ وہ سونا شام۔ یارات۔ تک گھر میں پڑا رہے، اس لیے تیزی سے جا کر اسے تقسیم کرنے کا حکم دے آیا ہوں"۔

آپ، امام الرسل ﷺ کے جذبہ سخاوت، احساس ذمہ داری اور غرباء کے ساتھ محبت والفت کا اندازہ فرمائیں کہ آپ ﷺ قطعاً یہ پسند نہیں فرماتے کہ میرے گھر میں مال پڑا رہے اور وہ غرباء و مساکین میں تقسیم نہ ہو۔ آپ ﷺ کے اس عمل سے اسلامی ریاست کے حکمرانوں، مقتدر قوتوں اور صاحب اختیار افسروں کو سبق حاصل کرنا چاہیے کہ ان کے ملک میں کتنے لوگ ہیں جو غربت و افلاس کے باعث بھوک سے مر رہے، اپنے گردے فروخت کر رہے اور بچے بیچ رہے ہیں تاکہ ان کے پیٹ کی آگ بجھانے کیلئے کچھ رقم حاصل ہو سکے۔ آپ ﷺ کی مختلف حیثیتوں میں سے ایک حیثیت سربراہ مملکت کی بھی ہے، اس حیثیت سے آپ ﷺ اپنی رعایا کے ضرورت مندوں کا اتنا خیال فرماتے کہ بعض اوقات دوران نماز بھی ان کی ضرورتوں کے بارے میں سوچتے اور نماز کے فوراً بعد ان کی خدمت و تعاون میں مصروف ہو جاتے۔ ایسے شفیق و مہربان آقا پر اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے لاتعداد و بے شمار درود و سلام اور برکات کا نزول فرمائے۔ آمین

خراج کی رقم:

رسول اکرم ﷺ کے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"ایک مرتبہ بحرین سے خراج (زمین کے محصول) کی رقم آئی (یہ رقم بحرین کے گورنر جناب علاء حضرمی رضی اللہ عنہ نے نبی محترم ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجی تھی جو تقریباً ایک لاکھ روپیہ تھی) آپ ﷺ نے فرمایا: «اُنْثُرُوهُ فِي الْمَسْجِدِ» اس رقم کو مسجد میں بکھیر دو۔ پھر آپ ﷺ نماز کے لیے تشریف لائے تو اس رقم کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ اس ڈھیر کی ہوئی رقم کے پاس بیٹھ گئے اور اسے لوگوں

میں بلا امتیاز تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ کی جس مسلمان پر بھی نظر پڑتی، اسے بلا کر عنایت فرما دیتے، اسی دروان جناب عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے بھی عطا فرمائیے کیونکہ (غزوۂ بدر کے موقع پر) میں نے اپنا اور (ابوطالب کے بیٹے) عقیل کا فدیہ ادا کیا تھا (جس سے میری مالی حالت کمزور ہو گئی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: ”جتنا چاہو، لے لو“۔ جناب عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا رقم سے بھر لیا، مگر وزن زیادہ ہونے کے باعث اٹھا نہ سکے تو آپ ﷺ کی خدمت میں درخواست کی کہ کسی کو حکم دیں مجھے یہ چادر اٹھوا دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا، خود ہی اٹھاؤ۔ عرض کی۔ آپ ہی اٹھوا دیجیے۔ فرمایا: نہیں۔ اپنا بوجھ خود اٹھاؤ۔ اب جناب عباس رضی اللہ عنہ نے کچھ رقم کم کر کے اٹھانے کی کوشش کی مگر نہ اٹھا سکے۔ پھر اٹھوانے کی درخواست کی، مگر قبول نہ ہوئی تو مزید مال کم کر دیا۔ اور چادر میں بندھی ہوئی رقم کندھے پر رکھی اور چل دیے۔ آپ ﷺ پیچھے سے جناب عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھتے (اور تعجب فرماتے) رہے۔ جناب انس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: فَمَا قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَثَمَّ مِنْهَا دِرْهَمٌ جب تک ایک درہم بھی باقی رہا۔ آپ ﷺ وہاں سے نہیں اٹھے۔ یعنی جب سارا مال تقسیم ہو گیا اور ایک درہم بھی باقی نہ رہا تو پھر آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے“۔[1]

اس حدیث مقدسہ میں بھی دیگر مسائل کے علاوہ آپ ﷺ کی جود و سخا کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے سارا مال مسجد نبوی میں ڈھیر کر دینے کا حکم فرمایا اور ضرورت و حاجت کے باوجود اپنے گھر میں ایک درہم بھی نہیں بھیجا بلکہ مال کی طرف التفات ہی نہیں فرمایا اور سارے کا سارا مال مدینہ طیبہ کے اہل ایمان میں تقسیم فرما دیا۔ نیز اپنے عم محترم

---

(1) صحیح بخاری، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ القِسْمَةِ، وَتَعْلِيقِ القِنْوِ فِي المَسْجِدِ: 421، و كِتَابُ الجِزْيَةِ، بَابُ مَا أَقْطَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ البَحْرَيْنِ:3165

جناب عباس رضی اللہ عنہ کو انکار تو نہیں فرمایا مگر ان کے سوال اور پھر زیادہ مقدار میں لے جانے کی خواہش اور عمل پر تعجب کا اظہار فرمایا۔

حضرات! یاد رکھیے! یہ دنیا کا مال دنیا میں ہی رہ جائے گا۔ روز حشر وہی کام آئے گا جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے غرباء، مساکین، محتاجوں اور ضرورت مندوں کو دیا ہوگا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"يَقُولُ الْعَبْدُ: مَالِي، مَالِي، إِنَّمَا لَهُ مِنْ مَالِهِ ثَلَاثٌ: مَا أَكَلَ فَأَفْنَى، أَوْ لَبِسَ فَأَبْلَى، أَوْ أَعْطَى فَاقْتَنَى، وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ، وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ"[1]

"انسان کہتا ہے میرا مال، میرا مال، بلاشبہ اس کے لیے اس کے مال میں سے صرف تین حصے ہیں (1) جو اس نے کھا کر ختم کر دیا۔ (2) یا پہن کر بوسیدہ کر دیا (3) یا کسی مستحق کو دے کر توشۂ آخرت بنا لیا۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے۔ وہ اسے لوگوں کیلئے چھوڑ کر چلا جائے گا"۔

سخاوت کی حقیقت:

سخاوت یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص ساری عمر تو دولت جمع کرتا، اس کی حفاظت کرتا اور گن گن کر رکھتا ہے اور جب موت سامنے نظر آ جائے، دنیا سے رخصتی کا یقین ہو جائے اور جمع شدہ دولت چھوٹتی ہوئی محسوس ہو تو اب خواہش کرے کہ اگر مجھے تھوڑی مہلت میسر آ جائے، فی الحال موت ٹل جائے اور موقع مل جائے تو میں اپنی جمع کردہ پونجی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کر دوں۔ اسے صدقہ کر دوں اور نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں بلکہ اصل سخاوت اور فیاضی یہ ہے کہ آدمی تندرست ہو، اس کے ہوش و حواس قائم ہوں اور دولت کی ضرورت و خواہش بھی رکھتا ہو تو پھر خوش دلی کے ساتھ اپنا مال غرباء، مساکین، محتاجوں، معذوروں، یتیموں، بیواؤں، اپاہجوں، مجبوروں اور ضرورت مندوں میں صرف حصول

[1] صحیح مسلم، كِتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ: 2959

ثواب کی نیت سے تقسیم کرے اور اس سخاوت میں ریاکاری، دکھلاوا اور نمود و نمائش کا شائبہ تک نہ ہو۔ قرآن مجید فرقان حمید میں سخاوت و فیاضی کی اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ:

﴿وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ١ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا١ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۠۝﴾

(المنافقون:10-11)

"اور خرچ کرو، اس رزق میں سے جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا ہے، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے، پھر وہ کہے، اے میرے پروردگار! تو نے مجھے مہلت کیوں نہیں دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں سے ہو جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ ہرگز کسی کو مہلت نہیں دے گا جب اس کی موت کا وقت آ جائے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے"۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی زبان رسالت سے سخاوت کی اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم افضل صدقہ کون سا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا:

"أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيحٌ شَحِيحٌ، تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمُلُ الْغِنَى، وَلَا تُمْهِلَ حَتَّى إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ قُلْتَ: لِفُلَانٍ كَذَا، وَلِفُلَانٍ كَذَا، أَلَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ"[1]

"افضل صدقہ یہ ہے کہ تم تندرستی کی حالت میں خیرات کرو، جب تمہیں مال کی خواہش و ضرورت اور زندہ رہنے کی امید بھی ہو۔ اور صدقہ کو جان کے حلق تک آنے پر مؤخر نہ کرو کہ اس وقت کہو، فلاں کو اتنا دے دینا، فلاں کو

[1] صحيح مسلم، كِتَاب الزَّكَاةِ، بَابُ بَيَانِ أَنَّ أَفْضَلَ الصَّدَقَةِ: 1032

اتنا دے دو، خبردار! وہ تو (تمہارے بعد) فلاں کا ہو ہی چکا ہے"۔

ان قرآنی آیات اور فرمان رسول کی روشنی میں ہم سب اپنے احوال وافعال کا جائزہ لیں تو ہم میں سے اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے جو نیک اعمال، صدقات و خیرات اور سخاوت و حسنات کو مسلسل مؤخر کیے جا رہے ہیں، یہ سوچ کر کہ ابھی بڑی زندگی باقی ہے۔ جب بوڑھے ہوں گے، کمر جھک جائے گی اور قویٰ مضمحل اور کمزور ہو جائیں گے تو نمازیں بھی پڑھ لیں گے... زکاۃ بھی دیں گے... سخاوت بھی کر لیں گے.... حج کی سعادت بھی حاصل کر لیں گے.... ذکر، اذکار اور اللہ توبہ بھی کر لیں گے... ابھی ہم نے مکان تعمیر کرنا ہے.... کار خریدنی ہے... بچوں کی شادیاں کرنی ہیں... بیگم کے زیورات بنانے ہیں... تمام لڑکوں کیلئے الگ الگ رہائشیں بنانی ہیں... بیٹیوں کا جہیز خریدنا ہے.... اور اتنے کام کرنے والے ہیں.... ان تمام کاموں سے پوری طرح فارغ ہو لیں یعنی شدید ضعیف اور بیمار ہو لیں... چارپائی کے ساتھ لگ جائیں.... اور موت کے منہ میں جانے کے بالکل قریب ہو جائیں... تو:

﴿ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾

"تو پھر صدقہ بھی کریں گے اور نیکوں میں سے بھی ہو جائیں گے"۔

حضرات! ہمارے رسول ﷺ نے صرف سخاوت و فیاضی کی تعلیم و تبلیغ ہی نہیں فرمائی بلکہ عملاً جود و سخا کا ایسا نمونہ پیش فرمایا ہے کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کے جود و کرم اور فیاضی و سخاوت کی متعدد مثالیں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ آیئے! سخاوت مصطفیٰ ﷺ کی مزید چند جھلکیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

احد پہاڑ کے برابر سونا:

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو دنیا کی دولت سے کوئی محبت نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ فرمایا کرتے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا آجائے تو میں اسے راہ اللہ

سخاوت کر دوں گا اور اس میں سے ایک ذرہ بھی اپنے پاس نہیں رکھوں گا۔ آپ ﷺ کے معروف صحابی جناب ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"ایک دن میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی پتھریلی زمین پر چل رہا تھا کہ ہم چلتے چلتے اُحد پہاڑ کے قریب پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے مجھے بلاتے ہوئے فرمایا: اے ابو ذر! میں نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ میں حاضر ہوں (اور آپ کے ساتھ موجود ہوں) ارشاد ہوا:

«مَا يَسُرُّنِي أَنَّ عِنْدِي مِثْلَ أُحُدٍ هٰذَا ذَهَبًا. تَمْضِي عَلَيَّ ثَالِثَةٌ وَعِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ. إِلَّا شَيْئًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ. إِلَّا أَنْ أَقُولَ بِهِ فِي عِبَادِ اللهِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا. عَنْ يَمِينِهِ. وَعَنْ شِمَالِهِ. وَمِنْ خَلْفِهِ»

"مجھے اس سے بالکل خوشی نہیں ہو گی کہ میرے پاس اس احد کے برابر سونا ہو اور اس پر تین دن اس طرح گزر جائیں کہ اس میں سے ایک دینار بھی باقی رہ جائے سوائے اس تھوڑی سی رقم کے جو میں قرض کی ادائیگی کے لئے چھوڑ دوں بلکہ میں اسے اللہ کے بندوں میں اپنی دائیں طرف سے، بائیں طرف سے اور پیچھے سے خرچ کروں"۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ كَانَ لِيْ مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا. لَسَرَّنِي أَنْ لَا تَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثُ لَيَالٍ وَعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ. إِلَّا شَيْئًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ»

"اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے خوشی ہو گی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے میں اسے تقسیم کر دوں اور اس میں سے میرے پاس کچھ بھی باقی نہ رہے سوائے اس کے جسے میں قرض ادا کرنے کے لیے رکھ لوں"۔[1]

[1] صحیح بخاری، كِتَابُ الرِّقَاقِ، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا: 6444، 6445

ان فرامین سے آپ ﷺ کے جذبہ سخاوت کی وضاحت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی یہ شدید خواہش ہوتی تھی کہ جو کچھ بھی میرے پاس ہو اسے لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے اور دولت دنیا میں سے کوئی چیز بھی میرے پاس ذخیرہ نہ رہے۔ شاعر حقیقت شیخ محمد سعید الفت رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری شریف کی اس حدیث پاک کا پنجابی اشعار میں ترجمہ کیا ہے:

بخاری دے اندر ہے واقعہ آیا
ابو ذر نوں اک دن نبی نے سنایا
جے اللہ تعالیٰ کوئی ڈوہ ، ایسا ڈوہ دے
جو احد پہاڑ اے ، اوہ سونے دا ہو جے
ایہہ سونا، مناں جو کہ وڑاں تے لکھاں
میں اک تولہ وی کوں اپنے نہ رکھاں
میں تناں دناں وچ کراں ونڈا ایداں
کہ سارے دا سارا غریباں نوں دیداں

رسول اکرم ﷺ انتہا درجے کے سخی اور جواد تھے، اگر کوئی شخص آپ ﷺ سے بار بار مطالبہ کرتا تو اسے ہر بار عطا فرماتے اور سخاوت سے انکار نہ فرماتے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور مشہور صحابی جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

«سَئَلْتُ رَسُولَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِی ثُمَّ سَأَلْتُہٗ فَأَعْطَانِی ثُمَّ سَأَلْتُہٗ فَأَعْطَانِی ثُمَّ قَالَ یَا حَکِیمُ إِنَّ ھٰذَا الْمَالَ خَضِرَۃٌ حُلْوَۃٌ فَمَنْ أَخَذَہٗ بِسَخَاوَۃِ نَفْسٍ بُورِکَ لَہٗ فِیہِ وَمَنْ أَخَذَہٗ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ یُبَارَکْ لَہٗ فِیہِ کَالَّذِی یَأْکُلُ وَلَا یَشْبَعُ اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی»[1]

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپ ﷺ نے عطا فرمایا۔ میں نے

(1) صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن المسئلۃ:1472

پھر مانگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر عطا فرمایا۔ میں نے پھر مانگا آپ ﷺ نے پھر بھی عطا فرمایا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اے حکیم! یہ دولت بڑی سرسبز اور بہت ہی شیریں ہے۔ لیکن جو شخص اسے اپنے دل کی سخاوت کے ساتھ حاصل کرے تو اس کی دولت میں برکت ہوتی ہے۔ اور جو لالچ کے ساتھ لیتا ہے تو اس کی دولت میں کچھ بھی برکت نہیں ہوتی۔ اس کا حال اس شخص جیسا ہو جاتا ہے جو کھاتا ہے لیکن آسودہ نہیں ہوتا (یاد رکھو) اوپر کا ہاتھ (یعنی دینے والا ہاتھ) نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے"۔

اس حدیث مبارکہ میں جہاں آپ ﷺ کے جود و کرم اور سخاوت و دریا دلی کا ذکر ہے وہاں آپ ﷺ کی ناصحابہ تربیت اور مشفقانہ اصلاح کا طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے کیسی حکمت و دانائی اور بصیرت و محبت سے سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی اصلاح و تربیت فرمائی اور انہیں بار بار سوال کرنے کی قباحت سے کیسے نرالے انداز میں منع فرمایا کہ بات بھی سمجھا دی اور انہیں شرمندہ بھی نہیں کیا۔ مسئلہ بھی بتا دیا اور تنقید بھی نہیں فرمائی... حصول برکت کے ذرائع سے آگاہ بھی فرما دیا اور کھلے لفظوں میں سوال سے منع بھی نہیں فرمایا۔ سخاوت کی فضیلت بھی بیان کر دی اور ساتھ ہی بخل و کنجوسی کے نقصانات کی طرف بھی اشارہ فرما دیا۔ سبحان اللہ

اللہ تعالیٰ ایسے شفیق آقا پر لاتعداد درود، سلام اور برکات نازل فرمائے۔ آمین۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

سخاوت میں مسابقت:

نبی معظم ﷺ نے اپنے رفقاء اور اصحاب کی ایسے انداز میں تربیت فرمائی کہ کہ وہ مالی سخاوت کو ناروا بوجھ سمجھنے کی بجائے عظیم سعادت جانتے اور سخاوت و فیاضی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ صحبت مصطفیٰ ﷺ کی تاثیر اور تربیت رسول کا اثر تھا کہ ان میں سے ہر ایک سخی، فیاض اور صاحب جود و کرم تھا۔

آیئے! تصورات میں مدینہ طیبہ چلتے ہیں، سرزمین مدینہ، مسجد نبوی، ریاض الجنۃ اور امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے منبر پر جلوہ افروز ہیں، غزوہ تبوک کی تیاری ہو رہی ہے اور آپ ﷺ جہادی ضروریات کی خاطر اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مالی سخاوت کی ترغیب دلا رہے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ اے میرے رفقاء! غزوہ تبوک کے لیے اونٹوں، گھوڑوں اور دولت کی ضرورت ہے۔ پھر کیا ہوا؟ وہ سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی جانتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

"غزوۂ تبوک کے موقع پر جناب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دیناروں کی ایک تھیلی لا کر آپ ﷺ کی گود میں بکھیر دی، وہ ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے) تھے۔ جنہیں آپ ﷺ الٹتے ہوئے فرما رہے تھے: مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ آج کے بعد عثمان کوئی (نفلی) نیکی نہ بھی کرے تو کوئی حرج نہیں ہے"۔[1]

اصحاب رسول کی فیاضی، سخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر آیا ہے تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تذکرۂ سخاوت کے بغیر بات مکمل نہ ہو گی، آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ[2]

"بلاشبہ حقوق صحبت ادا کرنے کے اعتبار سے اور اپنا مال خرچ کرنے کے لحاظ سے مجھ پر سب سے زیادہ احسانات ابو بکر کے ہیں"۔

غزوۂ تبوک کی تیاری کے موقع پر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سخاوت و فیاضی کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا

---

(1) جامع ترمذی، أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ ، بَابٌ فِي مَنَاقِبِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: 3701۔ قال الالبانی ، حسن

(2) جامع ترمذی، أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ مَنَاقِبِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : 3660۔ قال الالبانی، صحیح

بیان ہے کہ:

"جب بھی نیکی، صدقہ، خیرات، سخاوت اور نیک اعمال کا کوئی معاملہ ہوتا تو جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سبقت لے جاتے، غزوہ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا تو ان دنوں میرے پاس خاصا مال موجود تھا، میں نے دل ہی دل میں خیال کیا کہ اب میں سخاوت و فیاضی اور نیک اعمال میں جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ سکتا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی اپیل پر میں گھر گیا اور گھر کے تمام مال و اسباب کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ لے کر دربار رسالت میں حاضر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے مال واسباب کی کثرت اور گھریلو سامان دیکھ کر فرمایا: مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟ اے عمر! گھر میں اہل و عیال کیلئے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے نہایت ادب سے عرض کی: مِثْلَهُ اے اللہ کے رسول ﷺ جتنا لے کر آیا ہوں اسی قدر گھر میں چھوڑ آیا ہوں"۔

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ:

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آ گیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار

"سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا تمام ساز و سامان اور مال و اسباب اٹھائے تشریف لے آئے اور سب کچھ رسول مکرم ﷺ کے سامنے ڈھیر کر دیا۔ رحمت مجسم ﷺ نے ان سے بھی وہی سوال کیا: يَا أَبَا بَكْرٍ مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟۔ اے ابو بکر! اپنے اہل و عیال کی خاطر کیا چھوڑ آئے ہو؟ یار غار

نے عرض کی آقا: گھر میں جو کچھ تھا وہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے لے آیا ہوں: أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللهَ وَرَسُولَهُ گھر والوں کیلئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت والفت چھوڑ آیا ہوں"۔

علامہ محمد اقبال کے الفاظ ہیں۔

بولے رسول چاہئے فکر عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
پروانے کو چراغ ہے ،بلبل کو پھول بس
صدّیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بے مثال سخاوت، جذبہ قربانی اور ایثار و محبت کو دیکھ کر اعلان فرمادیا کہ:

وَاللهِ لَا أَسْبِقُهُ إِلَى شَيْءٍ أَبَدًا

"اللہ کی قسم! میں کسی معاملے میں بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا"۔[1]

سخاوت کی وجہ سے غیبی امداد:

سخاوت و فیاضی اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا مقبول و محبوب عمل ہے کہ اس کی برکت سے اللہ رب العزت کاروبار میں وسعت، ترقی اور برکت عطا فرماتا ہے، گھر میں سکون و اطمینان اور رزق میں کشادگی ہوتی ہے۔ مال و دولت کی حفاظت اور فطری راحت میسر آتی ہے اور سخاوت و انفاق مال کے باعث اللہ تعالیٰ خزانہ غیب سے سخی کی مدد فرماتا ہے اور اس پہ اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ سخیوں کے امام جناب محمد کریم ﷺ نے ایک سخی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"ایک مرتبہ کوئی شخص جنگل میں چلا جارہا تھا کہ اچانک اس کے کانوں سے یہ

---

[1] جامع ترمذی، ابواب المناقب ، باب فی مناقب ابی بکر وعمر:3675؛سنن ابی داؤد ، کتاب الزکاۃ، باب الرخصة فی ذالک : 1678۔قال الالبانی ،حسن

آواز ٹکرائی کہ کوئی بادلوں کو حکم دے رہا ہے۔ اِسْقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ "فلاں آدمی کے باغ کو سیراب کرو"(وہ آدمی اس غیبی آواز کو سن کر حیران و متعجب ہوا) اور اس نے دیکھا کہ بادل نے وہاں سے ہٹ کر ایک پتھریلی زمین پر خوب پانی برسایا۔ وہ پانی بہہ کر ایک چھوٹی نہر (کھال) میں جا پہنچا، وہ نہر ایک باغ کو جاتی تھی۔ وہ شخص اس پانی کے پیچھے پیچھے ہو لیا کہ دیکھوں اصل ماجرا کیا ہے؟ چنانچہ اسے نظر آیا کہ یہ پانی نالیوں کے ذریعے ایک باغ میں پہنچ گیا اور فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِي حَدِيقَتِهِ يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهِ "وہاں ایک آدمی اپنی کسّی سے پانی کو ادھر ادھر کر رہا تھا" فَقَالَ لَهُ: يَا عَبْدَ اللهِ مَا اسْمُكَ؟ "تو اس آدمی نے باغ والے سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ اے اللہ کے بندے! آپ کا نام کیا ہے؟" اس نے جواباً اپنا وہی نام بتایا جو آنے والے نے بادلوں سے سنا تھا۔ (تو اس کی حیرانی میں مزید اضافہ ہوا اور وہ اس بزرگ کو بنظر غائر دیکھنے لگا) تو اس باغ والے نے آنے والے مسافر سے پوچھا: لِمَ تَسْأَلُنِي عَنِ اسْمِي؟ "آپ نے میرا نام کیوں دریافت فرمایا؟" مسافر نے (ادب و احترام سے) عرض کیا: إِنِّي سَمِعْتُ صَوْتًا فِي السَّحَابِ الَّذِي هٰذَا مَاؤُهُ يَقُولُ: اسْقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ، لِاسْمِكَ "میں نے اسی بادل سے جس کا یہ پانی ہے۔ ایک آواز سنی تھی۔ کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو۔ اس نے آپ ہی کا نام لیا تھا" چنانچہ بادل سے پانی برسا، اور وہ آپ کے باغ تک آیا اور میں اس کی حقیقت جاننے کے لیے یہاں آیا ہوں۔ لہٰذا فرمایئے۔ فَمَا تَصْنَعُ فِيهَا؟ "آپ کون سا ایسا کام کرتے ہیں" جس کی وجہ سے آپ پر اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے؟ اس باغ کے مالک نے کہا۔ جب آپ نے یہ آواز سن ہی لی ہے اور اس کی تفصیلات جاننے کے خواہش مند ہیں تو میں آپ کو سنا ہی دیتا ہوں۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ:

"فَإِنِّي أَنْظُرُ إِلَى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا، فَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهِ، وَآكُلُ أَنَا وَعِيَالِي ثُلُثًا، وَأَرُدُّ فِيهَا ثُلُثَهُ"

"میں اس باغ کی پیداوار کے تین حصے کرتا ہوں ایک صدقہ کر دیتا ہوں، دوسرا حصہ میں اور میرے اہل عیال کھاتے ہیں اور تیسرا حصہ باغ کی ضروریات پر خرچ کرتا ہوں۔"[1]

اسی فیاضی اور سخاوت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرماتا ہے اور میرے مال میں برکت ہو جاتی ہے۔ جب پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو آسمان سے بارش نازل ہو جاتی ہے۔

اللہ رب العالمین ہم سب کے رزق اور کاروبار میں برکت عطا فرمائے اور اپنے راستے میں خرچ کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے اور ہمیں غفلت میں ڈالنے والے مال سے محفوظ فرمائے۔ آمین

سخاوت کے چند فوائد:

ابھی آپ نے سماعت فرمایا کہ سخاوت کی بدولت اللہ تعالیٰ کاروبار میں وسعت، زراعت میں برکت اور مال کی حفاظت فرماتا ہے۔ آیئے! قرآن وحدیث کی روشنی میں سخاوت کے چند مزید فوائد و نتائج سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

1۔ جو شخص اپنی حلال کمائی میں سے راہ للہ خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے سخی اور فیاض کے گناہوں کو معاف فرما دیتا، غلطیوں کو بخش دیتا ہے اور لغزشوں سے درگزر فرماتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنْ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ﴾ (التغابن:17)

"اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو گے (یعنی مالی سخاوت کرو گے) تو وہ اسے تمہارے لیے (کئی گنا) بڑھا دے گا۔ اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ

(1) صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب فضل الانفاق علی المساکین :2984

بڑا قدر دان اور بہت بردبار ہے"۔

اس آیت میں یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ سخی کو اس کی سخاوت کے بدلے میں کئی گنا بڑھا کر لوٹاتا ہے اس امر کی مزید وضاحت نبی محترم ﷺ نے یوں فرمائی ہے کہ:

«مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللهُ إِلَّا الطَّيِّبَ وَإِنَّ اللهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتَّى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ»

"جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ صرف حلال کمائی کے صدقہ کو قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے، پھر صدقہ کرنے والے کے فائدے کے لیے اس میں اضافہ کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی اپنے جانور کے بچے کو کھلا پلا کر بڑھاتا ہے تا آنکہ اس کا صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے"۔[1]

اس فرمانِ رسول کے مطابق سخاوت کیا ہوا مال اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنا مال خرچ کرنے والے سخی کیلئے اللہ تعالیٰ کے فرشتے رحمت، برکت اور مالی وسعت کی دعائیں کرتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُوْلُ الْآخَرُ اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا»[2]

"ہر روز جب بندے صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک دعا کرتا ہے کہ: اے اللہ! خرچ کرنے والے سخی کو اس کا

(1) صحيح البخاري: كِتَابُ الزَّكَاةِ، بَابُ الصَّدَقَةِ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ:1410

(2) صحيح البخاري: كِتَابُ الزَّكَاةِ، بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: {فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى}:1442

بدلہ عطا فرما اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے کہ اے اللہ! مال کو روکنے والے یعنی سخاوت نہ کرنے والے کے مال کو تلف اور ضائع فرمادے"۔

3۔رسول مکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سخیوں کیلئے جنت کا ایک خاص دروازہ تیار فرمایا ہے کہ دخولِ جنت کے وقت اہلِ سخاوت کو اس خاص دروازے سے جنت جانے کیلئے پکارا جائے گا جیسا کہ جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"روزِ حشر نمازیوں کو جنت کے "باب الصلاۃ" سے بلایا جائے گا، مجاہدینِ اسلام کو "باب الجہاد" سے آواز دی جائے گی، روزے داروں کو "باب الریان" سے گزارا جائے گا۔ "وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ" اور اہلِ سخاوت کو "باب الصدقہ" سے پکار کر جنت میں داخل کیا جائے گا"۔[1]

4۔رسول مکرم ﷺ نے اپنی زبانِ حق ترجمان سے غرباء، مساکین اور محتاجوں کی خفیہ طریقے سے مدد کرنے والے اور مالی سخاوت کرنے والے خوش نصیب کو روزِ حشر اللہ تعالیٰ کے عرش اور اس کی رحمت کے سائے کا مستحق قرار دیا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے "عرشِ الٰہی" کے سائے تلے جگہ پانے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

«رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ»[2]

"مخفی صدقہ (سخاوت) کرنے والا بھی عرشِ الٰہی کے سائے تلے ہوگا جو اتنے خفیہ انداز سے سخاوت کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے"۔

ہمارے ہاں تو اس وقت تک غرباء میں کھانا بھی تقسیم نہیں کیا جاتا جب تک اخباری

---

(1) صحیح بخاری، كِتَابُ الصَّوْمِ، بَابٌ: الرَّيَّانُ لِلصَّائِمِينَ:1897

(2) صحیح بخاری، كتاب الزكاة، باب الصدقة باليمين: 1423

نمائندے، فوٹو گرافرز اور ٹی وی چینلز کے کیمرے موجود نہ ہوں۔ العیاذ باللہ

5۔ سخاوت اور فیاضی سے سخی کے قلب و ذہن، فکر و نظر اور فعل و عمل کو پاکیزگی، طہارت اور نظافت حاصل ہوتی ہے یعنی تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (التوبہ:103)

"ان کے مالوں میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ فرمائیں اور ان کیلئے (رحمت کی) دعا کریں، بلاشبہ آپ کی دعا ان کیلئے سکون (کا باعث) ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اب تک کی گفتگو میں بتوفیق اللہ تعالیٰ ہم نے امام الرسل، ختم الرسل، ہادی سبل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی سخاوت، فیاضی، جود و کرم اور دریا دلی کے چند واقعات، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سخاوت اور صدقات و خیرات میں مسابقت کا جذبہ اور قرآن و حدیث سے سخاوت کے چند اہم فوائد اور برکات و اثرات کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ واقعات سیرت ہمیں درس اور سبق دیتے ہیں کہ ہم بھی جذبہ سخاوت کو پروان چڑھائیں، صدقات و خیرات کو وطیرہ بنائیں اور غرباء و مساکین کی خدمت کا طریقہ اپنائیں تاکہ اتباع رسول کا حق ادا ہو سکے اور معاشرے کو امن، سکون، محبت، الفت اور اخوت کا گہوارہ بنایا جا سکے۔ اللہ رب العالمین ہم سب کو سیرت رسول کے ہر پہلو اور ہر حصے پر عمل کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ٥

4

عدالتِ مصطفیٰ ﷺ

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

تمام تعریفات و تحمیدات اس ذات رحیم وکریم کے لیے جو رب العالمین، احسن الخالقین اور مالک یوم الدین ہے۔ وہ اپنی ذات، صفات، کمالات، اختیارات اور عبادات میں وحدہٗ لاشریک اور عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ وہی متصرف الامور، مدبر الامور اور الودود الغفور ہے۔

لاتعداد و بے شمار اور ان گنت و بے حساب درود و سلام امام الانبیاء، سید الاصدقاء اور قدوۃ الصلحاء جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر جو خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین اور شافع یوم الدین ہیں جن کا امتی ہونا ہمارے لیے بڑے اعزاز، شرف اور عزت کی بات ہے۔ جن کی فرماں برداری ذریعہ نجات اور نافرمانی وجہ عذاب ہے۔

آپ ﷺ کا امتی کہلانے والے ہر فرد و بشر کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کرے، آپ ﷺ کی کامل اتباع کرے اور آپ ﷺ کے "اسوۂ حسنہ" پر عمل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ کیونکہ اسی میں دنیا کا بھلا اور اسی میں آخرت کی نجات ہے۔

اگر جنت میں جانے کا ارادہ ہو تمامی کا
گلے میں پہن لو کرتا محمد کی غلامی کا

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہر مسلمان کو آپ ﷺ کا سچا فرماں بردار بنائے۔ آمین

اِن معروضات میں سورۃ الاحزاب کی آیت 21 کی تشریح و توضیح کے ضمن میں رسول اکرم ﷺ کی سیرت پاک کا ایک اہم پہلو "عدالت مصطفیٰ" ﷺ عرض کرنے کا ارادہ ہے تو آیئے پہلے "عدل" کا معنیٰ اور مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عدل کا معنیٰ و مفہوم:

"عدل" کا لغوی معنیٰ سیدھا کرنا، توازن قائم کرنا، کسی چیز کو اس کے درست مقام پر رکھنا اور اعتدال و برابری ہے۔ علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کرنا کہ ان دونوں میں معمولی سی کمی و بیشی نہ ہو، اسے عربی میں "عدل" کہتے ہیں"۔[1]

عدل کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو میں توازن اور تناسب قائم ہو، ہر ایک کو اس کا حق دیا جائے اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، مذہبی، سیاسی اور تمدنی حقوق بلاکم و کاست ادا کیے جائیں اور اس کے ساتھ کسی قسم کی ناانصافی، ظلم اور زیادتی نہ کی جائے۔ لفظ عدل میں بنیادی طور پر دو معانی پائے جاتے ہیں۔ (1) توازن اور تناسب کو قائم رکھنا۔ (2) دوسرے کو اس کا حق دینا۔

"العدل" اللہ تعالیٰ کی عظیم صفت اور اس کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ہے اس لیے رب العزت کا ہر فیصلہ درست، برحق اور صحیح ہوتا ہے۔ قرآن مجید شاہد ہے کہ:

﴿وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ﴾ (المؤمن:20)

"اور اللہ تعالیٰ حق (عدل) کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے"۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ مبنی بر حق اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے، اسی طرح ذات الٰہی کا ہر فرمان بھی حق و صداقت اور عدل و انصاف پر مبنی ہوتا

---

[1] المفردات، باب العین

ہے۔ اللہ رب العالمین خود فرماتا ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ۝﴾ (الاحزاب:4)

"اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے"۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے "صدق وعدل" کی گواہی ان الفاظ میں بھی دیتا ہے کہ:

﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝﴾ (الانعام:115)

"اور آپ کے رب کی بات صدق اور عدل میں مکمل ہے۔ کوئی اس کی باتوں کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے اور وہ ہر ایک کی سننے الا ہے سب کچھ جاننے والا ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات کا سارا نظام اللہ تعالیٰ کے عدل، انصاف اور توازن کی وجہ سے ہی قائم ہے اور اس ذات ربانی نے انسانوں کو بھی عدل و انصاف قائم کرنے اور قائم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن حکیم کی مشہور اور بڑی جامع آیت ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝﴾ (النحل:90)

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل، احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کام اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو"۔

عدل وانصاف ایک قانونی ضرورت بھی ہے اور اخلاقی فضیلت بھی۔ عدل کے بغیر معاشرہ بگاڑ اور فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم تو انبیاء ورسل علیہم السلام کی بعثت و نبوت کا مقصد عظیم ہی عدل وانصاف کے قیام کو قرار دیتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید:25)

"البتہ تحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں دے کر مبعوث فرمایا اور ہم

نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل وانصاف پر قائم رہیں"۔

عدل کی اقسام:

بنیادی طور پر عدل کی دو اقسام ہیں۔(1) انفرادی عدل۔(2) اجتماعی عدل۔

انفرادی عدل سے مراد یہ ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ عدل وانصاف کیا جائے یعنی ذاتی زندگی کے ہر شعبے میں توازن، اعتدال اور میانہ روی کو اختیار کیا جائے، اپنے اوقات کی درست تقسیم کی جائے، ہر کام کو مناسب وقت دیا جائے، تفریح اور آرام کا خیال رکھا جائے۔ رہبانیت اختیار نہ کی جائے کہ آدمی دنیاوی معاملات ومعمولات سے بالکل لا تعلق ہو جائے۔ اور فرعونیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسلام، شریعت اور دینی احکام سے غفلت بھی نہ برتی جائے بلکہ دین ودنیا کا حسین امتزاج پیدا کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی جائے کہ:

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾

(البقرہ:201)

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں خیر، بھلائی اور بہتری عطا اور آخرت میں بھی بھلائی نصیب فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما"۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اکثر یہی دعا مانگا کرتے تھے۔[1]

"عدل اجتماعی" سے مراد ایسا عدل وانصاف ہے جو معاشرے کے ہر فرد کو میسر ہو اور ہر شخص کو اس کے مذہبی، سیاسی، قانونی، معاشی اور معاشرتی حقوق بلا امتیاز حاصل ہوں۔ حکومت ان حقوق کی نگہداشت کرے اور کسی شخص یا ادارے کو کسی کے حقوق غصب یا تلف کرنے کی اجازت نہ ہو۔ اگر کسی سطح پر کسی کی حق تلفی ہو رہی ہو تو حکومت اس کی دادرسی کرے، ظالم کا ہاتھ روکے اور حق دار کو اس کا حق دلوائے، اسی کا نام "سماجی

(1) صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب قول النبی ﷺ ربنا آتنا فی الدنیا.....: 6389

انصاف" ہے اور اسی کو "سوشل جسٹس" کہا جاتا ہے۔

عدل اجتماعی میں لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب کا ہونا بھی ضروری ہے۔ عدل اجتماعی ایک ایسا متوازن، معتدل اور متناسب نظام ہے جس میں ظلم واستحصال ،اللہ تعالیٰ سے بغاوت ،رسول اللہ ﷺ کا نافرمانی ،اخلاقی اصولوں کی خلاف ورزی، انسانی حقوق کی پامالی اور ناانصافی کا کوئی تصور نہیں ہے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ عدل اجتماعی کا مفہوم صرف "مساوات" نہیں ہے۔ مثلاً کسی متبحر عالم دین، ایٹمی سائنسدان اور مزدور کو برابر اجرت دی جائے تو یہ عدل نہیں بلکہ ظلم ہے۔ عدل کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کی قابلیت، محنت اور کام کی نوعیت کے مطابق معاوضہ دیا جائے۔

قرآن حکیم لفظ عدل کو ظلم ،فساد ،طاغوت اور عدوان کے متضاد کے طور پر استعمال فرماتا ہے اور اس امر کی وضاحت فرماتا ہے کہ عدل اجتماعی کے بغیر معاشی استحکام اور معاشرتی امن قائم نہیں ہو سکتا۔ عدل اجتماعی ایک آفاقی حقیقت ہے اور دنیا کا کوئی معاشرہ اس کے بغیر امن وسلامتی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ ۖ وَ لَا یَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴾ (المائدہ:8)

"اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے (اور) انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں بے انصافی پر آمادہ نہ کرے، عدل کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے"۔

اسلام کے نظام عدل میں کسی رنگ و نسل، مذہب وزبان، مال وزر، جاہ واقتدار، حاکم و محکوم، غریب وامیر، افسر وملازم حتیٰ کہ مرد اور عورت، غلام اور آقا، گورے اور کالے اور

بالا دست وزیر دست کے درمیان کوئی فرق، امتیاز اور تفریق نہیں ہے، ہمارے رسول ﷺ کی سیرت اور تعلیم تو یہ ہے کہ ہر دوست اور دشمن، اپنے اور بیگانے اور مخالف اور موافق کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے اور کسی شخص کی معاشرتی، مذہبی، سیاسی اور معاشی حیثیت کو عدل میں رکاوٹ نہ بننے دیا جائے۔

زمانہ حال کی حکومتیں عدلیہ کی بالادستی، آزادی اور خود مختاری کے دعوے تو بہت کرتی ہیں مگر جب عدل وانصاف کی زد حکومتی اہل کاروں پر پڑتی ہے تو پھر کبھی قوانین تبدیل کرکے، کبھی ججز کو معطل کر کے اور کبھی ڈرا دھمکا کے اپنے حق میں فیصلے کروانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یاد رکھیے! جب تک عدالتیں مکمل طور پر بالا دست، خود مختار اور ہر قسم کے دباؤ سے آزاد نہیں ہوں گی۔ ججز اور عدالتی عملہ محفوظ و مامون نہیں ہو گا اور اسلامی نظام عدل کا نفاذ نہیں ہو گا، اس وقت تک "عدل وانصاف" ایک خواب ہی رہے گا۔

عدل کے شعبے:

اسلام، شریعت اور رسول محترم ﷺ کی تعلیمات میں عدل وانصاف کا اعلیٰ معیار اور مثالی نظام یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں "عدل" کو اختیار کیا جائے اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ انسانی معاشرے کے استحکام، امن اور سلامتی کیلئے عدل اسلامی پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ آیئے بالاختصار حیات انسانی کے چند اہم شعبوں کا ذکر کرتے ہیں جن میں عدل وانصاف کو اختیار کرنے کا قرآن وحدیث میں واضح حکم دیا گیا ہے:

ا۔ **فیصلے میں عدل:** اگر کسی شخص کو منصبِ قضا عطا کیا جائے، منصف، ثالث اور جج بنایا جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ فریقین کے درمیان فیصلہ کرتے وقت تمام معاملات کا بغور جائزہ لے اور عدل وانصاف پر مبنی فیصلہ کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ

بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝﴾ (النساء:58)

"اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت فرماتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے"۔

دوسری جگہ اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝﴾

(المائدہ:42)

"اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے"۔

۲۔ گواہی میں عدل: قاضی اور جج کی طرف سے مبنی بر انصاف فیصلہ کروانے میں بنیادی کردار گواہوں کا ہوتا ہے۔ عدالتیں شہادتوں کی بناء پر ہی کسی کے حق اور کسی کے خلاف فیصلہ سناتی ہیں۔ لہٰذا قرآنی آیات میں گواہوں کو اس امر کا پابند فرمایا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ سچی گواہی دیں۔ جھوٹی گواہی سے مکمل اجتناب کریں تاکہ حق دار کو اس کا حق مل سکے اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (المائدہ:8)

"اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے (اور) انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں بے انصافی پر آمادہ نہ کرے، عدل کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے"۔

بسا اوقات انسان اپنے کسی قریبی عزیز، دوست اور واقف کار کو سزا سے بچانے کیلئے

انصاف کے تقاضوں کے برعکس جھوٹی گواہی دینے اور غلط بات کہنے پر تیار ہو جاتا ہے، ایسے مواقع پر اہل ایمان کی رہنمائی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (الانعام:152)

”اور جب تم کوئی بات کرو تو انصاف سے کام لو، اور اگر چہ معاملہ تمہارے قریبی رشتہ دار کا ہو“۔

۳۔ دستاویزات میں عدل: عام طور پر عدالتی فیصلوں کا انحصار تحریری مواد اور دستاویزات پر ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ رب العزت نے دستاویزات لکھنے اور لکھوانے میں ”عدل“ کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ لْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَ لَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَ لْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَ لْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَ لَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا﴾ (البقرہ:282)

”اور لکھنے والے کا فرض ہے کہ تمہارے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ تحریر کرے۔ اور لکھنے والا، لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے۔ لہٰذا اسے لکھنا چاہیے اور وہ شخص تحریر لکھوائے جس کے ذمہ حق ہے اور اسے اپنے رب سے ڈرنا چاہیے اور (لکھواتے وقت) اس میں کوئی چیز کم نہ کرے“۔

۴۔ عائلی زندگی میں عدل: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے گھریلو، خانگی اور عائلی زندگی میں عدل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور مرد کے لیے ایک سے زیادہ شادیوں کو ”عدل“ سے مشروط کیا ہے:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (النساء:4)

”پس اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی (بیوی) پر اکتفا کرو“۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ»[1]

"پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل وانصاف کرو"۔

۵۔ تجارت میں عدل: کاروبار کی کامیابی کے لیے بھی "عدل" ایک بنیادی شرط ہے۔ بے انصافی کے ساتھ تجارت کرنا غضب الٰہی اور بے برکتی کا موجب ہے۔ ناپ تول میں کمی سے منع اور تجارتی معاملات میں عدل وانصاف کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہے فرمایا:

﴿وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (الانعام:152)

"اور تم ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو"۔

سورۃ رحمان میں فرمایا:

﴿وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ۝﴾ (الرحمان:9)

"اور وزن کو انصاف کے ساتھ درست رکھو اور تول میں کمی نہ کرو"۔

۶۔ یتیموں کے ساتھ عدل: بعض لوگ یتیموں کو معاشرے کا غیر اہم اور بے آسرا حصہ سمجھ کر ان پر ظلم وستم کرتے اور ان کے حقوق غصب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یتیموں کے بارے میں "عدل وانصاف" کا خاص حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ﴾ (النساء:127)

"اور (اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ) تم یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو"۔

۷۔ صلح میں عدل: جب دو مسلمان جماعتیں اختلاف، انتشار اور لڑائی جھگڑے میں مبتلا ہو جائیں تو معاشرے کے سنجیدہ فکر افراد اور سربر آوردہ لوگوں کا فرض ہے کہ وہ ان متحارب تنظیموں اور افراد کے درمیان صلح کروانے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مصلحین امت کو پابند فرمایا ہے کہ وہ حقائق وشواہد کی روشنی میں عدل وانصاف کے ساتھ

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الهبة وفضلها، باب الشهادة فی الهبة:2587

صلح کروائیں۔ کمزور فریق کو دبانے اور طاقت ور کو رعایت دینے کی ہر گز کوشش نہ کریں۔ حکم الٰہی ہے:

﴿فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾

(الحجرات:9)

"پس ان دونوں جماعتوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کروادو، اور انصاف کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے"۔

۸۔ دشمنوں کے ساتھ عدل: اسلام دنیا کا واحد دین ہے کہ جس نے اپنوں کے علاوہ بیگانوں اور دشمنوں کے بارے میں بھی عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور مخالفوں کے ساتھ کسی قسم کے ظلم، زیادتی اور بے انصافی سے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (المائدہ:8)

"اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں بے انصافی پر آمادہ نہ کرے، عدل کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے"۔

رسول اکرم ﷺ اور خلافت راشدہ کے دور میں ایسی سینکڑوں عملی مثالیں موجود ہیں کہ دشمنان اسلام اور مخالفین دین کے ساتھ بھی انصاف، عدل اور مساوات کا برتاؤ کیا گیا۔ جن میں چند واقعات ان شاء اللہ العزیز ہم ابھی عرض کرنے کی کوشش کریں گے۔

رسول اکرم ﷺ کا عدل:

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے پیارے اور آخری رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو جن بے شمار خوبیوں، خصوصیتوں اور صلاحیتوں سے سرفراز فرمایا۔ ان میں ایک عدل و انصاف اور قوت فیصلہ کا بے مثال ملکہ ہے۔ جو مقدمات اور مسائل بڑے بڑے باصلاحیت اور معتبر

لوگ حل نہ کر سکے، وہ معاملات آپ ﷺ نے ذرا سی توجہ سے حل فرما دیے اور لوگوں کے باہمی تنازعات کے فیصلے ایسی خوب صورتی سے فرمائے کہ مقدمے کے دونوں فریق مطمئن اور مسرور واپس گئے۔ بقول مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ کہ:

وہ شمع، اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی، سب دنیا کے درباروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

احادیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں آپ ﷺ کے مبنی بر عدل وانصاف فیصلوں کی جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کبھی بھی کوئی فیصلہ "عدل" کے خلاف نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آپ کا ہر فیصلہ حقائق کی روشنی میں عدل وانصاف پر مبنی ہوتا تھا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہمیشہ اور ہر معاملے میں عدل وانصاف کرنے کا خصوصی حکم فرمایا تھا۔ حکم الٰہی ہے:

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝﴾ (الشوریٰ: 15)

"پس آپ (لوگوں کو اسی دین کی) دعوت دیں۔ اور جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے، اس پر قائم رہیں۔ اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور کہہ دیجئے کہ میں اس کتاب پر ایمان لایا جو اللہ نے نازل کی ہے اور مجھے تمہارے درمیان "عدل" کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔۔ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں ۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ تعالیٰ (روز حشر) ہم سب کو جمع کرے

گا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

اگر آپ نے اس آیت مبارکہ کے الفاظ اور ترجمے پر غور فرمایا ہے تو یہ آیت دس (10) مستقل احکام پر مشتمل ہے جن میں سے ہر حکم الگ تفصیل کا متقاضی ہے۔ مفسرین کرام کا فرمان ہے کہ اس آیت جیسی دوسری آیت "آیت الکرسی" ہے جس میں دس الگ الگ کلمات اور جملے ہیں اور ہر ایک جدا حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ مگر فی الوقت ہم اس آیت کی تفسیر و تشریح کرنے کی بجائے صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس آیت کے ایک جملے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو لوگوں گے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کا حکم فرمایا ہے اور آپ ﷺ نے زندگی بھر اس حکم الٰہی پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کے درمیان انصاف فرمایا ہے اور آپ ﷺ کا کوئی فیصلہ عدل وانصاف کے منافی نہیں ہے۔

آیئے! نبی معظم ﷺ کی ذات گرامی سے صادر ہونے والے چند فیصلوں کا ذکر خیر کرتے ہیں۔ لیکن اس سے قبل چند ایسے ارشادات رسول ﷺ جن میں عدل کے مصطفائی اصولوں کو بیان فرمایا گیا ہے۔

عدل کے مصطفائی اصول:

1۔ صحابی رسول جناب ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے:

«لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ» [1]

"حاکم، غصہ کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے"۔

2۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ وَلِيَ الْقَضَاءَ، أَوْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّينٍ» [2]

(1) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب هل يقضى القاضى او يفتى وهو غضبان: 7158

(2) جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب ما جاء عن رسول الله ﷺ فى القاضى: 1325، قال الالبانی، صحیح

"جسے فیصلے کی ذمہ داری سونپی گئی یا اسے لوگوں کا قاضی مقرر کیا گیا تو گویا اسے چھری کے بغیر ذبح کر دیا گیا"۔

3۔ جناب عبد اللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ مَعَ القَاضِي مَا لَمْ يَجُرْ، فَإِذَا جَارَ تَخَلَّى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ»(1)

"قاضی کو اللہ تعالیٰ کی معیت و نصرت حاصل رہتی ہے جب تک وہ ظلم نہ کرے اور جب وہ ظلم کرتا ہے تو معیت الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے اور شیطان اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے"۔

4۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ»(2)

"جب حاکم (قاضی) فیصلہ کرتے وقت (حقائق تک پہنچنے کی پوری) کوشش کرے اور درست (مبنی بر انصاف) فیصلہ کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر کوشش کے باوجود (فیصلے میں) غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے"۔

5۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللهِ الأَلَدُّ الخَصِمُ»(3)

"اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو"۔

6۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«وَمَنِ ادَّعَى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا، وَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ

(1) جامع ترمذی، کتاب الاحکام ،باب ما جاء فی الامام العادل:1330، قال الالبانی، حسن

(2) صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة ، باب اجر الحاکم اذا اجتهد.....: 7352

(3) صحیح بخاری، کتاب المظالم ، باب قول اللہ تعالیٰ :وھو الد الخصام: 2457

النَّارِ»[1]

”جس نے کسی ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں (یعنی ہماری امت میں) سے نہیں ہے اور ایسا شخص اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے“۔

7۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ، لَادَّعَى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَأَمْوَالَهُمْ، وَلَكِنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ»[2]

”اگر لوگوں کو محض ان کے دعویٰ کی بنیاد پر (ان کا مطلوب) دے دیا جائے تو لوگ، آدمیوں کے خون اور اموال کا دعویٰ کرنے لگیں گے۔ لیکن (مدعی کے ذمے دلیل اور) قسم، مدعیٰ علیہ (ملزم) کے ذمے ہے“۔

8۔ جناب ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ، فَقَدْ أَوْجَبَ اللهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ. فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «وَإِنْ قَضِيبًا مِنْ أَرَاكٍ»[3]

”جس شخص نے قسم کے ذریعے کسی مسلمان کا حق حاصل کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جہنم کی آگ کو واجب کر دیا اور اس پر جنت کو حرام قرار دے دیا۔ کسی آدمی نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ اگرچہ وہ معمولی چیز ہو (پھر بھی یہی سزا ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: خواہ وہ پیلو کے درخت کی شاخ ہی ہو“۔

9۔ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ

(1) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یا کافر: 61

(2) صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب الیمین علی المدعیٰ علیہ: 1711

(3) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وعید من اقتطع حق مسلم .....: 137

بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ وَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ »[1]

"میں بھی انسان ہوں، تم اپنے مقدمات میرے پاس لاتے ہو۔ اور ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی دلیل (موقف) دوسرے سے زیادہ بہتر انداز میں پیش کرے اور میں اس کے دلائل سن کر فیصلہ اس کے حق میں کر دوں۔ پس میں جس شخص کو اس کے (مسلمان) بھائی کے حق میں سے کوئی چیز دے دوں تو وہ اسے بالکل نہ پکڑے (یعنی قبضہ میں نہ لے) میں تو اسے جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں"۔

10۔ نبی محترم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

«لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ، وَلَا زَانٍ وَلَا زَانِيَةٍ، وَلَا ذِي غِمْرٍ عَلَى أَخِيهِ.....وَرَدَّ شَهَادَةَ الْقَانِعِ لِأَهْلِ الْبَيْتِ»[2]

"خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی گواہی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح زانی مرد اور زانیہ عورت کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی اور اپنے (مسلمان) بھائی سے دشمنی رکھنے والے شخص کی گواہی اس کے متعلق غیر مقبول ہو گی اور آپ نے خاندان کے زیر کفالت شخص کی گواہی اس خاندان کے حق میں قبول نہیں فرمائی تھی"۔

حضرات! بڑے اختصار کے ساتھ رسول محترم ﷺ کی دس احادیث پیش کی گئی ہیں جن میں آپ ﷺ نے عدل و انصاف کے بنیادی اور اہم اصول بیان فرمائے ہیں۔ ان قواعد و ضوابط اور اساسی قوانین کی روشنی میں آپ ﷺ کی طرف سے کیے گئے چند فیصلوں سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الحیل: 6967

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیة، باب من ترد شهادته: 3600۔ 3601۔ قال الالبانی، حسن

یہودی کے حق میں فیصلہ:

ہمارے آقا جناب محمد ﷺ نے اپنے ارشادات اور عمل سے عدل و انصاف کا جو بے مثال و باکمال نظام قائم فرمایا، اس میں مدعی اور مدعا علیہ کی معاشرتی، مالی اور مذہبی حالت اور کیفیت کالحاظ و خیال کیے بغیر حق و صداقت پر مبنی فیصلے کیے جاتے ہیں اور کسی قسم کے دباؤ، سفارش اور تعلقات کو انصاف میں رکاوٹ نہیں بننے دیا جاتا یہاں تک عدل و انصاف کے معاملے میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز بھی روا نہیں رکھی جاتی بلکہ دلائل، قرائن اور شواہد کی روشنی میں فیصلے صادر کیے جاتے ہیں اور حق دار کو اس کا حق دلوایا جاتا ہے۔

آیئے! رسول محترم ﷺ کے اسی طرح کے مبنی بر انصاف ایک اہم فیصلے کا تذکرہ کرتے ہیں،

"مدینہ طیبہ میں بشر نام کا ایک مسلمان رہتا تھا (جو حقیقتاً منافق تھا مگر دنیوی مفادات کی خاطر اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا) اس کا ایک یہودی سے کسی معاملے پر جھگڑا ہو گیا اور نوبت کسی تیسرے شخص سے فیصلہ کروانے تک جا پہنچی۔ یہودی نے تجویز دی کہ اس مقدمے کا فیصلہ تمہارے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ سے کروا لیتے ہیں مگر بشر نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ دربار رسالت سے تو حق اور سچ کا فیصلہ ہو گا، وہاں سفارش کام نہ آئے گی اور آپ ﷺ سے طرف داری کی توقع بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس نے مطالبہ کیا کہ اس تنازعہ کا فیصلہ یہودی سردار کعب بن اشرف سے کروایا جائے۔ فریق مقدمہ یہودی اس نام نہاد مسلمان (منافق) کی اس بات پر بڑا حیران اور متعجب ہوا اور اس نے ملامت کرتے ہوئے کہا۔ تم کیسے مسلمان ہو جو اپنے نبی سے فیصلہ کروانے کی بجائے یہودی سردار سے فیصلہ کروانے کا مطالبہ کر رہے ہو؟ چنانچہ اسے مجبوراً فیصلہ کے لیے خدمت نبوی میں حاضر ہونا پڑا۔ رسول محترم ﷺ نے فریقین کے دلائل کو بغور سماعت فرمانے

،حالات و واقعات پر توجہ فرمانے اور قرائن و شواہد کا تجزیہ کرنے کے بعد کسی قسم کی رعایت اور مذہب کی تمیز کے بغیر یہودی کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔

عدالت نبوی کا فیصلہ سننے کے بعد "بشر" ناک منہ چڑاتے ہوئے دربار رسالت سے باہر آیا اور یہودی سے کہنے لگا نَتَحَا کَمَ اِلٰی عُمَرَ "ہم اس مقدمے کا فیصلہ جناب عمر رضی اللہ عنہ سے کروا لیتے ہیں۔ وہ یہودی اس نام نہاد کلمہ گو کی یہ بات سن کر مزید حیران اور متعجب ہوا اور اس سے استفسار کیا کہ تم کیسے مسلمان ہو کہ دربار رسالت سے فیصلہ سننے کے بعد اسی تنازعے کا فیصلہ ان کے امتی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کروانا چاہتے ہو؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ امتی کا فیصلہ، اپنے رسول کے فیصلے کے خلاف ہو؟۔ تاہم وہ اس پر آمادہ ہو گیا کہ چلو آپ کے اصرار پر فیصلہ مصطفیٰ پر جناب عمر رضی اللہ عنہ سے نظر ثانی کروا لیتے ہیں۔

المختصر یہ کہ مقدمہ کے دونوں فریق سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور صورت حال ان کے گوش گزار کی۔ بشر بڑا ہوشیار، چرب زبان اور تیز طرار تھا۔ اس نے اپنی گفتگو کا یوں آغاز کیا۔ اے عمر! میں مسلمان، مومن اور آپ کا ساتھی ہوں اور یہ شخص جو میرے ساتھ آیا ہے۔ یہودی، غیر مسلم اور اسلام کا مخالف ہے۔ معاملہ یہ ہے کہ میرے اور اس کے درمیان جھگڑا ہو گیا ہے اور ہم اپنے مقدمے کا فیصلہ کروانے کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ لہٰذا ازراہ کرام آپ مجھ مسلمان اور یہودی کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔

نام نہاد مسلمان کی اس گفتگو کے بعد وہ یہودی جناب عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوا اور عرض کی کہ مجھے آپ سے فیصلہ کروانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے مگر آپ ایک بات ذہن میں رکھیں کہ "قَضٰی لِیَ النَّبِیُّ ﷺ فَلَمْ یَرْضَ بِقَضَائِہٖ" اس مقدمے کا فیصلہ نبی اکرم ﷺ میرے حق میں فرما چکے ہیں مگر یہ مسلمان نبی ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں ہے اور فیصلہ رسول کے بعد

آپ سے فیصلہ کروانے کا خواہش مند ہے۔ اب یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے کہ فیصلہ مصطفیٰ کے بعد آپ کیا فیصلہ کرتے ہیں؟

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے یہ امر انتہائی حیرانی، پریشانی اور تعجب کا باعث تھا کہ عدالت نبوی سے فیصلہ ہونے کے بعد یہ شخص میرے پاس کیوں آیا ہے؟ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے بشر سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اَکَذَالِكَ" یہ یہودی سچ کہہ رہا ہے کہ اس تنازعے کا فیصلہ دربار نبوی سے اس کے حق میں ہو چکا ہے؟ اس نے کہا "نَعَمْ" ہاں معاملہ تو ایسا ہی ہے مگر ہم آپ سے فیصلہ کروانا چاہتے ہیں۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مَكَانَكُمَا حَتّٰى اَخْرُجَ اِلَيْكُمَا" تم دونوں یہیں ٹھہرو، میں اندر سے ہو کر آتا ہوں۔ چنانچہ جناب عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ "وَخَرَجَ بِسَيْفِهٖ" اور تلوار لے کر باہر تشریف لائے اور آتے ہی تلوار کو اس منافق کی گردن پر مارتے ہوئے فرمایا: "هٰكَذَا اَقْضِيْ لِمَنْ لَّمْ يَرْضَ بِقَضَاءِ اللهِ تَعَالٰى وَ رَسُوْلِهٖ ﷺ" جو شخص مسلمان کہلانے کے باوجود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا، اس کے متعلق میرا فیصلہ یہ ہے کہ اسے دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ بات فرمائی اور اپنی تلوار سے اس منافق کا سر تن سے جدا کر کے رکھ دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ﷺ کے اس عمل سے مدینہ منورہ میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور لوگ آپس میں تبصرے کرنے لگے جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کلمہ گو قتل کر دیا ہے تو اللہ تے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کی تائید و تصدیق کیلئے قرآن حکیم کی یہ آیت نازل فرمائی"۔[1]

﴿وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

(1) روح المعانی، سورۃ النور، 18،47/ 194

ذٰلِكَ ۚ وَ مَاۤ اُولٰٓىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝﴾ (النور:47)

"اور وہ (منافق) کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے اطاعت قبول کی۔ پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق نے (ایمان واطاعت) سے منہ پھیر لیا۔ اور جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ایک فریق ان میں سے روگردانی کرتا ہے"۔

اس تفصیلی واقعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ ہمارے رسول ﷺ ہمیشہ انصاف و صداقت کا فیصلہ فرماتے اور انصاف کی فراہمی میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی تمیز روا نہ رکھتے ہیں۔

حضرات! یہ صحبت رسول کا فیض، قربت نبوی کا اثر اور تربیت محمدی کی تاثیر تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی عدل وانصاف کے معاملے میں اپنے اور بیگانے کے درمیان کوئی فریق روا نہیں رکھتے تھے۔ مشہور تابعی جناب سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

"ایک مسلمان اور ایک یہودی اپنا مقدمہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عدالت میں لائے تو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے قرائن و دلائل کی بنیاد پر فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا۔ فیصلہ سن کر یہودی کہنے لگا: "وَاللّٰهِ لَقَدْ قَضَيْتَ بِالْحَقِّ" اللہ کی قسم! آپ نے مبنی بر حق فیصلہ فرمایا ہے۔ (چونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی تعریف پسند نہیں کرتے تھے اس لیے) انہوں نے اس یہودی کو دُرّہ مارتے ہوئے فرمایا: "وَمَا يُدْرِيْكَ" تجھے کیسے معلوم ہوا؟ اس نے جواباً عرض کی کہ ہماری تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جو قاضی حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے تو اس کے دائیں بائیں ایک ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ وہ دونوں اس قاضی اور جج کو درست فیصلہ کرنے اور حق بات کہنے میں مدد دیتے ہیں اور جب وہ حق و صداقت

کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ اسے چھوڑ کر آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں"۔[1]

معاہدہ عدل وانصاف:

اس امر میں تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت و تشریف آوری سے قبل سرزمین عرب میں ظلم و ستم، جور و جفا اور ناانصافی عروج پر تھی۔ مظلوموں کا کوئی پرسان حال نہ تھا ___ شقاوت، سنگ دلی اور بے رحمی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی ___ جنگ وجدل کا بازار گرم تھا ___ انسانی جان کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی ___ معمولی معمولی باتوں پر لڑائیاں شروع ہو جاتیں اور کئی کئی سال جاری رہتی تھیں ___ عورتوں ،غلاموں اور کمزوروں پر جور و ظلم کو مالک کا حق سمجھا جاتا تھا ___ مسافروں اور پردیسیوں کا مال لوٹ لیا جاتا اور یہ تصور ہی محال تھا کہ کسی طاقت ور ظالم سے کسی مظلوم کو انصاف دلوایا جا سکے ___ حق تلفی، ناانصافی اور ظلم وزیادتی کا دور دورہ تھا۔

ان ناگفتہ بہ حالات میں سرزمین عرب میں عدل و انصاف ، حقوق کی ادائیگی اور مظلوموں کی حمایت و نصرت کا اولین تصور جن لوگوں نے پیش کیا ان میں ہمارے رسول ﷺ بھی شامل تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی سیرت و کردار اور قول و عمل سے اس تصور کو حقیقت میں تبدیل فرمادیا۔

ہمارے رسول ﷺ کی عمر مبارک صرف بیس سال تھی اور اعلان نبوت اور اظہار رسالت میں ابھی بیس سال کا طویل عرصہ باقی تھا کہ مکہ مکرمہ کے ایک سخی ،فیاض اور خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار شخص عبد اللہ بن جدعان کے گھر مکہ معظمہ کے چند معززین جمع ہوئے جن میں محسن انسانیت ﷺ بھی شامل تھے۔ ان شرفاء شہر نے آپس میں عہد و پیمان کیا کہ ہم مظلوموں کی مدد کریں گے ،طاقت ور سے کمزور کا حق دلوائیں گے

---

[1] مؤطا امام مالک ، کتاب الاقضیۃ ، الترغیب فی القضاء بالحق:2663، قال الحافظ زبیر علی زئی:سندہ صحیح :تخریج المشکاۃ: 3742

اور سرزمین مکہ میں کسی کو کسی پر ظلم و ستم نہیں کرنے دیں گے اور عدل و انصاف اور مساوات کا قانون رائج کریں گے۔ مظلوم و مجبور شخص مکہ معظمہ کا رہائشی ہو یا مسافر، کسی کا حلیف ہو یا حریف اور مخالف ہو یا موافق۔ ہم بہر صورت اس کی نصرت و حمایت کریں گے، اسے اس کا حق دلوائیں گے اور معاشرے سے ناانصافی اور ظلم کا خاتمہ کریں گے سیرت نگار اور مؤرخین اس عہد کو "معاہدہ حلف الفضول" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ماضی کی خوب صورت یادیں ہر ایک کو عزیز ہوتی ہیں۔ ہمارے رسول ﷺ اپنی بھرپور جوانی کے اس شریفانہ کارنامہ کو بڑی خوشی سے بیان فرمایا کرتے تھے چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا:

"شَهِدْتُ حِلْفَ الْمُطَيَّبِينَ مَعَ عُمُومَتِي وَأَنَا غُلَامٌ، فَمَا أُحِبُّ أَنَّ لِي حُمْرَ النَّعَمِ، وَأَنِّي أَنْكُثُهُ" [1]

"میں اپنے چچاؤں کے ہمراہ مطیبین کے معاہدے (حلف الفضول) کی تقریب میں موجود تھا اور ابھی میرا لڑکپن تھا۔ اور اب اگر مجھے کوئی سرخ اونٹوں کا ریوڑ بھی دے تو میں اس معاہدے کو توڑنا پسند نہیں کروں گا"۔

حضرات! آپ بعثت رسول سے قبل کے مذہبی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی حالات کو مد نظر رکھ کر اگر اس معاہدہ کی اہمیت و حیثیت پر غور کریں تو اس ماحول اور معاشرے میں یہ کوئی معمولی کام نہ تھا، بلکہ عظیم الشان کارنامہ تھا جسے محبوب مکرم جناب محمد ﷺ نے اپنے چچاؤں اور اس دور کے معززین و شرفاء کے ساتھ مل کر پایہ تکمیل نہ پہنچایا۔ اس معاہدے کے بعد عوام خود کو محفوظ تصور کرنے لگے۔ مظلوم و مجبور اور پسے ہوئے طبقات کو ان کے حقوق ملنے لگے۔ مسافروں کی حفاظت کی جانے لگی۔ حج و عمرے کا سفر پرامن ہو گیا، ناانصافی کا خاتمہ ہوا۔ عدل و انصاف کا ماحول پیدا ہوا۔ حقداروں کو ان کا حق ملنے لگا اور تاریخ اس امر کا پتہ دیتی ہے کہ کئی اغوا شدہ عورتیں بازیاب کروائی گئیں۔ متعدد سرداروں کے

(1) مسند الامام احمد:1655۔قال شعیب الارناؤط ،اسنادہ صحیح

چنگل سے غریبوں کو رہائی نصیب ہوئی اور تاجروں کی رقوم غصب کرنے والے سرمایہ داروں سے خطیر رقوم غریب تاجروں کو واپس دلوائی گئیں۔

پیغمبر اکرم واعظم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو اعلان نبوت سے قبل ہی "منصف و عادل" تسلیم کیا جاتا تھا اور مکہ مکرمہ کے لوگ اپنے تنازعات و مقدمات میں آپ ﷺ کو "فیصل وجج" تسلیم کرتے تھے، رسول رحمت ﷺ کی عمر مبارک کا پینتیس واں سال تھا جب خانہ کعبہ کی تعمیر جدید کی گئی اور حجر اسود کی تنصیب کے اختلافی معاملے میں آپ ﷺ کے "عدل وانصاف" پر اعتماد کیا گیا۔ ہوا یوں کہ:

"قریش مکہ نے کعبۃ اللہ کی تعمیر جدید شروع کی اور تعمیر کے لیے ہر قبیلے کا الگ الگ حصہ مقرر کر دیا جب عمارت "حجر اسود" کی تنصیب کے مقام تک پہنچی تو اس شرف عظیم کے حصول کی خاطر قبائل میں اختلاف اور جھگڑا ہو گیا اور نوبت بایں جارسید کہ قریب تھا کہ حرم کی سرزمین خون سے سرخ ہو جائے۔ چار دن تک تعمیر کا کام تعطل کا شکار رہا۔ آخر ایک عمر رسیدہ، سرد و گرم چشیدہ اور سنجیدہ شخص ابو امیہ مخزومی نے یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو، اسے ثالث، حکم اور قاضی تسلیم کر لیا جائے اور تمام لوگ اس کے فیصلے کو من وعن تسلیم و قبول کر کے جھگڑا ختم کر دیں تاکہ کعبۃ اللہ کے کا تعمیراتی کام جلد مکمل کیا جا سکے۔ جھگڑے کے تمام فریقوں نے اس تجویز سے اتفاق کر لیا تو اللہ تعالیٰ کی حکمت، مشیت اور مصلحت کہ صبح سب سے پہلے 35 سالہ محمد ﷺ حرم شریف میں داخل ہوئے تو سب لوگ آپ ﷺ کو دیکھ کر پکار اٹھے: "هٰذَا الْأَمِينُ، رَضِينَا. هٰذَا مُحَمَّدٌ (ﷺ)" یہ تو امانت دار شخص ہے اس کے فیصلے پر ہم راضی ہیں۔ یہ تو "محمد" (ﷺ) ہیں۔ آپ ﷺ نے اس قضیے کا بڑا عادلانہ، منصفانہ اور حکیمانہ حل تجویز کرتے ہوئے ایک چادر طلب فرمائی۔ اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس میں رکھا اور تمام قبائل کے سرداروں سے فرمایا کہ آپ سب حضرات اس

چادر کو کناروں کے پکڑ کر اوپر اٹھائیں جب چادر حجر اسود کی تنصیب کے مقام تک پہنچ گئی تو آپ ﷺ نے اپنے بابرکت ہاتھوں سے حجر اسو کو اس کی مقررہ جگہ پر نصب فرما دیا۔ آپ ﷺ کے اس حکیمانہ فیصلے اور حسن تدبیر سے تمام لوگ راضی ہو گئے اور اہل مکہ ایک خون ریز جنگ سے محفوظ ہو گئے"۔[1]

رسول پاک ﷺ کی قبل از اعلان نبوت سیرت کے ان دو واقعات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کو اللہ رب العزت نے عقل و خرد، دانائی، سمجھداری اور قوت فیصلہ کی بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا کہ آپ لوگوں کے الجھے ہوئے معاملات، اختلافی امور اور تنازعات و مقدمات کے فیصلے ایسی خوب صورتی سے فرماتے تھے کہ تمام لوگ راضی بھی ہو جاتے اور کسی کی حق تلفی بھی نہیں ہوتی تھی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ حکم الٰہی تھا:

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾ (الشوریٰ: 15)

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے عدل و انصاف کروں"۔

قانونی مساوات اور فیصلہ نبوی:

اسلامی نظام عدل کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی سفارش کو ہرگز قبول نہیں کیا جاتا اور حق و صداقت کے فیصلے کو نافذ کرنے میں کسی قسم کی مداہنت اور سستی کا مظاہرہ نہیں جاتا۔ امام الرسل ﷺ کے عہد مبارک میں فتح مکہ کے موقع پر جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ تو عرب کے ایک معزز قبیلے بنو مخزوم کی ایک عورت فاطمہ بنت الاسود نے چوری کا ارتکاب کر کے پورے قبیلے اور خاندان پر بدنامی اور بے عزتی کا داغ لگا دیا، چوری کا مقدمہ عدالت نبوی میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے جرم ثابت ہو جانے پر فاطمہ بنت اسود کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس عورت کے ہاتھ کاٹ دیے جانے کے فیصلے نے

---

[1] السیرۃ النبویہ لابن ھشام :1/197،اشارۃ ابی امیۃ بتحکیم اول داخل

قبیلہ بنی مخزوم کو حیرانی، پریشانی اور پشیمانی میں مبتلا کر دیا۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

"بنو مخزوم کی اس عورت کے لواحقین اور معززین نے آپ ﷺ کے لیے کوئی سفارشی تلاش کرنا شروع کیا مگر اصحاب سول میں سے کوئی شخص بھی عدالت نبوی میں سفارش کے لیے تیار نہ ہوا۔ آخر بنو مخزوم کے شرفاء نے آپ ﷺ کے منہ بولے بیٹے جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے جناب اسامہ رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے آمادہ کر لیا"۔

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اس کام کے لیے تیار ہو گئے کہ وہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر قبیلہ بنو مخزوم کی طرف سے معذرت اور سفارش کریں گے کہ فاطمہ بنت اسود کے ہاتھ کاٹنے کی سزا میں تخفیف فرمائی جائے اور ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ واپس لے کر کوئی دوسری سزا (جرمانہ وغیرہ) تجویز فرمائی جائے جائے تاکہ خاندان بنی مخزوم کو ہاتھ کاٹنے کی بدنامی سے بچایا جا سکے۔

جناب زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو بڑی محبت تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہیں "حِبُّ رَسُوْلِ اللهِ" رسول اکرم ﷺ کے محبوب اور "اِبْنُ حِبِّ رَسُوْلِ اللهِ" رسول اللہ ﷺ کے محبوب کا بیٹا۔ کہا کرتے تھے۔ عام تاثر یہی تھا کہ آپ ﷺ جناب اسامہ رضی اللہ عنہ کی سفارش کو قبول فرما کر فیصلے میں تبدیلی اور ترمیم فرما دیں گے اور ہاتھ کاٹنے کی سزا میں تخفیف فرما کر کوئی اور سزا تجویز فرما دیں گے چنانچہ:

"جناب زید رضی اللہ عنہ خدمت رسول میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ بنو مخزوم عرب کا ایک معزز قبیلہ ہے اور اسلام کی خدمت اور اشاعت میں ان کا بڑا حصہ ہے لہٰذا آپ مہربانی فرماتے ہوئے فاطمہ بنت الاسود کے متعلق کیے گئے فیصلے میں کوئی ایسی ترمیم فرما دیں کہ عورت کو اس کے جرم کی سزا بھی مل جائے اور اس کا قبیلہ بھی بدنامی اور رسوائی سے بچ جائے"۔

اپنے محبوب اور محبوب کے بیٹے جناب اسامہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر آپ ﷺ نے شدید غصہ کی حالت میں فرمایا اے اسامہ:

«أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ»

"کیا آپ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہے ہو"۔

یعنی کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چوری کی جو سزا مقرر فرمائی ہے میں اُس میں ترمیم اور تبدیلی کر دوں۔ اور ایک خاندان کو ذلت و رسوائی سے بچانے کیلئے قرآن حکیم میں تحریف کا کام کروں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فوراً اعلان کروا کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا۔ سب لوگ آپ ﷺ کے حکم پر اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے اصحاب عظام کے مجمعے میں بڑی رقت آمیز تقریر فرمائی جس میں قانونی مساوات اور عدل اسلامی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّمَا ضَلَّ مَنْ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ الضَّعِيفُ فِيهِمْ أَقَامُوا عَلَيْهِ الحَدَّ، وَايْمُ اللهِ، لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا»[1]

"اے لوگو! تم سے پہلے کے لوگ اس لیے گمراہ ہو گئے کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور اگر کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) نے بھی چوری کی ہوتی تو محمد ﷺ اس کا ہاتھ ضرور کاٹ دیتے"۔

آپ، رسول اکرم ﷺ کی زبان نبوت سے نکلنے والے الفاظ کی شدت پر غور فرمائیں کہ کائنات کے سب سے بڑے عادل و منصف اور جج نے عدل و انصاف کے معاملے میں

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب کراهية الشفاعة فی الحد: 6788

خاندانی وجاہت، قبائلی شرافت اور معاشرتی جلالت کی مذمت کرتے ہوئے دوٹوک اور واضح الفاظ میں فرما دیا کہ عدل وانصاف اور قانونی مساوات کے سلسلے میں چھوٹے بڑے ،امیر وغریب اور شریف وغیر شریف میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہے۔ افسوس صد افسوس کہ ہمارے ہاں تو رشوت کے ذریعے فیصلے صادر کروائے جاتے اور سفارشوں سے تبدیل کروا لیے جاتے ہیں۔ یاد رکھیے! ملک میں امن وامان کی بحالی، معاشی خوشحالی اور قانون کی حکمرانی کے لیے عدل وانصاف ہونا اور انصاف ہوتا نظر آنا ضروری ہے۔ جرائم کی کثرت ،فساد و بدامنی اور معاشرتی بگاڑ کا ایک بہت بڑا سبب عوام کو انصاف نہ ملنا ہے۔ ارباب بست وکشاد اور اصحاب اختیار کو ملک کے عدالتی نظام کی اصلاح پر خصوصی توجہ دے کر عوام کو بلا امتیاز انصاف مہیا کرنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نہ چوری کی اور نہ کر سکتی تھیں۔ رسول محترم ﷺ کے اس فرمان عالی شان کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ اسلام کے نظام عدل میں قانون سب کے لیے برابر ہے۔ کوئی بالا دست ہو یا زیر دست، کوئی حاکم ہو یا محکوم ،کوئی با اختیار ہو یا بے اختیار ،کوئی صاحب اقتدار ہو یا حزب اختلاف۔ یہاں تک کہ خاندان نبوت کا کوئی فرد بھی قانون سے بالا نہیں ہے۔

عدل ،ریاست ، سلطنت اور حکومت کی عمارت کا مضبوط ترین ستون ہے اگر یہ کمزور ہو جائے تو حکومتی عمارت بہت جلد منہدم ہو جاتی ہے۔ اسلامی تاریخ کے روشن ادوار میں ایسی کئی مثالیں اور واقعات موجود ہیں کہ خلیفہ وقت امیر المؤمنین مقدمہ کے ایک فریق کی حیثیت میں ،عدالت کے روبرو حاضر ہوئے اور عدالت میں ان کے عہدے کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا اور دوسرے فریق کے برابر ہی رویہ اپنایا گیا، قانون کے مطابق فیصلہ کیا گیا اور عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے کیے گئے۔ اسلام کے سنہری دور میں کسی حکومتی عہدیدار ،سرکاری اہل کار حتی کہ خلیفہ کو بھی کوئی استثناء حاصل نہیں تھا۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ”آب زر“ سے لکھنے کے قابل ہے کہ:

"فَإِنَّ الْمُلْكَ يَبْقٰى مَعَ الْكُفْرِ وَلَا يَبْقٰى مَعَ الظُّلْمِ "[1]
"حکومت اور سلطنت کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتی ہے مگر ناانصافی اور ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی"۔

جیسا جرم ویسی سزا:

رسول محترم ﷺ جب کسی مقدمے کا فیصلہ فرماتے تو مجرم کو سزا سناتے وقت جرم کی نوعیت، کیفیت اور حیثیت کا بڑا خیال فرماتے اور اس امر پر خصوصی توجہ فرماتے کہ کسی مجرم کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہ دی جائے جیسا کہ خادم رسول جناب انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"قبائل عکل اور عرینہ کے چند (آٹھ) افراد نبی محترم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قبول اسلام کا اظہار کیا لیکن مدینے کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی اور وہ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے (ان کے پیٹ پھول گئے اور سانس لینا مشکل ہو گیا) تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں صدقہ کے اونٹوں کی چراہ گاہ (جو مدینہ طیبہ سے چھ میل دور قباء کے علاقے میں تھی) میں بھیج دیا کہ وہ اونٹنیوں کا دودھ (بطور غذا) اور ان کا پیشاب (بطور دوا) استعمال کریں۔ چنانچہ وہ وہاں چلے گئے اور حکم رسول پر عمل کی بدولت کچھ دنوں میں ہی صحت مند، توانا اور موٹے تازے ہو گئے۔ ان بدبختوں نے احسان رسول پر شکر گزار ہونے کی بجائے ناشکری کی ۔ آپ ﷺ کے مقرر کردہ چرواہے (جناب یسار رضی اللہ عنہ) کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا، ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے، آنکھوں میں لوہے کی گرم سلاخیں پھیریں اور بیت المال کی اونٹنیاں لے کر فرار ہو گئے جن کی تعداد پندرہ تھی۔ آپ ﷺ کو ان سانحے کی اطلاع علی الصبح موصول ہوئی تو آپ ﷺ نے ان بدبخت ظالموں کی گرفتاری کے لیے بیس نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل دستہ روانہ فرمایا اور ان کا امیر جناب

---

[1] تفسیر روح البیان، جلد 5، ص: 261

کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ مجاہدین اسلام بڑی تیز رفتاری سے ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور جلد ہی انہیں چاروں طرف سے گھیر کر گرفتار کر لیا اور اسی دن دوپہر کے وقت انہیں خدمت نبوی میں پیش کر دیا۔ تو آپ ﷺ نے ان کے اقرار جرم کے بعد جرم کی نوعیت کے مطابق فیصلہ فرمایا کہ:

(1) ان کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلاخیں پھیری جائیں (کیونکہ انہوں نے چرواہے کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا)

(2) ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیے جائیں (انہوں نے جناب یسار رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا)

(3) اس کے بعد انہیں گرم سنگلاخ زمین میں پھینک دیا جائے (کہ انہوں نے صحابی رسول کی لاش کی بے حرمتی کی تھی)

چنانچہ فیصلہ رسول پر عمل کیا گیا حتی کہ وہ سسک سسک کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے۔ راوی حدیث جناب ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ رسول اکرم ﷺ کے اس فیصلے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: «فَهٰؤُلَاءِ سَرَقُوْا وَقَتَلُوْا. وَكَفَرُوْا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ. وَحَارَبُوْا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ» انہوں نے (1) (بیت المال کے اونٹوں کی) چوری کی (2) چرواہے کو بڑی بے دردی سے قتل کیا (3) قبول ایمان کے بعد مرتد ہو گئے (4) اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کیا (اس لیے آپ ﷺ نے ان کے جرائم کے مطابق سزا کا یہ فیصلہ فرمایا)"۔[1]

رسول مکرم ﷺ کے اسی فیصلے کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ

(1) صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب ابوال الابل ...:233 وکتاب المغازی، باب قصة عكل وعرينه:4192؛ فتح الباری، الجزء الاول شرح الحدیث:233

يُقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾

(المائدہ:33)

"جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے اور زمین میں فساد بپا کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ہیں ان کی سزا تو یہی ہو سکتی ہے کہ انہیں اذیت کے ساتھ قتل کیا جائے یا سولی پر لٹکایا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ ان کے لیے یہ ذلت تو دنیا میں ہے اور آخرت میں انہیں بہت بڑا عذاب ہو گا"۔

جیسا جرم ویسی سزا کے اصول و ضابطے کے مطابق ایک فیصلہ رسول صحیح بخاری کی "کتاب الدیات" میں بیان کیا گیا ہے۔ رسول مکرم ﷺ کے خادم جناب انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"مدینہ طیبہ میں ایک لڑکی چاندی کے زیورات پہن کر گھر سے نکلی تو ایک یہودی زیورات حاصل کرنے کے لالچ میں دیوانہ ہو گیا تو اس ظالم نے لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کچل دیا اور زیورات لے کر بھاگ گیا، لوگ اس لڑکی کو شدید زخمی حالت میں اٹھا کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لے آئے کہ اس میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی آپ ﷺ نے اس سے نزعی بیان لیتے ہوئے فرمایا: «فُلَانٌ قَتَلَكِ؟» کیا تجھے فلاں شخص نے مارا ہے؟ تو اس نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔ نہیں۔ آپ ﷺ نے کسی دوسرے شخص کا نام لے کر دریافت فرمایا تجھے فلان آدمی نے قتل کیا ہے؟ اس نے پھر سر اٹھا کر اشارہ کیا۔ نہیں، آپ ﷺ نے تیسری بار فرمایا: کیا تمہیں فلاں یہودی نے قتل کیا ہے؟ تو اس لڑکی نے سر کی جنبش سے کہا: ہاں۔ (اور فوت ہو گئی) پھر اس یہودی کو گرفتار کر کے عدالت نبوی میں پیش کیا گیا۔ تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھ گچھ اور تفتیش کی تو اس نے اپنے جرم کا اقرار و

اعتراف کر لیا۔ چنانچہ لڑکی کے قصاص میں اس کا سر اسی طرح دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا گیا"۔[1]

رسول محترم ﷺ کے ان فیصلوں سے یہ واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ مجرموں کو سزا دینے اور سزا سنانے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے اور مجرموں کو جرم کی نوعیت کے مطابق ہی سزا دیتے تھے۔

زمین پر قبضے کا فیصلہ بذریعہ قسم:

اسلامی نظام عدل کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ اور مؤقف کی تائید میں گواہ پیش کرے اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے اس معاملے میں قسم لی جائے گی اور اس کی قسم کا اعتبار کیا جائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي، وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ»[2]

"دلیل (اور گواہ) پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اور قسم مدعا علیہ کے ذمہ ہے"۔

عدالت نبوی سے متعدد ایسے فیصلے صادر ہوئے جن میں مدعا علیہ کی قسم کا اعتبار کیا گیا اگرچہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ جناب اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"میری اور یہودی کی مشترکہ زمین تھی تو اس یہودی نے میرے حصے کی زمین کا انکار کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ میں نے اپنا مقدمہ عدالت نبوی میں پیش کر دیا اور اس یہودی کو بھی آپ ﷺ کی خدمت میں لے آیا۔ آپ ﷺ نے (معاملے کی تفصیل سن کر) مجھ سے فرمایا: «أَلَكَ بَيِّنَةٌ» تمہارے پاس کوئی ثبوت اور گواہی ہے؟ میں نے جواباً عرض کیا۔ نہیں۔ تو آپ ﷺ نے یہودی سے فرمایا: «اِحْلِفْ» تم قسم اٹھاؤ۔ (کہ یہ ساری زمین تمہاری ہے اور

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ: یاایھاالذین آمنو.....:6876تا6879

(2) جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب ما جاء ان البینة علی المدعی...:1341۔ قال الالبانی، صحیح

اشعث کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے) میں نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ تو (یہودی ہے) قسم اٹھا کر میری زمین ہتھیا لے گا تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت آپ ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ (آل عمران:77)

"لیکن جو لوگ اللہ کے عہد کو اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ ڈالیں تو ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے نہ تو کلام کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ہی انہیں گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"(1)

اس فیصلہ رسول سے آپ ﷺ کا مثالی عدل و انصاف واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جناب اشعث رضی اللہ عنہ کے دعوے کو محض اس بناء پر تسلیم و قبول نہیں کیا کہ یہ مسلمان ہے۔ میرا صحابی ہے اور مخلص ساتھی ہے۔ بلکہ ان سے گواہی طلب فرمائی۔ جب وہ اپنے دعوے کی تائید میں کوئی دلیل اور شہادت پیش نہ کر سکے تو مقدمہ کے دوسرے فریق... جو اگرچہ یہودی تھا۔ دشمن رسول تھا اور مخالف اسلام تھا..... سے قسم کا مطالبہ کیا۔ اور اس کی قسم پر مسلمان کو اعتراض کے باوجود اس کی قسم کا اعتبار فرمایا۔ اور فیصلہ یہودی کے حق میں دے کر اسلام کے نظام عدل و انصاف کو سربلند فرمادیا۔

مدعی کی طرف سے عدالت میں کوئی گواہی پیش نہ کرنے پر ملزم سے قسم لینے اور اس کی قسم کو معتبر گردانتے ہوئے ملزم کے حق میں فیصلہ سنانے کے کئی واقعات احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"ایک شخص حضرموت شہر سے اور ایک کندہ قبیلے کا فرد عدالت نبوی میں

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب سوال الحاكم المدعی هل لك بينة؟:2666

حاضر ہوئے تو حضرمی نے اپنا مقدمہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ!اس آدمی کے والد نے میری زمین غصب کر لی تھی(دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے میری موروثی زمین پر قبضہ کر لیا ہے)کندہ قبیلے کے فرد نے معاملے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ وہ تو میری زمین ہے، میں اس میں کاشت کاری کرتا ہوں۔ "لَيْسَ لَهُ فِيهَا حَقٌّ"اس کا اس زمین میں کوئی حق نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے دونوں کا موقف سن کر حضرمی سے پوچھا۔ کیا تمہارے پاس اپنے دعویٰ کی کوئی دلیل اور شہادت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس تو کوئی گواہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے مدعاعلیہ سے فرمایا:"فَلَكَ يَمِينُهُ"تمہیں قسم کھانی پڑے گی۔ آپ ﷺ کا یہ حکم سن کر حضرمی یعنی مدعی پکار اٹھا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ "إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِي عَلَى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ، وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ"یہ آدمی تو فاجر ہے۔ اسے تو قسم کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور یہ کوئی پرہیز گار انسان بھی نہیں ہے۔(کیا آپ اس کی قسم کا اعتبار کر کے اس کے حق میں فیصلہ فرمادیں گے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: فیصلہ تو اسی طرح ہی ہو گا۔ اب وہ شخص قسم کھانے کے لیے(منبر رسول کی طرف) چل پڑا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص کسی کا مال ہتھیانے کے لیے جھوٹی قسم کھاتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے رخ موڑ لے گا اور اسے دیکھنا پسند نہیں کرے گا"۔(1)

حدیث کی مشہور کتاب سنن ابی داؤد میں ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر حضرمی نے کہا:

"وَلَكِنْ أُحَلِّفُهُ وَاللهُ يَعْلَمُ أَنَّهَا أَرْضِي اغْتَصَبَنِيهَا أَبُوهُ. فَتَهَيَّأَ الْكِنْدِيُّ لِلْيَمِينِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا

(1) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وعید من اقتطع حق مسلم بیمین...: 139

يَقْتَطِعُ أَحَدٌ مَالًا بِيَمِينٍ، إِلَّا لَقِيَ اللهَ وَهُوَ أَجْذَمُ » فَقَالَ الْكِنْدِيُّ: هِيَ أَرْضُهُ"[1]

"لیکن میں اس سے ان الفاظ میں قسم لوں گا کہ یہ کہے: اللہ کی قسم، وہ نہیں جانتا کہ میری زمین کو اس کے والد نے غصب کیا ہے۔ کندی قسم کھانے کے لیے تیار ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قسم کے ذریعے مال حاصل کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو گا آپ ﷺ کی زبان نبوت سے یہ وعید سن کر کندی نے قسم کھانے کی بجائے کہا کہ یہ زمین اس (حضرمی) کی ہے"۔

اس حدیث مبارکہ سے عیاں ہو گیا کہ آپ ﷺ کسی مقدمہ کا حتمی فیصلہ سنانے سے پہلے پوری تحقیق و تفتیش کرتے اور اگر قسم کھانے کا مرحلہ آتا تو قسم کھانے والے فریق کو اللہ تعالیٰ کے عذاب، روز حشر کی رسوائی اور قیامت کی گرفت سے ڈراتے تھے تاکہ کوئی کسی کے مال پر ناجائز قبضے کی کوشش نہ کرے۔

قتل کے مقدمے کا فیصلہ:

نبی محترم ﷺ کی عدالت میں تمام فیصلے مبنی بر حق ہوتے اور عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد صادر فرمائے جاتے تھے۔ آپ ﷺ محض الزام کی بنیاد پر کسی کو سزا نہیں سناتے تھے۔ اگرچہ ملزم کافر، منافق، مشرک، یہودی اور غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ اگر مدعی اپنے دعوے کی کوئی واضح دلیل اور شہادت پیش نہ کرتا تو غیر مذاہب کے ماننے والے ملزموں کی قسم پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے حق میں فیصلہ فرما دیتے تھے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:

"جناب عبد اللہ بن سہل اور جناب محیصہ رضی اللہ عنہما (حصول روزگار اور تلاش رزق کی خاطر) مدینہ طیبہ سے خیبر تشریف لے گئے کیونکہ وہ یہاں تنگ دستی اور

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور، باب فی من حلف یمیناً....: 3244، قال الالبانی، صحیح

بے روز گاری کا شکار تھے۔ جناب عبد اللہ رضی اللہ عنہ پہلے خیبر میں پہنچ گئے اور جناب محیصہ رضی اللہ عنہ کسی وجہ سے لیٹ ہو گئے۔ جب جناب محیصہ رضی اللہ عنہ نے سرزمین میں قدم رکھا تو انہیں بتایا گیا کہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو کسی نے قتل کر کے ان کی لاش کو گڑھے میں پھینک دیا ہے۔ جناب محیصہ رضی اللہ عنہ خیبر کے یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے فرمایا: اللہ کی قسم! تم ہی عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے قاتل ہو۔ لیکن یہودیوں نے انکار کرتے ہوئے کہا: "مَا قَتَلْنَاهُ وَاللهِ" اللہ کی قسم! ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ پھر جناب محیصہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس تشریف لائے اور انہیں ساری صورت حال سے آگاہ فرمایا۔

جناب محیصہ رضی اللہ عنہ، ان کے بڑے بھائی جناب حویصہ اور عبد اللہ بن سہل کے بھائی جناب عبد الرحمان رضی اللہ عنہم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو چونکہ جناب محیصہ رضی اللہ عنہ خیبر سے آئے تھے اور حالات سے واقف تھے اس لیے انہوں نے گفتگو میں پہل کرنا چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «كَبِّرْ كَبِّرْ» بڑے کا خیال رکھو، اپنے بڑے بھائی کو بات کرنے دو"۔

حضرات! آپ ﷺ کے اس مختصر سے فرمان سے واضح ہوتا ہے ہر مسلمان کو بڑوں کا ادب، احترام اور تکریم کرنی چاہیے اور مجلس میں بڑوں کی موجودگی میں گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جو لوگ عمر، علم، نیکی اور تجربہ میں بڑے ہوں، ان کی موجودگی میں خاموشی اختیار کرنا ہی ادب کا تقاضا ہے تاہم اگر بزرگ حکم اور اجازت دیں تو پھر احترام کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے گفتگو، خطاب اور تقریر کرنے میں کوئی قباحت اور بے ادبی نہیں ہے۔

"آپ ﷺ کا یہ حکم سن کر جناب محیصہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور ان کے بڑے بھائی جناب حویصہ رضی اللہ عنہ نے سارا واقعہ آپ ﷺ کے گوش گزار کیا پھر (آپ ﷺ کی اجازت سے) جناب محیصہ رضی اللہ عنہ نے پوری روئیداد عدالت نبوی میں سنائی۔ آپ ﷺ نے واقعہ کی تفصیل معلوم کرنے کے بعد فیصلہ فرمایا کہ۔ یہودی آپ کے مقتول (جناب عبد اللہ رضی اللہ عنہ) کی دیت ادا

کریں ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے اپنا یہ فیصلہ لکھ کر ایک نمائندے کے ذریعے خیبر کے یہودیوں تک پہنچا دیا۔ اہل خیبر نے جوابی تحریر بھجوائی کہ ہم نے اسے (عبد اللہ کو) قتل نہیں کیا (اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کا قاتل کون ہے) یہود خیبر کی طرف سے اس وضاحتی تحریری بیان کے بعد آپ ﷺ نے جناب حویصہ اور محیصہ اور عبدالرحمان رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "أَتَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ ؟" کیا تم تینوں قسم کھانے کو تیار ہو کہ عبد اللہ کو یہودیوں نے قتل کیا ہے اور تم اس کے خون کا بدلہ لینے کے حق دار ہو۔ ان تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ (اے اللہ کے رسول ﷺ چونکہ قتل ہمارے سامنے نہیں ہوا اور ہم اس کے عینی شاہد نہیں، اس لیے) ہم قسم نہیں کھائیں گے"۔

معزز سامعین و قارئین! اندازہ فرمایئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احتیاط، صاف گوئی، دیانت اور خلوص و تقویٰ کا --- کہ ان کا ساتھی قتل ہوا۔ لاش یہودیوں کے ہاں سے برآمد ہوئی ہے۔ اور علاقہ بھی یہودیوں کا ہے۔ مگر چونکہ اصحاب رسول نے اپنی آنکھوں نے کسی کو قتل کرتے ہوئے دیکھا نہیں ہے۔ اس لیے وہ قسم کھانے پر تیار نہیں ہیں.... اور ہمارے ہاں... عدالتوں، کچہریوں اور وکلاء کے دفاتر میں چند روپوں کے عوض جھوٹی قسمیں کھانے والے.... جھوٹے حلفیہ بیان دینے والے اور جھوٹی شہادتیں بھگتانے والے ہر وقت دستیاب ہیں..... یہ مسلمان بھی وہی کلمہ پڑھتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پڑھتے تھے۔ یہ بھی اسی اللہ تعالیٰ کے پرستار ہیں جس کی صحابہ کرام عبادت کرتے تھے .... یہ بھی اسی نبی ﷺ کے امتی ہیں جس کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امتی تھے.... لیکن سیرت و کردار، طور و اطوار اور اعمال و افعال کے فرق پر غور فرمایئے۔ اور کوشش اور دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آج کے مسلمانوں کو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا ایمان، ایقان، عقیدہ، عمل، اخلاق اور کردار اپنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

قتل کے مقدمے اور فیصلہ رسول کی تفصیل سے قبل ذرا جھوٹی قسم کے بارے میں حبیب مکرم ﷺ کا ایک فرمان سماعت فرمالیں۔ جناب عبداللہ بن انیس جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ الشِّرْكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَالْيَمِينُ الغَمُوسُ، وَمَا حَلَفَ حَالِفٌ بِاللهِ يَمِينَ صَبْرٍ، فَأَدْخَلَ فِيهَا مِثْلَ جَنَاحِ بَعُوضَةٍ إِلَّا جُعِلَتْ نُكْتَةً فِي قَلْبِهِ إِلَى يَوْمِ القِيَامَةِ»[1]

"کبیرہ گناہوں میں بڑے گناہ یہ ہیں (1) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ (2) والدین کی نافرمانی کرنا۔ (3) جھوٹی قسم کھانا۔ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی پختہ قسم اٹھائی اور اس میں مچھر کے پر کے برابر جھوٹ داخل کر دیا تو اس کے دل میں قیامت کے دن تک (سیاہ) نکتہ لگا دیا جاتا ہے"۔

سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث شریف میں آپ ﷺ نے "جھوٹی گواہی" کو بھی اکبر الکبائر قرار دیا ہے۔[2]

"سرور کونین ﷺ نے اپنے تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قسم نہ کھانے کی بات سن کر فرمایا: «أَفَتَحْلِفُ لَكُمْ يَهُودُ؟» کیا تم یہودیوں کی قسم کا اعتبار کروگے؟ (اگر وہ قسم اٹھائیں کہ انہوں نے قتل نہیں کیا) انہوں نے عرض کی سرکار! وہ تو مسلمان نہیں ہیں (اس لیے جھوٹی قسم بھی اٹھا سکتے ہیں، جب صورت حال پیچیدہ ہوگئی کہ قتل کا کوئی عینی گواہ موجود نہیں ہے۔ مقتول کے ورثاء قسم کھا کر قاتلوں کا تعین کرنے پر تیار نہیں ہیں اور یہودیوں کی قسم پر اعتماد بھی نہیں کر رہے) تو آپ ﷺ نے اس اندھے قتل کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی طرف یعنی بیت المال سے مقتول کے ورثاء کو دیت کے

---

[1] جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ آل عمران: 3020۔ قال الالبانی، حسن

[2] جامع ترمذی: 3019۔ قال الالبانی، صحیح

100 اونٹ عطا فرما دیے"۔[1]

اس فیصلہ رسول سے بھی آپ ﷺ کا عدل وانصاف واضح نظر آ رہا ہے کہ آپ ﷺ نے بغیر دلائل، شواہد اور قرائن کے یہودیوں کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا اور نہ ہی اندھے قتل کو رائیگاں جانے دیا بلکہ مقتول کے ورثاء کو سرکاری خزانے سے دیت ادا فرمائی اور یہودیوں کو ان کی قسم پر اعتبار کرتے ہوئے مقدمہ قتل سے بری کر دیا۔

قاتل کو معافی دلوا دی:

نبی محترم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ عقل و بصیرت، فہم و فراست اور دانائی و حکمت سے نوازا تھا۔ کتب احادیث و سیرت میں عدالت مصطفیٰ سے صادر ہونے والے فیصلوں، فتووں اور احکام کو پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ آپ ﷺ فریقین کے دلائل سن کر بڑی باریک بینی سے ان کا جائزہ لیتے، سوال و جواب کرتے اور مکمل تحقیق و تفتیش کے بعد فریقین کے لیے قابل قبول فیصلہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی طرف سے کیے جانے والے فیصلے سے دونوں فریق مطمئن اور مسرور ہوتے اور کوئی فریق بھی آپ کے فیصلے پر تنقید کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا بلکہ آپ ﷺ اگر محسوس فرماتے کہ قاتل سے بے خیالی اور بے دھیانی سے جرم ہو گیا ہے اور وہ دیت ادا کرنے کے قابل بھی نہیں ہے تو آپ ﷺ مقتول کے ورثاء کو غیر محسوس طریقے سے معافی پر بھی آمادہ کر لیتے تھے مگر اس میں زبردستی، جبر اور حاکمانہ اختیارات کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"إِنِّي لَقَاعِدٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ يَقُودُ آخَرَ بِنِسْعَةٍ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَذَا قَتَلَ أَخِي. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَقَتَلْتَهُ؟» - فَقَالَ: إِنَّهُ لَوْ لَمْ يَعْتَرِفْ أَقَمْتُ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب کتاب الحاکم الی عماله: 2192

عَلَيْهِ الْبَيِّنَةَ»

میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص دوسرے شخص کو رسی کے ساتھ باندھ کر گھسیٹے ہوئے دربار رسالت میں لایا۔ اور عرض گزار ہوا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اس شخص نے میرے بھائی کو قتل کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ملزم سے دریافت فرمایا کہ کیا واقعی تم نے اس کے بھائی کو جان سے مارا ہے؟ اور مدعی سے فرمایا۔ اگر اس نے قتل کا اعتراف نہ کیا تو تمہیں شہادت پیش کرنا ہوگی۔ مگر ملزم نے عدالت نبوی میں فوراً قتل کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: ہاں، میں نے اسے مارا ہے، آپ ﷺ نے تفتیش و تحقیق کی غرض سے سوال کیا کہ تم نے اسے کیوں اور کیسے قتل کیا ہے؟ تو ملزم کے اعترافی بیان کی وضاحت اور قتل کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں اور وہ (مقتول) درخت سے لکڑیاں کاٹ رہے تھے کہ اس نے (بلاوجہ) مجھے گالی دی جس پر مجھے سخت غصہ آگیا اور میں نے کلہاڑی اس کے سر پر دے ماری۔ جس سے وہ مر گیا (حالانکہ میں اسے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا) آپ ﷺ نے اس اتفاقی قتل کو "قتل خطاء" قرار دیتے ہوئے ملزم سے فرمایا: «هَلْ لَكَ مِنْ شَيْءٍ تُؤَدِّيهِ عَنْ نَفْسِكَ؟» کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے جسے تم اپنی طرف سے بطور دیت ادا کر سکو؟ تو اس نے کہا کہ میرے پاس تو اس چادر اور کلہاڑی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: «فَتَرَى قَوْمَكَ يَشْتَرُونَكَ؟» کیا تمہارے قبیلے کے لوگ دیت ادا کر کے تمہیں چھڑا لیں گے؟۔ اس نے (نہایت لجاجت سے) عرض کی: " أَنَا أَهْوَنُ عَلَى قَوْمِي مِنْ ذَاكَ" میں اپنی قوم کے ہاں اس سے بہت کم تر ہوں یعنی مجھے اپنے قبیلے میں ایسا مقام حاصل نہیں کہ وہ میری طرف سے دیت ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر رسی کو مدعی کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: «دُونَكَ صَاحِبَكَ» اب تم جانو اور تمہارا یہ ساتھی۔ اب مدعی اپنے بھائی کے قاتل کو

ساتھ لے کر چل پڑا (تاکہ اسے لے جا کر بھائی کے بدلے میں قتل کر دے)
جونہی اس نے پشت پھیری تو آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنْ قَتَلَهُ فَهُوَ مِثْلُهُ»
اگر اس (مدعی) نے اس (قاتل) کو مار دیا تو یہ بھی قاتل ہی کی طرح مجرم اور
گناہ گار ہو گا۔ مدعی یہ فرمان رسول سن کر واپس آگیا اور کہنے لگا۔ اے اللہ کے
رسول ﷺ میں نے آپ کا یہ ارشاد سن لیا ہے کہ "اگر میں نے اسے مار دیا تو
میں بھی اسی طرح قاتل، مجرم اور گناہ گار قرار پاؤں گا"۔ حالانکہ میں نے تو
"وَأَخَذْتُهُ بِأَمْرِكَ" اسے آپ کے حکم سے ہی پکڑا ہے۔ آپ ﷺ نے
فرمایا: کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ یہ شخص اپنے اور تمہارے مقتول بھائی کے
گناہوں کا بوجھ اکیلا ہی اٹھا لے، اس نے کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ مجھے یہ
منظور ہے آپ ﷺ یہ تبھی ممکن ہے جب تم اسے معاف اور آزاد کر دو۔
چنانچہ مدعی نے اسی وقت رسی پھینک دی اور اس کا راستہ چھوڑ دیا"۔[1]

رسول اکرم ﷺ کے فیصلوں کی حیثیت:

قرآن حکیم نے اس امر کی صراحت اور وضاحت فرمائی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن، مسلمان اور رسول اکرم ﷺ کا امتی ہو ہی نہیں سکتا، جب تک وہ تمام امور میں رسول اکرم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو قاضی، منصف اور جج تسلیم نہ کرے بلکہ کتاب الٰہی تو یہ بات فرماتی ہے کہ فیصلہ مصطفیٰ کو سن کر دل میں تنگی محسوس کرنے والا، حیل و حجت کرنے والا اور ظاہری و باطنی طور پر اسے دل و جان سے قبول نہ کرنے والا بھی صاحب ایمان اور مسلمان نہیں ہو سکتا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝﴾ (النساء:65)

" (اے رسول ﷺ) پس تیرے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب

---

(1) صحیح مسلم، کتاب القسامة والمحاربین، باب صحة الاقرار بالقتل...:1680

تک اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دل کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور وہ آپ کے فیصلوں کو دل و جان سے تسلیم کر لیں"۔

صحابی رسول جناب عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"جناب زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی (جو شرکاء بدر میں سے تھے) کے درمیان فصلوں کو پانی دینے کے معاملے میں مدینہ منورہ کی پتھریلی زمین کے ایک کھال (نالی) کے بارے میں اختلاف اور جھگڑا ہو گیا۔ وہ دونوں اپنا مقدمہ عدالت نبوی میں لے آئے کہ دونوں حضرات اسی نالے سے اپنے باغات اور فصلات کو سیراب کیا کرتے تھے۔ رسول محترم ﷺ نے دونوں کے دلائل سننے اور صورت حال کا بغور جائزہ لینے کے بعد دونوں کے مفادات کا تحفظ کرتے ہوئے جناب زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «أَسْقِ يَا زُبَيْرُ، ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ» تم اپنی کھیتی کو پانی دینے اور سیراب کرنے کے بعد اسے اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دیا کرو۔ (آپ ﷺ نے یہ حکم صلح اور دونوں کی سہولت کی خاطر دیا تھا۔ ورنہ اصولاً پانی پر زیادہ حق جناب زبیر رضی اللہ عنہ کا بنتا تھا لیکن) آپ ﷺ کے اس حکیمانہ اور دانشمندانہ فیصلے پر انصاری صحابی کو غصہ آ گیا اور انہوں نے کہا: "يَا رَسُولَ اللهِ، آنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ؟" وہ (زبیر رضی اللہ عنہ) آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے اس لیے آپ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا اور آپ ﷺ نے اصولی اور قانونی فیصلہ سناتے ہوئے فرمایا: «اِسْقِ يَا زُبَيْرُ، ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ، ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ» اے زبیر! (اب تم اپنا پورا حق وصول کرو) تم اپنی فصل سیراب کرو، پھر پانی کو روک لو حتی کہ دیواروں (منڈیر) تک آ جائے۔ پھر اپنے ہمسائے کے لیے پانی چھوڑ دو۔

جناب زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میرے خیال میں یہ آیت مبارکہ اسی موقع پر نازل فرمائی گئی"۔[1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء:65)

" (اے رسول ﷺ) پس تیرے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دل کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور وہ آپ کے فیصلوں کو دل و جان سے تسلیم کر لیں"۔

اس بابرکت آیت میں اللہ رب العزت نے اپنی مقدس اور عظیم ذات کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ کسی شخص کے مومن اور مسلمان ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تمام امور، معاملات اور تنازعات میں آپ ﷺ کے ہر فیصلے کو من و عن اور دل و جان سے تسلیم و قبول کرے۔ اور جو شخص زبانی اور عملی طور پر آپ ﷺ کے فیصلوں، فرامین اور احکام کو تسلیم نہیں کرتا وہ مومن، مسلمان اور رسول مکرم ﷺ کا امتی کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔

بمصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ است
گر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

عدالت نبوی کی خصوصیت:

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آپ ﷺ دنیا کے سب سے بڑے منصف، جج اور فیصل و ثالث تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کی تربیت و اصلاح کی بدولت دنیا میں بے شمار ایسے حاکم و عادل پیدا ہوئے جن کے عدل و انصاف پر مبنی فیصلوں کا شہرہ آج بھی مشرق و مغرب میں

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النساء، باب فلا وربک لا یؤمنون...:4585؛ کتاب الصلح، باب اذا اشار الامام بالصلح فابی......: 2708

پھیلا ہوا ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر بن خطاب، جناب عثمان بن عفان اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے عادلانہ، حکیمانہ اور دانشمندانہ فیصلوں کا زمانہ معترف ہے۔

رسول مکرم ﷺ دعوت توحید کی پاداش میں جن مصائب و مشکلات اور تکلیف دہ حالات سے گزرے اور آپ ﷺ کو اشاعت دین اور تبلیغ اسلام کی خاطر جن اذیتوں، دشواریوں اور دشمنیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، وہ نظر بظاہر اس امر کے متقاضی تھے کہ آپ ﷺ منتقم مزاج ہوتے، دشمنوں سے بدلے لیتے، حاسدوں کو مزا چکھاتے اور اپنے ساتھیوں کی ہر جائز اور ناجائز حمایت کرتے، دوستوں کا ساتھ دیتے اور مدنی ریاست کا حکمران بن جانے کے بعد اپنے رفقاء کو ہر قسم کے فوائد پہنچاتے۔ مگر آپ ﷺ کی سیرت طیبہ اس امر پر شاہد عدل ہے کہ آپ ﷺ نے کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ کسی دشمن کو ناجائز سزا نہیں دی اور کسی حاسد سے بدلہ نہیں لیا۔ اگر کوئی دشمن، مخالف اور معاند بھی عدالت نبوی میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے اسے بھی اس کا حق دلوایا، اس کے ساتھ انصاف کیا اور عدل اسلامی کے اصولوں کے مطابق اگر وہ سچا تھا تو اس کے حق میں فیصلہ فرما دیا اور اپنے رفقاء کی وفا اور جاں نثاروں کی خدمات کو عدل و انصاف میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔

نامور مصنف، خطیب اور ادیب مولانا عبدالمجید سوہدروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف "رہبر کامل" میں رسول اکرم ﷺ کی عدالت اور آپ ﷺ کے فیصلوں کی حقیقت واضح کرتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے کہ:

> "آپ ﷺ کے پاس جو مقدمات آتے تھے وہ فوراً فیصل ہو جاتے تھے۔ نہ تاریخیں پڑتی تھی، نہ کچھ خرچ ہوتا تھا۔ اگر شاہد موجود ہوتے تو مدعی سے فوراً طلب کیے جاتے۔ اگر اس معاملہ پر کوئی عینی شاہد نہ ہوتا تو مدعا علیہ پر یمین (قسم) ڈال دی جاتی۔ اور اس کے بعد مقدمہ کے مالہ وما علیہ یعنی پوری تفصیلات پر غور کر کے فیصلہ صادر کر دیا جاتا۔
>
> جب تک مسلمانوں میں یہ اصول قائم رہا، مسلمان صحیح معنوں میں حاکم اور جج

بنے رہے۔ مگر جونہی انہوں نے دوسروں کی دیکھا دیکھی تکلفات سے کام لینا شروع کیا تو عدل و انصاف کم ہوتا گیا یہاں تک کہ آج جو کچھ ہم عدالتوں میں دیکھ رہے ہیں وہ انصاف نہیں بلکہ ظلم ہے جسے عدل کا جامہ پہنادیا گیا ہے۔

برعکس نہند نام زنگی کافور

آپ ﷺ کی کچہری میں کسی قسم کا کوئی تکلف نہ ہوتا تھا، نہ دربان ہوتا نہ پہرہ دار، نہ وکیل ہوتے نہ محرر، نہ رشوت جیسی منحوس چیز کا کوئی تصور تھا نہ سفارش کا کوئی امکان، آپ ﷺ مسجد کے بوریے پر بیٹھ جاتے۔ مدعی اور مدعلیہ بھی اسی چٹائی پر آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ جاتے۔ آپ ﷺ ایک ایک کی بات سنتے۔ اس کے بعد اگر شاہدوں کی ضرورت ہوتی تو گواہ طلب کرتے اور وہیں بیٹھے بیٹھے ان پر بحث بھی ہو جاتی اور فیصلہ بھی صادر ہو جاتا۔ تاریخیں ملتیں نہ مہینے سال لگتے، بغیر کسی لمبی چوڑی تاریخ کے فیصلہ ہو جاتا۔ لطف یہ کہ بایں ہمہ آپ ﷺ کا فیصلہ کبھی غلط نہ ہوتا اور آپ کو فیصلہ صادر کرنے میں کسی تکلف سے کام نہ لینا پڑتا"۔ (1)

ضرورت اس امر کی ہے کہ مملکت خداداد پاکستان میں رسول مکرم ﷺ کی تعلیمات وہدایات کی روشنی میں عدالتی نظام قائم کیا جائے جہاں عوام کو بروقت اور سستا بلکہ مفت انصاف میسر آئے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں اور عوام کو ہر معاملے میں سیرت رسول سے راہنمائی حاصل کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ٥

(1) رہبر کامل، ص:167۔ آنحضور ﷺ ایک جج کی حیثیت میں



استقامتِ مصطفیٰ ﷺ

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

ہر قسم کی تعریفات، تحمیدات اور تمجیدات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار، پالنہار اور حاکم و مختار ہے۔ اس کی کوئی ابتدا اور انتہا نہیں ہے، وہ شروع سے ہے اور آخر تک رہے گا۔ وہی سب کو کھلاتا، پلاتا اور رجاتا ہے۔ وہ حیّ و قیّوم اور ظاہر و باطن ہے۔ وہی ہر چیز کا مالک، خالق اور رازق ہے۔ کارخانہ کائنات میں ہر چیز اس کی محتاج مگر وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے۔

اللہ رب العزت ہم سب کی طرف سے لاتعداد و بے شمار اور ان گنت و بے حساب درود و سلام نازل فرمائے سید الاوّلین و الآخرین، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر۔ جنہیں خالق ارض و سماء نے انسانیت کی رشد و راہنمائی اور ہدایت کی خاطر رسول، پیغمبر اور نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کی اطاعت، اتباع اور فرماں برداری کو ہر مسلمان کے لئے لازمی قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو اہل ایمان کے لیے اسوۂ حسنہ اور نمونہ طیبہ ہے۔

اور آپ ﷺ کی سیرت، سنت اور حدیث پر عمل پیرا ہونا ہی دنیا اور آخرت کی کامیابی کا زینہ اور ذریعہ ہے۔ آج کی مجلس میں ہم آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ اور اسوۂ حسنہ کا جو حصہ عرض کرنے جارہے ہیں۔ وہ ہے "استقامت مصطفیٰ ﷺ"۔

استقامت کا مفہوم:

"استقامت" کا لغوی معنی "سیدھا رہنا یا سیدھا چلنا ہے" یعنی کسی چیز کے اعتدال اور توازن میں رہنے کو استقامت کہا جاتا ہے۔ اصطلاحاً استقامت کا مفہوم یہ ہے کہ حق پر قائم رہا جائے اور حق کے راستے میں آنے والی مشکلات، خطرات، مصائب، آلام اور مخالفتوں کا سامنا کیا جائے کسی صورت بھی حق سے اعراض نہ کیا جائے اور اپنے درست موقف پر ثابت قدم رہا جائے۔

اللہ رب العالمین نے اپنے حبیب مکرم ﷺ اور آپ کے رفقاء کو حکم فرمایا کہ:

﴿ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ﴾ (حم السجدہ:6)

"تمہارا معبود تو صرف ایک ہی معبود ہے پس تم اس کی طرف سیدھے رہو، اور اسی سے بخشش طلب کرو"۔

جب رسول محترم ﷺ کی دعوت توحید کے جواب میں مشرکین، کافرین اور مخالفین کی طرف سے عداوت، استہزاء، تحقیر اور اذیت کا انداز اختیار کیا گیا، قریش مکہ کی طرف سے عناد، بغض اور دشمنی کی انتہا ہوگئی اور آپ ﷺ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تو عرش سے آواز آئی کہ اے رسول ﷺ!

﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ﴾

(الشوریٰ: 15)

"پس آپ اسی دین کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہیں، اور جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ ثابت قدم رہیں۔ اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں"۔

قرآن حکیم کے دوسرے مقام پر آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب ورفقاء اور ساتھیوں کو "استقامت" کی تاکید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ (ہود:112)

"(اے رسول ﷺ) پس جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ ثابت قدم رہیں اور جن لوگوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی یعنی ایمان لائے وہ بھی ثابت قدم رہیں۔ اور تم سرکشی نہ کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے"۔

حق کی راہ میں مشکلات کا پیش آنا ایک لابدّی امر ہے اور ان مشکلات کا جرأت، ثابت قدمی اور استقلال سے سامنا کرنے کا نام "استقامت" ہے۔ دعوت الی اللہ کی راہ میں سب سے بڑی اخلاقی فضیلت "استقامت" ہے۔ قرآن کریم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوتی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی استقامت و استقلال اور ثبات قدم کا بالخصوص ذکر فرمایا اور اہل توحید کو آگاہ فرمایا ہے کہ "دخول جنت" کے لیے آزمائش بنیادی شرط ہے اور امتحانات الٰہی میں کامیاب ہونے والا یعنی استقامت کا مظاہرہ کرنے والا ہی جنت کا اصلی حقدار ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۚ أَلَآ إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴾ (البقرہ:214)

"کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تک تم پر وہ (مشکل) حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے، انہیں سختیاں اور مشکلات و تکالیف پہنچیں اور وہ ہلا (جھنجھوڑ) دیے گئے۔ یہاں تک کہ (اس دور کے) رسول اور ان پر ایمان لانے والے پکار اٹھے کہ "اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟"۔ خبردار! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی مدد تو قریب ہی ہے"۔

ہمارے محبوب آقا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی اپنی زبان حق ترجمان سے امم سابقہ کی آزمائشوں، ابتلاؤں اور امتحانات پر صبر و استقامت کا ذکر فرماتے ہوئے ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش فرمایا۔ جیسا کہ سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کعبۃ اللہ کے سائے میں چادر کا تکیہ بنائے آرام فرما تھے کہ ہم نے (کفار مکہ کی ایذا رسانیوں کے باعث) عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ۔ آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد کیوں طلب نہیں فرماتے، ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ ﷺ نے (ہماری بے قراری دیکھ کر اور ہماری باتیں سن کر) فرمایا:

«كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ وَمَا يَصُدُّهُ ذَالِكَ عَنْ دِينِهِ وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ وَمَا يَصُدُّهُ ذَالِكَ عَنْ دِينِهِ وَاللهِ لَيُتِمَّنَّ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللهَ أَوِ الذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهِ وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ»[1]

”تم سے پہلے اہل ایمان کا یہ حال ہوتا تھا کہ کسی (توحید پرست) آدمی کو پکڑ کر لایا جاتا اور اس کے لیے گڑھا کھودا جاتا اور اسے اس میں ڈال دیا جاتا۔ پھر اس کے سر پر آرا رکھ کر ان کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے، پھر بھی وہ اپنے دین سے انحراف نہ کرتا۔ لوہے کے کنگھے ان کے گوشت میں دھنسا کر ان کی ہڈیوں اور پٹھوں پر پھیرے جاتے، پھر بھی وہ اپنا ایمان نہ چھوڑتے۔ اللہ کی قسم یہ امر (اسلام) بھی کمال کو پہنچے گا اور ایک زمانہ آئے گا کہ ایک سوار مقام صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام: 3612

نہیں ہو گا یا اسے اپنی بکریوں پر بھیڑیے کے حملے کا خطرہ ہو گا۔ لیکن تم جلد بازی کا مظاہرہ کر رہے ہو"۔

رب العالمین نے رسول مکرم ﷺ کے اس فرمان عالی شان کی تائید و تصدیق میں سورۃ العنکبوت کی یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝﴾ (العنکبوت: 1-3)

"الف، م، میم کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ اور البتہ تحقیق ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا تھا (اور انہیں بھی آزمائیں گے) پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کرے گا جنہوں نے سچ بولا اور ضرور ظاہر کرے گا ان لوگوں کو جو جھوٹ بولنے والے ہیں"۔

استقامت کی اہمیت اور فضیلت:

حق پر "استقامت" کمال دین، حسن اسلام اور ایمان کے بعد دین کی سب سے بڑی حقیقت ہے اسی لئے آپ ﷺ اپنے رفقاء کرام کو حق پر ڈٹ جانے، دین پر استقامت اختیار کرنے اور مستقل مزاجی سے احکام اسلام پر عمل کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ!

« قُلْ لِيْ فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ قَالَ قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ »[1]

"مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات فرما دیں کہ آپ کے بعد کسی اور سے

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب جامع اوصاف الاسلام: 38

(کوئی بات) پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ کہو کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، پھر اس پر قائم رہو یعنی استقامت اختیار کرلو"۔

دوسری روایت میں ہے کہ جناب سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ!

«حَدِّثْنِي بِأَمْرٍ أَعْتَصِمُ بِهِ. قَالَ: قُلْ رَبِّيَ اللهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ. قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ. فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ. ثُمَّ قَالَ: هٰذَا»[1]

"میرے لیے کوئی ایسی بات بیان فرمادیں جسے میں مضبوطی سے تھام لوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم یہ کہو کہ "میرا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے، پھر اس پر ڈٹ جاؤ۔ میں نے عرض کی ۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے بارے میں آپ کو کس چیز کا زیادہ خوف ہے؟ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اپنی زبان کو پکڑا اور فرمایا: اس کا"۔

یہ دونوں احادیث استقامت کی اہمیت اور حیثیت کو واضح کرتی ہیں کہ کسی مومن و مسلمان کو حق کے معاملے میں مداہنت، کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ حالات کی پرواہ کیے بغیر استقلال، استقامت اور پامردی کا ثبوت فراہم کرنا چاہیے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا حکم، رسول اکرم ﷺ کا فرمان اور سچے مسلمان کی پہچان ہے۔

استقامت علی الحق کی حیثیت اور افادیت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

(الاحقاف:13-14)

"بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر وہ (اس عقیدہ

---

[1] جامع ترمذی، ابواب الزھد، باب ما جاء حفظ اللسان:2410، قال الالبانی: صحیح

"یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ "ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے"۔ پھر اس پر استقامت اختیار کی تو ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں جو ان سے کہتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کرو۔ اور خوشخبری قبول کرو، اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ہم دنیاوی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی دوست ہیں۔ اور اس (جنت) میں تمہارے لیے وہ سب کچھ ہے جو تمہارے دل چاہیں گے اور وہ سب کچھ ہے جو تم طلب کرو گے۔ یہ از حد بخشنے والے، بڑے مہربان (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے مہمان نوازی ہو گی"۔

ان آیات مبارکات میں اہل استقامت پر اللہ تعالیٰ کے جن مزید انعامات، احسانات اور نوازشات کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

6۔ دین الٰہی پر استقامت اختیار کرنے والوں کی موت کے وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد آپ جن حالات و کیفیات سے دوچار ہونے والے ہیں۔ ان سے ڈرنے، خوف کھانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جو رشتے دار، مال و متاع اور اہل و عیال ابھی چند لمحے بعد آپ پیچھے چھوڑنے والے ہیں ان کے بارے میں فکر مند ہونے، غم کرنے اور صدمہ میں مبتلا ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے بلکہ جنت کی خوشخبری پا کر آپ خوش ہوں کہ ابھی تھوڑی دیر بعد تمہیں جنت کی تمام نعمتیں حاصل ہونے والی ہیں اس لیے غم زدہ ہونے کی بجائے خوش ہو جاؤ کہ تمہارا پروردگار تم سے راضی ہو چکا ہے اور اس نے اپنے وعدے کے مطابق تمہیں جنت میں داخل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

بعض اہل علم کا فرمان ہے اور امر واقع بھی یہی ہے کہ دین حق پر استقامت اختیار کرنے والے خوش نصیبوں کو اللہ تعالیٰ کے فرشتے یہ بشارات تین مواقع پر سناتے ہیں:

(الف) موت کے وقت۔

(ب) قبروں میں۔

(ج) قبروں سے اٹھائے جانے کے موقع پر۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سعادت مندوں میں شامل و داخل فرمائے۔ آمین

7۔ اہل استقامت کو حیات دنیوی میں ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی معیت، نصرت اور رفاقت حاصل ہوتی ہے۔ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا "ہم دنیاوی زندگی میں تمہارے دوست ہیں"۔

8۔ آخرت کے تمام لحات و حالات میں بھی دین حق پر قائم رہنے والوں کو اللہ رب العزت کی خاص مدد، حمایت اور دوستی کا شرف عظیم حاصل ہوگا۔ "وَفِي الْاٰخِرَةِ" "اورآخرت میں بھی ہم تمہارے دوست ہیں"۔

آپ تصور فرمائیں جن خوش نصیبوں کو عند الموت، قبر میں، حشر میں، پل صراط پر، وزن اعمال کے مرحلے میں اور دیگر مقامات قیامت پر اللہ تعالیٰ کی خاص معیّت اور نصرت حاصل ہو جائے، ان سے بڑا خوش قسمت، سعادت مند اور نیک بخت بھی کوئی ہو سکتا ہے۔ آیئے! ایک بار پھر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عقیدہ توحید اور اتباع سنت پر استقامت نصیب فرمائے اور ہمیں ان اعزازات و نوازشات سے سرفراز فرمائے۔ آمین

9۔ دین اسلام پر مستقل مزاجی سے قائم رہنے والوں کو جنت میں ہر وہ نعمت میسر ہوگی جس کی وہ خواہش، تمنا اور آرزو کریں گے۔ اور وہاں ان کا ہر مطالبہ پورا کیا جائے گا۔ وہ جو چیز بھی طلب کریں گے، فوراً حاضر خدمت کر دی جائے گی۔

10۔ رب العالمین کی توحید اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی اتباع پر استقامت اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص ضیافت، عطیے اور انعام سے نوازا جائے گا جو غفور رحیم، مولا کے اختیارات واسعہ کے شایان شان ہوگی۔ سبحان اللہ۔ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ .... تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

استقامت علی الحق یعنی حق بات پر ڈٹ جانا، ایسا بہترین عمل ہے کہ رسول محترم ﷺ نے اپنی زبان رسالت سے اس کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔ سیدنا ابو امامہ

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَقِيْمُوْا. وَنِعِمَّا إِنِ اسْتَقَمْتُمْ. وَخَيْرُ أَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةُ. وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ»[1]

"استقامت اختیار کرو، اور اگر تم استقامت اختیار کرو تو یہ بہت ہی اچھی بات ہے اور تمہارے اعمال میں سب سے بہتر عمل "نماز" ہے اور وضو کی حفاظت تو صرف مومن ہی کر سکتا ہے"۔

اس حدیث مبارکہ میں رسول رحمت ﷺ نے اپنی امت کے ہر فرد کو عقیدہ توحید پر مستقل مزاجی سے قائم رہنے اتباع رسول پر ہمیشہ کاربند رہنے، نماز پنج گانہ کی پابندی اور وضو کی حفاظت کرنے کا حکم فرمایا ہے یعنی جس طرح ہر کلمہ گو کے لیے نماز کی پابندی اور نماز کے لیے وضو ضروری ہے اسی طرح ہر مومن و مسلمان کے لیے دین اسلام پر مضبوطی سے قائم رہنا اور توحید الٰہی پر استقامت کا مظاہرہ کرنا بھی ضروری ہے۔

احادیث کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ رسول محترم ﷺ، سفر پر روانہ ہونے والے اپنے رفقاء اور اصحاب کو "استقامت" کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے سفر کا ارادہ فرمایا تو خدمت نبوی میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں سفر پر جا رہا ہوں لہٰذا مجھے کوئی خاص نصیحت فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أُعْبُدُ اللهَ وَلَا تُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا. قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ زِدْنِي. قَالَ: إِذَا أَسَأْتَ فَأَحْسِنْ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ زِدْنِي. قَالَ: اِسْتَقِمْ وَلْتُحَسِّنْ خُلُقَكَ»[2]

"تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔

---

[1] سنن ابن ماجہ ،کتاب الطھارۃ وسننھا،باب المحافظۃ علی الوضوء :279، قال الالبانی، صحیح

[2] المستدرک للحاکم،کتاب التوبہ والانابۃ: 7616۔قال المحقق مصطفیٰ عبدالقادر عطا،صحیح

انہوں نے عرض کی۔ کوئی اور نصیحت فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو فوراً نیکی کرو (کیونکہ نیکیاں، غلطیوں کو مٹادیتی ہیں) جناب معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ کوئی اور نصیحت فرمائیے! تو آپ ﷺ نے فرمایا: استقامت اختیار کرو اور اپنے اخلاق کو خوب صورت بناؤ"۔

رسول اکرم ﷺ کی استقامت:

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے صرف استقامت علی الحق کا زبانی کلامی درس ہی نہیں دیا بلکہ عملی میدان میں دین حق پر استقامت اختیار کرنے کی ایسی مثالیں پیش فرمائیں کہ دنیا ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔

دنیا کا کوئی لالچ، کوئی ترغیب اور تحریص اور کوئی دھمکی آپ کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں کر سکی، آپ ﷺ نے ہر مصیبت کا مقابلہ کیا، دشمنوں کا ہر وار برداشت کیا، مخالفین کی ہر سازش کو بے نقاب کیا اور معاندین کی طرف سے دی جانے والی تمام اذیتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا مگر اپنے مشن کی اشاعت، توحید الٰہی کی تبلیغ اور اسلامی تعلیمات کے پھیلانے میں ذرہ بھر مداہنت کا مظاہرہ نہیں فرمایا بلکہ مستقل مزاجی سے اپنے کام میں مصروف و مشغول رہے اور استقامت علی الحق کی اعلیٰ اور عمدہ مثالیں قائم فرمائیں۔

جب ہم سرور کونین ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ ﷺ واقعی "جبل استقامت" تھے۔ آیئے! تصورات کی دنیا میں مکہ مکرمہ چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مکہ مکرمہ اور کعبۃ اللہ کی بار بار زیارت نصیب فرمائے۔ آمین

امام الرسل جناب محمد ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد تین سال تک دعوت دین اور تبلیغ توحید کا کام انتہائی راز داری، خاموشی اور خفیہ طریقے سے انجام دیتے رہے۔ تین سال کی خفیہ تبلیغ کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ ﷺ نے اشاعت توحید، دین کی تبلیغ اور اپنی دعوت کی اعلانیہ تشہیر و تبلیغ شروع کر دی۔ جب کفار مکہ نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کی

دعوت سے متاثر ہو کر مختلف قوموں، برادریوں اور قبائل کی اہم شخصیات اسلام قبول کر چکی ہیں تو انہوں نے آپ ﷺ کی اشاعتی، دعوتی اور تبلیغی سرگرمیوں کو روکنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اسی طرح توحید الٰہی کی اشات کا کام جاری رہا تو

⊙ ہمارے معبودوں کے تخت اوندھے ہو جائیں گے۔

⊙ ہمارے نذرانوں کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔

⊙ ہماری مذہبی سرداری کا جنازہ نکل جائے گا۔

⊙ ہمارے آبائی مذہب پر خدائی دین غالب آ جائے گا۔

⊙ ہمارے آستانوں سے زائرین کا ہجوم بکھر جائے گا۔

⊙ ہمارے خداؤں کی پوجاپاٹ بند ہو جائے گی۔

⊙ ہماری عزت خاک میں مل جائے گی۔

⊙ ہماری آمدن کے تمام ذرائع مسدود ہو جائیں گے۔

لہٰذا انہوں نے طے کیا کہ آپ ﷺ کو آپ کے چچا ابو طالب کے ذریعے ڈرانے، دھمکانے اور توحید کی تبلیغ سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ باہمی مشاورت سے ایک گیارہ رکنی وفد سردار ابو طالب کے پاس آیا اور ان سے کہا:

> "اے ابو طالب! آپ کا بھتیجا محمد (ﷺ) ہمارے معبودوں کی مذمت کرتا، ہمارے مذہب میں عیب نکالتا، ہمیں بے وقوف کہتا اور ہمارے آباؤ و اجداد پر گمراہی کے فتوے لگاتا ہے۔ آپ اسے سمجھائیں کہ ہمارے معبودوں کی نفی نہ کرے، ہمارے بزرگوں کو جہنمی قرار نہ دے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی تبلیغ سے باز آ جائے۔ اگر آپ اسے روک نہیں سکتے یا آپ کے منع کرنے کے باوجود وہ اپنے نئے دین کی تبلیغ و اشاعت سے باز نہیں آتا تو پھر آپ اس سے علیحدگی اور براءت کا اعلان کر دیں تاکہ ہم خود اس سے نمٹ لیں"۔

آپ ﷺ کے عم محترم جناب ابو طالب نے اس گیارہ رکنی وفد کو بڑی دانش مندی

سے ٹال دیا اور مطمئن کر کے واپس بھیج دیا۔ ادھر امام المرسلین ﷺ نے توحید الٰہی کی تبلیغ کا کام بدستور جاری رکھا اور لوگوں کو ایک الٰہ کی معبود کی تلقین کرتے رہے۔ تا آنکہ مشرکین مکہ نے فیصلہ کیا کہ ہمیں ابو طالب کی وساطت سے ایک مرتبہ پھر کوشش کرنی چاہیے کہ محمد ﷺ اپنے نظریہ توحید کی تشہیر و تبلیغ سے باز آ جائے اور ہمارے معبودوں کی مذمت نہ کرے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے نام نہاد معززین کا ایک وفد دوبارہ ابو طالب کے پاس آیا اور تلخ لہجے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

"اے سردار ابو طالب! ہم آپ کی عمر، بزرگی اور شرافت کی وجہ سے آپ کا از حد احترام کرتے ہیں اور ساری قوم میں آپ کو ممتاز اور محترم گردانتے ہیں، مگر آپ نے ہمارے مطالبے کے باوجود اپنے بھتیجے پر کنٹرول نہیں کیا اور وہ بدستور ہمارے معبودوں کی توہین کرتا، ہمارے آباء و اجداد کو دوزخی قرار دیتا اور ہمیں بے وقوف اور احمق گردانتا ہے۔ اب ہمارا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ ہم اسے توحید و رسالت کی تبلیغ و اشاعت کی قطعاً اجازت نہیں دے سکتے۔ آپ محمد (ﷺ) کو ان باتوں سے روک لیں ورنہ ہم آپ دونوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیں گے اور یہ جنگ دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کی مکمل تباہی اور بربادی تک جاری رہے گی"۔[1]

مشرکین مکہ کا یہ انداز گفتگو صاف بتا رہا تھا کہ وہ معاملات کو سلجھانے کے لیے نہیں بلکہ کھلا چیلنج دینے کیلئے آئے تھے۔ شاعر اسلام جناب حفیظ جالندھری کے الفاظ ہیں:

کہا ہم کو بھتیجا آپ کا بے دین کہتا ہے
ہمارے دین کو انسان کی توہین کہتا ہے

ہم اپنے دین کی توہین پر چپ رہ نہیں سکتے
تمہارے پاس آئے ہیں کہ بس، اب سہہ نہیں سکتے

(1) السيرة النبوية لابن هشام، مباداة رسول الله ﷺ قومه وما كان منهم: 1/265

تم اس کا ساتھ چھوڑو، یا کرو تنبیہ ، سمجھاؤ
وگرنہ جنگ کا ساماں کرو، میدان میں آؤ

قریشی وفد کو دعوت توحید:

سردارانِ قریش کی اس جارحانہ گفتگو کے بعد نبی محترم ﷺ کے چچا جناب ابو طالب نے اپنے بیٹے عقیل سے فرمایا: "اے عقیل! جاؤ اور محمد (ﷺ) کو میرے پاس بلا لاؤ"۔ چنانچہ چچا کے پیغام پر رسول مکرم ﷺ بھی اسی مجلس میں تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کی آمد پر ابو طالب نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا:

" بھتیجے! یہ دیکھو آپ کی قوم کے بزرگ اور سردار میرے پاس آئے ہیں اور آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ اپنے نظریات واعتقادات اپنی ذات تک محدود رکھیں، ان کے معبودوں کی مذمت وتردید نہ کریں، توحید الٰہی کی تبلیغ واشاعت نہ کریں اور ہاں۔ میرے اور اپنے حال پر رحم کریں اور مجھ پر میری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالیں"۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنے عم محترم جناب ابو طالب کی گفتگو بڑے حوصلے، تحمل اور اطمینان سے سن کر فرمایا: "اب مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت ہے؟ تو چچا نے کہا: بیٹے! آپ اپنی قوم سے کیا چاہتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے بڑے دھیمے لہجے اور پرسوز آواز میں فرمایا:

«إِنِّي أُرِيدُ مِنْهُمْ كَلِمَةً وَاحِدَةً تَدِينُ لَهُمْ بِهَا العَرَبُ، وَتُؤَدِّيَ إِلَيْهِمُ العَجَمُ الجِزْيَةَ. قَالَ: كَلِمَةً وَاحِدَةً، قَالَ: كَلِمَةً وَاحِدَةً قَالَ: يَا عَمِّ يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَقَالُوا: إِلٰهًا وَاحِدًا مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ»[1]

"میں ان سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ یہ لوگ "ایک کلمہ" کہہ دیں تو میں

---

(1) جامع ترمذی ،ابواب التفسیر، باب ومن سورة ص:3232،قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح وقال الالبانی، ضعیف الاسناد

انہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس ایک کلمہ کی وجہ سے سارا عرب ان کے ماتحت ہو جائے گا اور پورے عجم پر ان کی حکمرانی ہو گی۔ آپ ﷺ کی زبان اقدس سے حکومت اور حکمرانی کی خوشخبری سن کر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا ایک کلمہ کہنے سے ایسا ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ایک کلمہ سے۔ تو انہوں نے تعجب سے پوچھا وہ کون سا کلمہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یعنی تم توحید الٰہی کا اقرار کرو اور اس کے تقاضے پورے کرو تو عرب و عجم کے حکمران بن جاؤ گے۔ بس اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعلان سننا تھا کہ ان کے اوسان خطا ہو گئے اور پکار اٹھے کہ: یہ بات تو ہم نے پچھلے کسی دین میں نہیں سنی، یہ تو محض ایک من گھڑت بات ہے جسے ہم ماننے کے لئے کسی صورت تیار نہیں ہیں"۔

قرآن مجید کفار قریش کی بے تابی، بے قراری اور مجلس سے اٹھتے ہوئے ان کی کیفیت اور الفاظ یوں بیان فرماتا ہے کہ:

﴿وَ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۫ وَ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۚ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۞ وَ انْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَ اصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۚ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۚ﴾ (ص:4-7)

"اور انہوں نے اس امر پر تعجب کا اظہار کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا (رسول) آ گیا۔ اور انہوں نے کہا کہ یہ تو بڑا جھوٹا جادوگر ہے۔ کیا اس (محمد ﷺ) نے صرف ایک ہی معبود بنا لیا ہے؟ بے شک یہ تو بڑی ہی عجیب چیز ہے اور ان کے سردار (یہ کہتے ہوئے) چل دیے کہ چلو، اپنے معبودوں (کی عبادت) پر ڈٹے رہو، بیشک یہ چیز (توحید کی بات) کسی غرض سے کہی جا رہی ہے۔ ہم نے یہ بات کسی اور دین میں نہیں سنی، یہ تو بس گھڑی ہوئی بات ہے"۔

قریشی وفد کے جانے کے بعد جناب ابوطالب نے رسول اکرم ﷺ کو بڑی محبت، شفقت اور الفت سے اپنے قریب بٹھا کر بڑی نرمی سے کہا:

"اے میرے پیارے بھتیجے! آپ کو بخوبی علم ہے میں نے تمہیں پالا، پوسا اور جوان کیا ہے۔ اپنی حقیقی اولاد سے زیادہ آپ کا خیال رکھا ہے۔ تیرے ساتھ بے پناہ محبت کی اور ہر معاملے میں تیری حمایت کی ہے۔ تیری دعوت کے سلسلے میں بھی اب تک تیرا دفاع کرتا آیا ہوں۔ اب حالات بڑے خراب ہو گئے ہیں۔ ایک طرف ساری قوم ہے اور دوسری طرف میں اور آپ۔ ظاہر ہے میں اکیلا تمام لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا آپ اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کریں، حالات کی نزاکت کو سمجھیں۔ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور بیمار بھی ہوں۔ لہٰذا اپنے آپ اور مجھ پر رحم کریں اور میرے کندھوں پر ایسا بوجھ نہ ڈالیں جسے اٹھانے کی مجھ میں ہمت، طاقت نہیں ہے"۔

مجھے یہ فرض ادا کرنا ہے:

شفیق و مہربان چچا (تایا) کی یہ باتیں سن کر سرور کونین ﷺ کا دل بھر آیا، ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور آپ کو خیال آیا کہ شائد ابوطالب نے بھی میری حمایت اور دفاع سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تاہم آپ ﷺ نے خود کو سنبھالا، رحمت الٰہی نے سہارا دیا اور آپ ﷺ نے کمال صبر، مثالی حوصلے اور استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی نظریں ابوطالب کے چہرے پر گاڑ دیا اور آب دیدہ نگاہوں مگر پر وقار لہجے میں انتہائی سکون و اطمینان سے ارشاد فرمایا:

"عم محترم! میں آپ کی محبت، شفقت اور حمایت پر آپ کا شکر گزار اور ممنون ہوں مگر میں توحید الٰہی کی تبلیغ کا مشن کسی صورت ترک نہیں کر سکتا اور اسلام کی تشہیر و اشاعت کے معاملے میں کسی قسم کی مداہنت بھی اختیار نہیں کر سکتا۔ چچا جان! اگر آپ میرا ساتھ دیں تو مہربانی اور اگر آپ پہلی سی محبت نہ

دے سکیں تو مجھے آپ سے کوئی شکوہ، گلہ اور شکایت نہیں ہے۔ عم محترم! یاد رکھیے! میں اللہ کی راہ میں اپنی جان تو قربان کر سکتا ہوں مگر توحید الٰہی کی اشاعت سے باز نہیں آسکتا"۔

شاعر اسلام جناب حفیظ جالندھری مرحوم نے اس موقع پر رسول پاک ﷺ کی استقامت، استقلال اور ثبات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

چچا کے دامن شفقت کو جب ہٹتا ہوا پایا
توہو کر آبدیدہ ہادی برحق نے فرمایا

جفاو ظلم کی آندھی چلے، طوفان آجائیں
مٹانے کو مرے، شداد اور ہامان آجائیں

کسی دھمکی، کسی ڈر سے میرا دل گھٹ نہیں سکتا
مجھے یہ فرض ادا کرنا ہے، اس سے ہٹ نہیں سکتا

آپ ﷺ نے اپنے شفیق و مہربان چچا سے فرمایا:

"يَا عَمِّ وَاللهِ لَوْ وَضَعُوْا الشَّمْسَ فِي يَمِيْنِي، وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلَى أَنْ أَتْرُكَ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللهُ، أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ مَا تَرَكْتُهُ"

"اے چچا جان! اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر وہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں اور مجھ سے یہ توقع کریں کہ میں یہ کام چھوڑ دوں گا تو یہ ممکن نہیں ہے بلکہ میں تو دین کی دعوت کا کام کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غلبہ عطا فرمادے یا میں یہ کام کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو جاؤں"۔

آپ ﷺ کی اسی استقامت اور ثبات و استقلال کو جناب جالندھری مرحوم نے یوں خراج عقیدت پیش فرمایا ہے۔

میرے ہاتھوں میں لاکر چاند سورج بھی اگر رکھ دیں

میرے پاؤں تلے روئے زمیں کا مال و زر رکھ دیں

خدا کے کام سے میں باز ہرگز رہ نہیں سکتا

یہ بت جھوٹے ہیں میں جھوٹوں کو سچا کہہ نہیں سکتا

رسول اکرم ﷺ یہ فرما کر اٹھے اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ اپنے گھر کو روانہ ہونے لگے تو ابو طالب نے آپ ﷺ کو آواز دے کر قریب بلایا اور آپ ﷺ کی استقامت علی الحق، اپنے مشن سے وابستگی اور توحید الٰہی سے محبت دیکھ کر کہا:

"اِذْهَبْ يَا ابْنَ أَخِيْ فَقُلْ مَا أَحْبَبْتَ فَوَ اللهِ لَا أُسْلِمُكَ لِشَيْءٍ أَبَدًا"

"اے میرے بھتیجے! جاؤ جو تمہیں پسند آئے اس کی تبلیغ کرو۔ اللہ کی قسم! میں تمہیں کبھی کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔"[1]

رسول محترم ﷺ کے چچا جناب ابو طالب نے آپ ﷺ کو اپنی بے لوث محبت، مستقل حمایت اور مخالفین سے دفاع کا یقین دلاتے اور آپ ﷺ کی سچی دعوت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا:

وَاللهِ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ

حَتّٰى أُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِينَا

"اللہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں یہ تمام لوگ جمع ہو کر بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، یہاں تک کہ میری لاش کو مٹی میں دفن کر دیا جائے"۔

فَامْضِ لِأَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ

أَبْشِرْ وَقَرَّ بِذَاكَ مِنْكَ عُيُونَا

"تم اپنا کام جاری رکھو، تم پر ہرگز کوئی ملامت نہیں ہے اور خوش ہو جاؤ کہ اس معاملے میں آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی"۔

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام، مبادات رسول الله قومه، طلب ابی طالب الی الرسول ...: 1/266

وَدَعَوْتَنِي وَعَلِمْتُ أَنَّكَ نَاصِحِي
فَلَقَدْ صَدَقْتَ وَكُنْتَ قِدْمُ أَمِينَا

”آپ نے مجھے (قبول اسلام کی) دعوت دی ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ ہیں پس تحقیق تم سچ کہتے ہو اور شروع سے امانت دار ہو“۔

وَعَرَضْتَ دِينًا قَدْ عَرَفْتُ بِأَنَّهُ
مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينَا

”آپ نے مجھ پر دین (اسلام) پیش کیا ہے بلاشبہ میں جانتا ہوں کہ وہ (تمہارا) دین دنیا کے تمام ادیان سے بہتر ہے“۔

لَوْلَا الْمَلَامَةُ أَوْ حَذَارِيَ سُبَّةً
لَوَجَدْتَنِي سَمْحًا بِذَاكَ مُبِينَا

”اگر مجھے ملامت اور لوگوں کی طرف سے عار دلانے کا خوف نہ ہوتا تو آپ مجھے اپنا واضح مددگار اور فرماں بردار پاتے“۔[1]

آپ نے غور فرمایا کہ سردار ابو طالب جو تھوڑی دیر پہلے آپ ﷺ کو ”دعوت توحید“ ترک کرنے کا مشورہ دے رہے اور قوم کی مخالفت سے ڈرا رہے تھے وہ نبی مکرم ﷺ کے عزم مصمم، ثبات و استقلال اور استقامت سے ایسے متاثر ہوئے کہ آپ ﷺ کو ہر قسم کی حمایت، تعاون اور تحفظ و دفاع کا یقین دلا دیا اور اسلام قبول کرنے کے بارے میں اپنی مجبوری اور معذوری سے آپ کو آگاہ کر دیا۔

دولت، حکومت اور عورت کا لالچ:

دولت، حکومت اور عورت ہر دور اور ہر جگہ کے اکثر لوگوں کی کمزوری رہی ہے، بعض لوگ ان اشیاء کے حصول کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگانے بھی اجتناب نہیں کرتے اور ان کی زندگی کا مقصد ہی ان چیزوں کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ کفار مکہ نے رسول

(1) السيرة النبوية لابن كثير، باب امر الله رسوله بابلاغ الرسالة الى الخاص والعام: 464/1

اکرم ﷺ کے پائے استقامت میں لغزش پیدا کرنے، آپ کو فرائض نبوت کی ادائیگی سے روکنے اور دعوت توحید سے باز رکھنے کے لیے ان چیزوں کا لالچ بھی دیا اور پیش کش کی کہ ہم تینوں چیزیں بیک وقت آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں اور اس کے بدلے میں ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ آپ ایک اللہ کی عبادت کا نظریہ ترک کر دیں یا کم از کم اسے اپنے تک محدود رکھیں اور اس نظریہ اور عقیدہ کی اشاعت نہ کریں۔

سیرت رسول کے متعدد واقعات اس امر پر شاہد عدل ہیں کہ آپ ﷺ نے ان تمام پیش کشوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور آپ مکمل استقامت، کامل استقلال اور پوری ہمت کے ساتھ اپنے نظریات و عقائد کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف و مشغول رہے، فی الحال ہم صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں:

آپ ﷺ کی تبلیغی سرگرمیوں اور اسلام کی صداقت و حقانیت کے باعث سرزمین مکہ اور گردو نواح کے لوگ مسلسل حلقہ بگوش اسلام ہو رہے اور کفار مکہ کی تمام سازشیں ناکام ہو رہی تھیں کہ:

> ”ایک دن قریش جمع ہوئے اور اس معاملے پر غور و خوض شروع ہوا کہ کوئی ایسا دانا، ہوشیار اور چالاک آدمی تلاش کیا جائے جو کہانت، جادو اور شعر و شاعری میں مہارت تامہ رکھتا ہو، گفتگو کا ماہر اور چرب اللسان ہو۔ اسے محمد (ﷺ) کے پاس بھیجا جائے جو اس سے مذاکرات کرے، بحث مباحثہ کرے اور دوران گفتگو اسے ہر قسم کے لالچ کے ذریعے نئے دین کی اشاعت سے باز رکھنے پر آمادہ کرے چنانچہ گہرے غور و خوض اور طویل مشاورت کے بعد قریش کے ممتاز رئیس ”عتبہ بن ربیعہ“ کا نام تجویز ہوا“۔

رسول محترم ﷺ ایک دن مسجد حرام کے ایک گوشے میں بیٹھے ذکر الٰہی میں مشغول تھے کہ عتبہ بھی آپ ﷺ کے پاس پہنچ گیا اور تھوڑے فاصلے پر ایک طرف ہو کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد رسول مکرم ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے

آپ ﷺ سے کہا:

" يَا بْنَ أَخِي، إِنَّكَ مِنَّا حَيْثُ قَدْ عَلِمْتَ مِنَ السِّطَةِ فِي الْعَشِيرَةِ، وَالْمَكَانِ فِي النَّسَبِ، وَإِنَّكَ قَدْ أَتَيْتَ قَوْمَكَ بِأَمْرٍ عَظِيمٍ............."

"اے میرے بھتیجے! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ اپنے قبیلے میں سب سے زیادہ معزز و محترم ہیں۔ آپ کا نسب بھی بڑا بہترین ہے مگر آپ اپنی قوم کے پاس اتنا بڑا معاملہ لے آئے ہیں کہ آپ نے قوم کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے ،معاشرے کے داناؤں کو آپ بے وقوف گردانتے ہیں ،بزرگوں کے مذہب اور ان کے معبودوں میں عیب نکالتے ہیں اور ان کے آبائی دین کا انکار کرتے ہیں۔ میں آپ کے پاس قوم کا نمائندہ بن کر آیا ہوں اور آپ کے سامنے چند تجاویز پیش کر تا ہوں ،شائد آپ ان میں سے کوئی تجویز قبول کر لیں اور معاملہ حل ہو جائے"۔

رسول اللہ ﷺ نے بڑے تحمل اور بردباری سے قریشی سردار عتبہ کی گفتگو سنی اور اس کے سوال کے جواب میں فرمایا: اے ابو الولید! کہو، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، میں آپ کی ساری باتیں سننے کے لیے یتار ہوں۔ تو عتبہ نے کہا:

"اے بھتیجے! جو معاملہ آپ نے پیدا کر رکھا ہے۔ اگر اس سے تمہارا مقصد مال و دولت اکٹھی کرنا ہے تو ہم آپ کی خاطر اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ آپ سب سے زیادہ امیر ہو جائیں گے۔ اگر آپ کی غرض جاہ و منزلت کا حصول ہے تو ہم آپ کو اپنا سربراہ اور سردار بنا لیتے ہیں کہ آپ کی مرضی کے بغیر کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو گا۔ اور اگر اس چیز کے ذریعے حکومت واقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنانے کے لیے تیار ہیں اور اگر آپ کی یہ خواہشات اور تمنائیں نہیں ہیں بلکہ آپ کو کوئی جن ،بھوت نظر آتا ہے اور آپ اس سے چھٹکارا پانے پر قادر نہیں ہیں تو ہم اپنے خرچ پر آپ کا

علاج کروانے کو تیار ہیں۔ تاکہ آپ اس "جن" سے نجات پا جائیں کیونکہ بعض اوقات جن آدمی پر غلبہ پالیتا ہے اور علاج کے بغیر نہیں جاتا"۔[1]

عتبہ بن ربیعہ نے آپ ﷺ کو یہ پیش کش بھی کی کہ:

"وَإِنْ كَانَ إِنَّمَا بِكَ الْبَاءَةُ فَاخْتَرْ أَيَّ نِسَاءِ قُرَيْشٍ شِئْتَ فَلْنُزَوِّجْكَ عَشْرًا"

"اگر آپ شادی کی خواہش رکھتے ہیں تو آپ قریش کی جس خوب صورت دوشیزہ کو پسند کریں۔ ہم آپ کی دس شادیاں کرانے کو تیار ہیں"۔[2]

عتبہ بن ربیعہ کی تفصیلی گفتگو سماعت فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ اے ابو الولید! کیا آپ اپنی بات مکمل کر چکے ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں میں نے جو کہنا تھا کہہ چکا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اب میری بات دھیان سے سنو" اس نے کہا، سنائیے! میں سننے کو تیار ہوں تو آپ ﷺ نے اس کے سامنے قرآن مجید سے سورۃ حم السجدہ کی تلاوت فرمائی۔ ارشاد ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَ فِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَ وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۠ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۚ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ وَ جَعَلَ

[1] السيرة النبويه لابن هشام، قول عتبه بن ربيعه في امر رسول الله ﷺ: 1/ 293

[2] السيرة النبوية لابن كثير: 1/ 501

فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَ حِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۝﴾ (حم السجدہ:1-13)

"شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ ح، میم یہ (قرآن) بڑے مہربان نہایت رحم والے کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ ایسی کتاب جس کی آیات کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں، اس حال میں کہ یہ قرآن مجید عربی ہے۔ علم والے لوگوں کے لیے۔ (یہ قرآن) خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہے۔ تو ان میں سے اکثر لوگوں نے اس سے اعراض کر لیا پس وہ اسے سنتے ہی نہیں ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو، اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک پردہ ہے۔ لہٰذا تم اپنا کام کرو، بے شک ہم اپنا کام کرنے والے ہیں۔ (اے رسول ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تمہارے جیسا ہی ایک بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔ پس تم اسی کی طرف استقامت اختیار کرو، اور اسی سے بخشش طلب کرو اور مشرکوں کے لیے ہلاکت ہے۔ جو زکاۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ آپ کہہ دیجئے کیا تم واقعی اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ وہ تو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور اس نے اس زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس

میں برکتیں رکھیں اور اس میں (غذاؤں کا) اندازہ لگایا۔ یہ سارا کام چار دنوں میں ہوا۔ پوچھنے والوں کے لیے ٹھیک جواب ہو گیا۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ دھوا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اور زمین سے کہا کہ تم خوشی یا ناخوشی سے آؤ، تو ان دونوں نے کہا: ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ پھر اس اللہ تعالیٰ نے انہیں دو دنوں میں سات آسمان بنا دیا اور ہر آسمان میں اس کے کام کا الہام کر دیا اور ہم نے دنیاوی آسمان کو چراغوں (ستاروں) سے رونق بخشی اور اس کی حفاظت فرمائی۔ یہ نہایت غالب، خوب جاننے والے کی تدبیر ہے۔ پس وہ اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دیجیے کہ میں نے تمہیں ایسی (آسمانی) کڑک سے ڈرا دیا ہے جو عاد اور ثمود کی کڑک کی طرح ہو گی"۔

رسول مکرم ﷺ کی زبان رسالت سے ان آیات مبارکات کو سنتے ہی عتبہ پر سکتہ طاری ہو گیا اور خوف زدہ ہو کر خدمت نبوی میں درخواست کی کہ: حَسْبُكَ۔ "بس کیجیے"۔ آپ ﷺ نے تلاوت مکمل کی تو وہ کہنے لگا: مَا عِنْدَكَ غَيْرَ هٰذَا؟ کیا آپ کے پاس اس (قرآن مجید) کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔[1]

رسول مکرم ﷺ نے پھر اسی سورت کو آگے سے پڑھنا شروع کر دیا۔ عتبہ آیات قرآنی میں پہلی قوموں کی تباہی، بربادی اور عذاب الٰہی کی وعید سن کر مزید گھبرا گیا اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی پیٹھ کے پیچھے زمین پر رکھ کر ان کا سہارا لیے خاموشی سے قرآن حکیم کی تلاوت سنتا رہا۔ رسول مکرم ﷺ نے اس سورۃ مبارکہ کی اڑتیس (38) آیات تلاوت فرمائیں اور سجدہ تلاوت کیا۔ سجدہ تلاوت سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے عتبہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"قَدْ سَمِعْتَ يَا أَبَا الْوَلِيدِ مَا سَمِعْتَ، فَأَنْتَ وَذَاكَ"

"اے ابوالولید! آپ نے جو سننا تھا سن لیا، اب تم جانو اور وہ (قرآن مجید)

---

(1) السیرۃ النبویہ لابن کثیر: 1/502

جانے"۔[1]

حضرات! پھر عتبہ بن ربیعہ جب سرداران قریش کے پاس آیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات، مذاکرات اور قرآنی آیات پر جو تبصرہ کیا وہ ایک دلچسپ اور عجیب داستاں ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ فی الوقت عرض یہ کر رہا ہوں کہ عتبہ نے قریش مکہ کے سفیر، نمائندے اور قاصد کی حیثیت سے رسول اکرم ﷺ کو دولت، جاہ و منزلت، حکومت اور عورت کے لالچ دیئے کہ کسی طرح آپ ﷺ کے پائے استقامت میں لغزش پیدا کی جا سکے مگر سیرت رسول کا ایک ایک ورق اور زبان نبوت کا ایک ایک لفظ اس امر کا گواہ ہے کہ:

صداقت کے بیاں کرنے سے مومن رک نہیں سکتا
اتر سکتا ہے سر خود دار کا، پر جھک نہیں سکتا

اور

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے اَبلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی نالاں مجھ سے، بیگانے بھی ہیں ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾(الاحقاف:13)

"یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر استقامت اختیار کی تو ان پر کوئی خوف نہیں ہے اور وہ غمگین بھی نہیں ہو گے"۔

استقامت کا پہاڑ:

ہادی عالم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ بالخصوص مکی زندگی کا مطالعہ کیا جائے

[1] السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 294/1

تو یہ امر روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہوتا ہے کہ آپ ﷺ واقعتاً اور حقیقتاً صبر و استقامت کا پہاڑ تھے۔ تبلیغ توحید، اشاعت اسلام اور دعوت الی القرآن کی پاداش میں آپ ﷺ کو اتنا ستایا گیا کہ اگر آپ کی جگہ اور کوئی ہوتا تو بہت جلد دعوتی سرگرمیاں ترک کر دیتا اور تبلیغی میدان سے راہ فرار اختیار کر لیتا مگر رسول محترم ﷺ نے قریش مکہ کی طرف سے دی جانے والی تمام اذیتوں، تکلیفوں اور مصیبتوں کا صبر و ثبات سے مقابلہ کیا اور کسی سطح پر بھی آپ ﷺ کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دشمنان اسلام کی سازشوں، تدبیروں اور حرکتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کی چالیں ایسی خطرناک اور مضبوط تھیں کہ ان کی وجہ سے ممکن ہے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے سرک جائے مگر آپ ﷺ کے پائے استقامت میں معمولی لغزش بھی نہیں آئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝﴾ (ابراہیم: 46)

”اور یقیناً وہ اپنی سازشیں تیار کر چکے ہیں اور ان کی تمام چالیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہیں اور ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان کی وجہ سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جاتے“۔

رسول اکرم ﷺ کے مخالفین و معاندین آپ کو پریشان کرنے، اذیتیں دینے اور اشاعت اسلام سے باز رکھنے کے نت نئے طریقے اختیار کرتے، وہ آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے، استہزاء کرتے، آپ پر آوازے کستے، اشارے کرتے اور حقارت و نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ مگر آپ ﷺ ان کی ہر حرکت اور اذیت کو بڑے صبر و سکون، استقلال و استقامت اور وقار و متانت کے ساتھ برداشت فرماتے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب اور جزا کی امید رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کے خادم خاص جناب انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ کفار کی طرف سے دی جانے والی تکلیفوں اور اذیتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

«لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ، وَلَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ، وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُونَ مِنْ بَيْنِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَمَا لِي وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيهِ إِبْطُ بِلَالٍ»[1]

"البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ کے راستے میں جتنا مجھے خوف زدہ کیا گیا، اتنا کسی اور کو نہیں کیا گیا۔ اور میرے جتنی تکلیفیں اور اذیتیں بھی کسی اور کو نہیں دی گئیں اور (کئی بار) مجھ پر پورا مہینہ ایسا بھی گزرا کہ میرے اور بلال (رضی اللہ عنہ) کے پاس کسی جاندار کے کھانے والی کوئی چیز نہیں تھی، سوائے اس معمولی چیز کے جسے بلال (رضی اللہ عنہ) اپنی بغل میں چھپا لیتے تھے"۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ عام انسانوں جیسا نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے نام زد، منتخب اور خاص بندوں کے صبر واستقامت، خلوص وللّٰہیت اور تسلیم ورضا کا بار بار امتحان لیتا ہے اور وہ اولو العزم رسول جب امتحانات الٰہی میں کامیابی اور سرخروئی حاصل کرتے ہیں تو اللہ رب العزت ان کے درجات کو اور زیادہ بلندیاں عطا فرماتا ہے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے سخت اور زیادہ آزمائشوں میں کون لوگ مبتلا کیے جاتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ، فَيُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسْبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ دِينُهُ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ، وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلَى حَسْبِ دِينِهِ، فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ مَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ»[2]

"سب سے زیادہ آزمائشوں اور امتحانوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کو مبتلا کیا جاتا ہے

---

(1) جامع ترمذی، ابواب صفة القیامة والرقائق .... : 2472، قال الالبانی ، صحیح

(2) جامع ترمذی، ابواب الزهد ،باب ماجاء فی الصبر علی البلاء:2398، قال الالبانی ، حسن صحیح

پھر ان کی طرح (دین کی تبلیغ واشاعت کرنے والے) لوگوں کو، پھر ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کو، ہر آدمی کو اس کے دین کے مطابق ہی آزمایا جاتا ہے، اگر اس کا دین مضبوط اور قوی ہو تو اس کا امتحان بھی سخت ہوتا ہے اور اگر اس کے دین میں ضعف اور کمزوری ہو تو اس کی آزمائش بھی اس کی دینداری کے مطابق ہی کی جاتی ہے۔ پھر بسا اوقات بندہ مسلسل آزمائشوں کا شکار رہتا ہے یہاں تک کہ جب امتحانات سے چھٹکارا پاتا ہے تو زمین پر ایسے چلتا ہے کہ تمام قسم کی غلطیوں اور خطاؤں سے پاک اور صاف ہوتا ہے"۔

اس حدیث مبارکہ کے مطابق آپ ﷺ کی عظمت و فضیلت اور رفعت و منقبت کے باعث سب سے سخت اور کڑا امتحان آپ ﷺ کا لیا گیا۔ اور ایک نہیں بلکہ متعدد امتحانات ہوئے اور آپ ﷺ نے ہر مشکل سے ہر مشکل امتحان میں صبر و ثبات اور استقلال و استقامت کا مظاہرہ فرمایا۔ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

استقامت ذریعہ حفاظت:

یہ رسول رحمت ﷺ کی استقامت، صبر اور استقلال کا نتیجہ اور صلہ تھا کہ اللہ رب العزت نے ہر میدان، ہر جگہ اور ہر مقام پر آپ ﷺ کی حفاظت اور صیانت فرمائی اور دشمنان رسول ہزار کوششوں، منصوبوں اور سازشوں کے باوجود آپ ﷺ کا کوئی نقصان نہ کر سکے اور کئی مرتبہ قتل کے حتمی اور قطعی فیصلوں کے باوجود آپ کا بال بھی بیکا نہ سکے۔

آپ ﷺ کے چچازاد بھائی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

"ایک مرتبہ قریشی سردار کعبۃ اللہ کے پاس "حطیم" میں جمع ہوئے اور سب نے اپنے معبودوں لات، عزیٰ، منات، نائلہ اور اساف کی قسمیں کھا کر معاہدہ کیا کہ جب بھی محمد (ﷺ) ہمیں نظر آئیں تو ہم سب مل کر یکبارگی ان پر حملہ آور ہوں گے اور انہیں قتل کیے بغیر پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ کسی طرح اس منصوبے اور سازش کی خبر رسول اکرم ﷺ کی لختِ جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تک

پہنچ گئی تو وہ روتی ہوئی اپنے والد گرامی کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ قریشی سرداروں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا ہے اور یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ آپ کو دیکھتے ہی آپ پر ٹوٹ پڑیں گے اور یکبارگی حملہ کر کے آپ کا کام تمام کر دیں گے۔

والد گرامی! ان میں ہر شخص آپ کے خون کا پیاسا اور آپ کے قتل کرنے کے لیے بے تاب و بے قرار ہے (لہٰذا آج آپ عبادت کی غرض سے مسجد حرام میں نہ جائیں)

امام الرسل ﷺ نے پیاری بیٹی کی زبانی صورت حال سن کر فرمایا: " يَا بُنَيَّةُ، أَرِينِي وَضُوءًا " میری پیاری بیٹی! تم میرے لیے وضو کا پانی لاؤ (سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پانی پیش کیا) تو آپ ﷺ نے وضو کیا۔ اور کمال اطمینان، پورے وقار اور نہایت تسلی کے ساتھ ان سرداروں کے پاس مسجد حرام میں تشریف لے گئے۔ جب ان ظالموں نے آپ ﷺ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو سب نے بآواز بلند نعرہ لگایا کہ: هَا هُوَ ذَا "لو، وہ آگیا"۔ یہ کہتے ہی ان کی آنکھیں جھک گئیں۔ گردنیں لٹک کر سینوں سے لگ گئیں اور حیران و پریشان ہو کر وہیں بیٹھے رہے۔ اور کسی کو آپ ﷺ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات و جسارت نہ ہوئی۔ پھر آپ ﷺ ان کے قریب تشریف لائے یہاں تک کہ ان کے سروں پر آکر کھڑے ہو گئے۔ "فَأَخَذَ قَبْضَةً مِنَ التُّرَابِ، فَقَالَ: " شَاهَتِ الْوُجُوهُ " ثُمَّ حَصَبَهُمْ بِهَا" پھر آپ ﷺ نے مٹھی بھر مٹی لے کر ان کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: (تمہارے) چہرے بگڑ جائیں۔ جس جس بدنصیب پر وہ مٹی گری وہ بدنصیب بدر کی لڑائی کے دن کفر کی حالت میں جہنم رسید ہو گیا"۔ (۱)

آپ نے اس واقعہ صحیحہ پر غور فرمایا کہ جو لوگ آپ ﷺ کے قتل کی سازش تیار کر

(۱) مسند احمد، مسند عبد اللہ بن عباس، حدیث: 2462، قال شعیب الارناؤط، اسنادہ حسن

چکے اور آپ کو دیکھتے ہی یکبارگی حملے کی منصوبہ بندی کر چکے تھے۔ وہ آپ ﷺ کی استقامت کے باعث آپ کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھ بھی نہ سکے اور آپ ﷺ ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے بحفاظت واپس تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کی حفاظت کا یہی وہ وعدہ ہے جو رب العالمین نے جناب رحمۃ للعالمین سے فرمار کھا تھا کہ:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدہ:67)

"اور اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا"۔

رسول اکرم ﷺ کے دفاع، حفاظت اور صیانت کا یہ صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ آپ ﷺ کے صبر و ثبات اور استقلال و استقامت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے متعدد بار آپ کی حفاظت فرمائی اور مشرکین مکہ آپ کو نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ فی الحال صرف مزید ایک واقعہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"ایک مرتبہ ابو جہل (دشمن رسول) نے سرداران قریش سے کہا کہ محمد (ﷺ) تمہارے سامنے بیت اللہ میں اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہے یعنی اپنے رب کے حضور سجدہ کرتا ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ (وہ اپنے طریقے کے مطابق خانہ کعبہ میں عبادت کرتا ہے) تو ابو جہل نے لات و عزیٰ (اپنے معبودوں) کی قسم کھا کہا کہ: لَئِنْ رَأَيْتُهُ يَفْعَلُ ذَالِكَ لَأَطَأَنَّ عَلٰى رَقَبَتِهٖ اگر میں نے اسے خانہ کعبہ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھ لیا تو میں گردن کو روند ڈالوں گا یا اس کے چہرے پر مٹی مل دوں گا۔ **استغفر اللہ. معاذ اللہ**

ابوجہل کی اس قسم اور دعویٰ کے تھوڑی دیر بعد ہی رسول مکرم ﷺ حرم شریف میں تشریف لے آئے اور نماز میں مصروف ہو گئے تو ابوجہل آپ ﷺ کی گردن روندنے کے لیے آگے بڑھا لیکن فوراً ہی خوف زدہ ہو کر اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے مڑا اور اپنے ہاتھ ہلا ہلا کر اپنے آپ کو بچانے کی

کوشش کرنے لگا۔ سرداران قریش نے ابو جہل کی یہ حالت دیکھ کر اس سے پوچھا۔ مَالَكَ؟ تمہیں کیا ہوا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ جب میں محمد (ﷺ) پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھا تو مجھے نظر آیا کہ: إِنَّ بَيْنِي وَبَيْنَهُ لَخَنْدَقًا مِنْ نَارٍ وَهَوْلًا وَأَجْنِحَةً میرے اور اس (محمد ﷺ) کے درمیان آگ کی خندق، ہولناک اژدھا اور (فرشتوں کے) پر ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: اگر وہ میرے قریب آ جاتا تو فرشتے اس کے جسم کے ایک ایک عضو کو اچک لیتے"۔[1]

اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى ۙ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ؕ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۙ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ ﴾

(العلق:6-19)

"ہرگز نہیں بے شک انسان تو البتہ سرکشی کرتا ہے۔ یہ کہ وہ خود کو بے پرواہ سمجھتا ہے۔ بلاشبہ واپسی تو آپ کے رب کی طرف ہے۔ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندے کو منع کرتا ہے، جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے، اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو۔ یا تقویٰ کا حکم دیتا ہو۔ کیا آپ نے دیکھا اگر وہ (حق کو) جھٹلاتا اور (اس سے) منہ موڑتا ہو؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ بے شک اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ ہرگز نہیں! اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اُسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر ضرور گھسیٹیں گے۔ ایسی پیشانی جو جھوٹی، خطاکار ہے۔ پس اسے چاہیے کہ وہ اپنے ہم مجلسوں کو بلا لیں۔ عنقریب ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں

[1] صحیح مسلم، کتاب صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ، بَابُ قَوْلِهِ: إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَى:2798

گے۔ ہر گز نہیں! آپ اس کی اطاعت نہ کریں۔ اور سجدہ کریں اور (اللہ تعالیٰ) کا قرب حاصل کریں"۔

استقامت و حفاظت کا عجیب واقعہ:

نبی محترم ﷺ کی مکی زندگی میں آپ ﷺ کو جسمانی اور روحانی اذیتوں اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ علیہ السلام کو پاگل، دیوانہ، مجنون اور جادوگر کہا گیا۔ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ زخمی کیا گیا، طواف کعبہ سے زبردستی روکا گیا۔ آپ کے گلے میں کپڑا ڈال کر گھسیٹنے کی کوشش کی گئی۔ آپ کے بیٹوں کی وفات پر خوشیاں منائی گئیں۔ لوگوں کو آپ کے قریب آنے سے روکا گیا، آپ ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔ آپ کا مذاق اڑایا گیا اور آپ ﷺ کو جلا وطن کرنے کا پروگرام بنایا گیا مگر اس سب کچھ کے باوجود آپ ﷺ نے استقامت کا دامن نہیں چھوڑا اور کفار کے ظلم و ستم کا ہمیشہ خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ یہ آپ ﷺ کے صبر و استقامت کی برکت تھی کہ آپ کے دشمن ذلیل و رسوا ہوئے اور ہر موقع پر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آپ کی حفاظت فرمائی بلکہ آپ کو ہر میدان میں کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہم کنار فرمایا۔

آپ ﷺ کو زیادہ اذیت دینے والوں میں "ابو جہل" بھی شامل تھا۔ اس دشمن مصطفیٰ کا نام عمرو بن ہشام اور کنیت ابو الحکم تھی، بڑا ضدی، ہٹ دھرم اور متکبر انسان تھا۔ اپنی جہالت، حماقت اور عداوت کی بنا پر مسلمانوں میں ابو جہل کے نام سے معروف تھا۔ رسول محترم ﷺ کی مخالفت اور آپ کو اذیتوں میں مبتلا کرنے والوں میں سر فہرست تھا۔ ابو جہل لعین اور اس کے حواریوں کو جب اس امر کا یقین ہو گیا کہ رسول مکرم ﷺ "تبلیغ توحید" سے کسی صورت دستبردار نہیں ہوں گے تو انہوں نے آپ ﷺ کو راستے سے ہٹانے اور آپ کی زندگی کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور ابو جہل لعین نے رؤسائے قریش کے اجتماع میں اعلان کیا کہ یہ کام میں کروں گا اور اس محمد (ﷺ) کو پتھر مار کر ہلاک کر دوں گا۔ اس بدبخت نے اپنے برے عزائم کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"اے گروہ قریش! تمہیں معلوم ہے اور تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ محمد (ﷺ) ہمارے دین کا انکاری ہے اس میں عیوب نکالتا، ہمارے آباء و اجداد کو گالیاں دیتا، ہمارے داناؤں کو احمق گردانتا اور ہمارے معبودوں کی تردید و مذمت کرتا ہے، اب میں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی اور اس سے وعدہ کیا ہے کہ کل صبح مجھ سے جتنا بھاری پتھر اٹھایا جا سکا، اٹھاؤں گا اور جب وہ (محمد ﷺ) حالت سجدہ میں ہوں گے تو پتھر سے ان کا سر کچل دوں گا، پھر تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ تم میرا دفاع کرو، یا مجھے اس کے ورثاء بنو عبد مناف کے حوالے کر دو۔ وہ میرے ساتھ جو بھی سلوک کریں، مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ قریش نے ابو جہل کو یقین دلایا کہ تم محمد (ﷺ) کے خلاف جو بھی اقدام کرو۔ ہم تمہیں ہرگز ان کے حوالے نہیں کریں گے۔ لہٰذا تم اپنا ارادہ اور پروگرام پایہ تکمیل تک پہنچاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

جب صبح ہوئی تو ابو جہل حسب پروگرام بھاری پتھر لے کر رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگا۔ آپ ﷺ حسب معمول علی الصبح گھر سے حرم تشریف لائے اور رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ قریش اپنی مجالس میں بیٹھے ابو جہل کی کاروائی کا انتظار کر رہے تھے جونہی آپ ﷺ سجدے میں گئے تو ابو جہل نے پتھر اٹھایا اور آپ ﷺ پر حملہ آور ہونے کیلئے آگے بڑھا تو اچانک بدحواس ہو کر واپس پلٹ آیا، رنگ زرد ہو گیا اور ایسا مرعوب ہوا کہ دہشت اور خوف کے باعث پتھر اس کے ہاتھ سے گر گیا۔

رؤسا قریش ابو جہل کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی بری حالت دیکھ کر اس سے پوچھا اے ابو الحکم! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ ابو جہل نے جواب دیا کہ میں تو اس کا سر کچلنے گیا تھا جیسا کہ رات میں نے آپ لوگوں کو بتایا تھا لیکن جونہی میں اس کے قریب ہوا تو میرے اور اس کے درمیان ایک طاقت ور اونٹ حائل

ہو گیا۔ اللہ کی قسم! میں نے آج تک اس جیسی کھوپڑی، لمبی گردن اور خوفناک دانت کسی اونٹ کے نہیں دیکھے۔ وہ اونٹ تو مجھے کھا جانے لگا تھا۔ میں نے تو بھاگ کر جان بچائی ہے۔

رسول محترم ﷺ نے فرمایا: "ذَالِكَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ. لَوْ دَنَا لَأَخَذَهُ" وہ تو جبریل علیہ السلام تھے (جنہیں اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کی خاطر بھیجا تھا) اگر ابو جہل آگے آتا تو انہوں نے اسے پکڑ لینا تھا"۔ (۱)

یہ واقعہ بھی اس امر پر شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے توحید کی نشر و اشاعت کے راستے میں بڑی تکالیف و مصائب اور آلام برداشت کیے اور آپ ﷺ نے ہمیشہ صبر و استقامت سے کام لیا۔ اسی استقلال و استقامت کا نتیجہ اور صلہ تھا کہ رب العالمین نے آپ ﷺ کے تحفظ و دفاع کا عجیب و غریب انتظام فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توحید و سنت پر استقامت نصیب فرمائے۔ آمین

حرم کے خطیب اوّل کی استقامت:

جس طرح اللہ تعالیٰ کے آخری رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے زندگی بھر استقامت، صبر و ثبات اور استقلال کا مظاہرہ فرمایا۔ اسی طرح آپ ﷺ کے رفقاء کرام اور اصحاب عظام رضی اللہ عنہم نے بھی استقامت کی عمدہ اور نادر مثالیں پیش فرمائیں۔ سیدنا بلال، جناب خباب، سیدہ زنیرہ، جناب عمار، سیدنا یاسر، جناب صہیب، سیدنا مصعب، جناب خبیب، سیدنا حبیب بن زید، جناب عبداللہ بن ذو البجادین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مثالی صبر ،لازوال استقامت اور مصائب و آلام سے کون واقف نہیں ہے۔ مگر ہم فی الوقت جس عظیم صحابی کی بے مثال استقامت کا ایک واقعہ پیش کرنے جا رہے ہیں، وہ ہیں کعبۃ اللہ کے صحن میں کھڑے ہو کر توحید الٰہی کے موضوع پر خطاب کرنے والے "اول خطیب" پہلے

---

(۱) السيرة النبويه لابن هشام، ما حدیث لابی جهل حين هم بالقاء الحجر على الرسول ﷺ: ۱/ 299-298

مسلمان، سرکار دو عالم ﷺ کی یار غار، راز دان رسول، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مکی دور میں:

"جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اڑ تیس (38) افراد پر مشتمل جماعت تیار ہو گئی تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی میں عرض کی کہ اب ہمیں علی الاعلان اسلام کی تبلیغ کرنی چاہیے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّا قَلِيلٌ "اے ابو بکر! ابھی ہم تعداد میں کم ہیں (لہٰذا ہمیں اتنا بڑا قدم نہیں اٹھانا چاہیے) مگر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اس امر پر مسلسل اصرار کرتے رہے (اسی دوران اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اعلانیہ تبلیغ کا حکم نازل ہو گیا) تو آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت کا سر عام اعلان کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو حرم شریف کے ارد گرد پھیل گئے، مگر رسول اللہ ﷺ صحن کعبہ میں تشریف فرما رہے۔ اسی دوران سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حرم کعبہ میں کھڑے ہو کر خطاب شروع کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ پہلے خطیب تھے جنہوں نے عوام کے روبرو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کی اعلانیہ دعوت پیش فرمائی۔

مشرکین مکہ کو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس جرات پر بڑا غصہ آیا اور انہوں نے مسجد حرام کے اندر اور ارد گرد موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بے رحمانہ تشدد کیا، خوب پٹائی کی اور گہرے زخم لگائے۔ عتبہ بن ربیعہ جو ایک کافر و فاسق شخص تھا۔ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی، چہرہ زخمی کر دیا اور آپ کے پیٹ پر چڑھ کر اتنا مارا کہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چہرے کی شناخت مشکل ہو گئی۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنو تیم کو صورت حال معلوم ہوئی تو جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کو چھڑانے کے لیے دوڑتے ہوئے آئے۔ لیکن ان کے پہنچنے تک آپ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو کر بے ہوش پڑے تھے اور مشرکین انہیں چھوڑ کر دور ہٹ گئے تھے۔ بنو تیم نے آپ رضی اللہ عنہ کو کپڑے میں لپیٹ کر گھر پہنچایا، انہیں آپ کے زندہ بچ جانے

کی کوئی امید نہ تھی، اس لیے انہوں نے (خاندانی تعلق کی بنا پر) حرم میں آکر اعلان کیا کہ: اگر ان زخموں کے باعث ابو بکر کی موت واقع ہوگئی تو ہم عتبہ کو کسی صورت میں نہیں چھوڑیں گے اور اسے قتل کر کے ابو بکر کی موت کا انتقام لے کر رہیں گے۔ یہ اعلان کرنے کے بعد وہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر آ گئے اور آپ رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ کے ساتھ مل کر آپ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ تا آنکہ شام کے قریب آپ کو ہوش آ گیا تو ہوش میں آتے ہی انہوں نے پہلا سوال یہ کیا" مَا فُعِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ اس سوال پر بنو تیم (جو مسلمان نہیں تھے بلکہ محض قبیلے اور خاندانی تعلق کی بنا پر ہمدردی کر رہے تھے) ناراض ہو گئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے اور جاتے ہوئے جناب ابو بکر کی والدہ سیدہ ام خیر (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئی تھیں) سے کہہ گئے۔ کہ انہیں کچھ کھلاؤ اور پلاؤ (تاکہ صحت بحال ہو) سیدہ ام خیر آپ رضی اللہ عنہ کو بار بار کھانے کا کہہ رہی تھیں اور آپ یہی سوال دہرائے جا رہے تھے کہ: "مَا فُعِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "میرے محبوب اور اللہ کی رسول ﷺ کا کیا حال ہے؟ والدہ محترمہ نے غصہ میں آکر جواب دیا: "وَاللهِ مَالِيْ عِلْمٌ بِصَاحِبِكَ" اللہ کی قسم! مجھے تمہارے ساتھی (محمد ﷺ) کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے کہ وہ کس حال میں ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں درخواست کی کہ ام جمیل بنت خطاب رضی اللہ عنہا کے پاس جائیں اور ان سے رسول محترم ﷺ کا حال معلوم کریں، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ، ام جمیل کے پاس گئیں اور ان سے آپ ﷺ کی خیریت معلوم کی۔ تو انہوں نے (حالات کی نزاکت کے باعث مصلحتاً) فرمایا کہ میں "کسی ابو بکر اور محمد بن عبد اللہ کو نہیں جانتی" البتہ اگر تم پسند کرو تو میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس جانے کو تیار ہوں۔ ام خیر نے کہا: ٹھیک

ہے، چلو۔ چنانچہ ام جیل رضی اللہ عنہا، ام خیر کے ہمراہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائیں تو آپ شدید زخمی حالت میں بستر پر نڈھال پڑے تھے۔ ام جمیل یہ منظر دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں اور بے ساختہ رو پڑیں اور درد بھرے لہجے میں فرمانے لگیں کہ جن لوگوں نے آپ پر یہ ظلم و ستم کیا ہے، اللہ کی قسم: وہ کافر و فاسق ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے ضرور انتقام لے گا۔

جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ام جمیل رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ مجھے جلدی سے بتاؤ کہ محبوب مکرم ﷺ کا کیا حال ہے؟ ام جمیل رضی اللہ عنہا نے احتیاطاً عرض کی، آپ کی والدہ ہماری گفتگو سن رہی ہیں (کہیں راز فاش نہ ہو جائے) تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تب ام جمیل رضی اللہ عنہا جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ آپ ﷺ بالکل ٹھیک، صحیح سلامت اور خیریت کے ساتھ دار ارقم میں تشریف فرما ہیں۔ تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تک میں اپنے محبوب ﷺ سے ملاقات اور آپ کی زیارت نہیں کروں گا، اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاؤں گا، نہ پیئوں گا۔ چنانچہ کچھ دیر انتظار کے بعد جب تاریکی چھا گئی اور آمد و رفت ختم ہو گئی تو سیدہ اُمِّ جمیل رضی اللہ عنہا اور سیدہ اُمِّ خیر کے سہارے آپ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں دیکھ کر رسول محترم ﷺ پر رقت طاری ہو گئی۔ صدیق اکبر کو بوسہ دیا اور محبت و شفقت کا اظہار فرمایا۔ دار ارقم میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ابو بکر کی تکلیف کو دیکھ کر بڑے آزردہ اور غمگین ہوئے۔

جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کو محبوب مکرم ﷺ کا غم برداشت نہ ہوا۔ نہایت پامردی سے عرض کی۔ اے اللہ رسول ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ پریشان نہ ہوں، صرف چہرے پر زخم ہیں ان شاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ مزید عرض کی آقا! یہ میری والدہ مکرمہ ہیں۔ یہ اپنے بیٹے (میرے) ساتھ بڑی نیکی اور حسن سلوک کرنے والی ہیں۔ آپ کی ذات بڑی بابرکت ہے۔

ان کے لیے دعا فرما دیجئے اور انہیں اسلام کی دعوت بھی پیش فرمائیے۔ شائد اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے میری ماں کو جہنم سے آزاد فرما دے۔ آپ ﷺ نے ام خیر کیلئے دعا فرمائی انہیں اسلام کی دعوت دی تو سیدہ ام خیر اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد انتالیس ہو گئی اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہینہ بھر دار ارقم میں ہی اقامت پذیر رہے"۔[1]

یہ ہے حرم کعبہ کے خطیب اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی استقامت، آپ کا صبر، حوصلہ، رسول اکرم ﷺ سے محبت والفت، والدہ مکرمہ سے خیر خواہی اور امام الرسل ﷺ سے تعلق خاص۔

استقامت صدیق پر علی المرتضیٰ کا تبصرہ:

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ صبر و استقامت کے ایسے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے کہ اسد اللہ اور حیدر کا لقب پانے والے سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ان کی شجاعت، استقامت اور ثبات قدم کو خراج تحسین پیش فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ:

"ایک مرتبہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سامعین سے دریافت فرمایا: "مَنْ أَشْجَعُ النَّاسِ؟ "لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ تو عوام نے جواب دیا کہ: آپ ہی سب سے بہادر ہیں۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، میں سب سے بڑا بہادر نہیں ہوں کیونکہ مجھے تو جس نے مقابلے اور مبارزت کیلئے بلایا تو میں نے اس کے ہاتھ انصاف کیا یعنی اس کا مقابلہ کر کے اسے شکست سے دو چار کیا۔ لیکن سب سے بڑے بہادر تو جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس کی دلیل وہ واقعہ ہے۔ جب میری آنکھوں نے یہ منظر دیکھا کہ قریش مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو پکڑا ہوا تھا، آپ ﷺ سے بدتمیزی کر رہے اور مار پیٹ میں مصروف تھے اور کہہ رہے تھے کہ: "أَنْتَ تَجْعَلُ

---

(1) السیرۃ النبویۃ لابن کثیر: 1/ 439۔ 441

الْآلِهَةَ إِلٰهًا وَاحِدًا " تو یہ وہ شخص جس نے تمام معبودوں کو چھوڑ کر ایک معبود بنا لیا ہے۔ اس الم ناک صورت حال میں سوائے ابو بکر کے ہم میں سے کوئی شخص بھی ان کے قریب نہ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا دشمنان اسلام سے دفاع کر رہے، آپ پر تشدد کرنے والوں کو روک رہے اور زیادتی کرنے والوں کو شدید ضربیں لگا رہے اور زبان سے فرما رہے تھے: "وَيْلَكُمْ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ" "تم ہلاک ہو جاؤ، کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے"۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رو پڑے۔ اور لوگوں سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر بتاؤ کہ کیا آل فرعون کا مومن افضل تھا یا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت زیادہ ہے؟ لوگ اس سوال پر خاموش رہے تو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "وَاللهِ لَسَاعَةٌ مِنْ أَبِي بَكْرٍ خَيْرٌ مِنْهُ" اللہ کی قسم! ابو بکر رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک لمحہ اس کی ساری عمر سے افضل ہے۔ کیونکہ وہ یعنی آل فرعون کا شخص اپنے ایمان کو چھپاتا تھا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے ایمان کا برملا اظہار و اعلان فرما رہے تھے"۔[1]

رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے یہ چند واقعات ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کا مکی دور بڑے صبر، حوصلے اور استقامت سے گزارا، پھر ہجرت مدینہ کے بعد بھی آپ نے بڑے مصائب، مشکلات اور تکالیف کا استقلال و پامردی سے مقابلہ کیا، مگر مدنی دور میں پریشانیوں، اذیتوں اور مسائل کی صورت مکی دور سے مختلف تھی۔ مدنی زندگی میں آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اہل کفر و نفاق اور دشمنان اسلام کی ان سازشوں، تدبیروں اور حملوں کا سامنا تھا جن کے ذریعے وہ اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دینا چاہتے تھے۔ یہی وہ پر آشوب دور ہے جس میں آپ ﷺ اور آپ کے مخلص جان بازوں کو جنگوں، لڑائیوں اور غزوات کے میدانوں میں مسلح تصادم کا سامنا کرنا پڑا۔ ان غزوات و سرایا میں کئی مرتبہ ایسے شدید مراحل اور مواقع بھی آئے جہاں بڑے

(1) رواه البزار، فتح الباری، کتاب مناقب الانصار: 3856، 7/214

بڑے بہادروں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے مگر تاریخ اسلام اور کتب سیر و احادیث اس امر پر گواہ ہیں کہ رسول مکرم ﷺ نے کٹھن سے کٹھن حالات میں بھی کمال استقلال و استقامت کا مظاہرہ فرمایا۔

غزوۂ حنین کے موقع پر جب ہوازن قبیلہ کے تیر اندازوں کی بوچھاڑ کے باعث اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قدم اکھڑ گئے تو آپ ﷺ استقامت کے کوہ گراں کی طرح میدان جنگ میں ڈٹے رہے اور مسلسل اعلان فرماتے رہے کہ:

«أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ___ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ»

"میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے اور میں عبد المطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں یعنی بہادر خاندان کا فرد ہوں"۔[1]

آپ ﷺ کے اسی اسوۂ حسنہ کی بدولت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہر میدان میں استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ اور دنیا کا کوئی ظلم و جور، ترغیب و تحریص اور مصائب و تکالیف انہیں راہ راست سے نہ بہکا سکیں اور نہ ہٹا سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دین پر استقامت نصیب فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ٥

---

(1) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قول اللہ تعالیٰ: ویوم حنین ....: 4315

6

عبادت مصطفیٰ ﷺ

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب 33 : 21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

ہر قسم کی حمد و ثناء، تعریف و تسبیح اور بڑائی و کبریائی اللہ رب العزت کے لیے خاص ہے جو سارے جہانوں کا خالق، مالک، رازق اور حاکم ہے۔ ساری کائنات اسی کی محتاج مگر وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہ سب کو کھلاتا ہے مگر خود نہیں کھاتا، سب کو پلاتا ہے مگر خود نہیں پیتا، سب کو سلاتا ہے مگر خود نہیں سوتا، وہی نفع و نقصان کا مالک ہے، وہی زندگی بخشنے والا اور موت سے دوچار کرنے والا ہے، بیماری اور شفاء کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے، وہی دعاؤں کو سننے والا، قبول کرنے والا اور تمام انسانی حاجات و ضروریات کو پورا کرنے والا ہے۔ ہر قسم کی عبادات کا مستحق صرف وہی اکیلا ہے۔ تمام انبیاء، اولیاء، اصفیاء اور شہداء و صلحاء اسی کے در کے سوالی ہیں۔

لاتعداد و بے شمار درود و سلام امام الانبیاء، سید الاتقیاء، قدورۃ الصلحاء، شافع روز جزا، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر جنہیں رب العالمین نے رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا جن کی اطاعت و اتباع ذریعہ نجات اور حکم عدولی و نافرمانی باعث عذاب ہے۔ جن پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور تمام اہل ایمان کو ان پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ، وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی إِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی آلِ إِبْرَاهِیْمَ، إِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ، وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی إِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی آلِ إِبْرَاهِیْمَ، إِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کی متعدد آیات میں رسول مکرم ﷺ، نبی معظم، رحمت مجسم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت و اتباع کرنے، آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے اور آپ ﷺ کی پیروی کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ان بیسیوں قرآنی آیات میں سے ایک سورۃ الاحزاب کی یہ آیت ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ (الاحزاب 33 : 36)

"کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کے لئے اپنے معاملہ میں کچھ اختیار باقی رہ جائے اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے تو وہ صریحاً گمراہ ہو گیا"۔

اس آیت مبارکہ نے اس امر کی صراحت اور وضاحت کر دی کہ ہر مومن و مسلمان مرد و عورت کا فرض ہے کہ وہ اپنی معاشرتی، سماجی، معاشی، اقتصادی، سیاسی، تمدنی، مذہبی، دینی، انفرادی، اجتماعی، خانگی، کاروباری، تجارتی اور ذاتی زندگی کے ہر معاملے میں امام المرسلین ﷺ کے طریقے کو اپنائے، آپ ﷺ کے فیصلوں کا احترام اور آپ ﷺ کی سیرت پاک کے تمام پہلوؤں پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت بہتر بنانے کی کوشش کرے۔

رسول مکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے چند گوشوں، پہلوؤں اور حصوں کا ذکر ہم پچھلے خطبات و صفحات میں کر چکے ہیں۔ آج ہم بتوفیق اللہ تعالیٰ نبی معظم ﷺ کے "شوق عبادت الٰہی" کا ذکر خیر کرنا چاہتے ہیں اور اس سے ہماری غرض صرف یہ ہے کہ امت مسلمہ کے

تمام افراد آپ ﷺ کی سیرت پاک کو اپنا کر اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار، فرماں بردار اور وفاشعار بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رسول محترم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

عبادت کا مفہوم اور اقسام:

عربی لغت میں ۔ اَلْعِبَادَةُ کا معنیٰ "اَلذِّلَّةُ" عاجزی اور پستی ہے ۔بقول علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ "اَقْصیٰ غَایَةُ التَّعْظِیْم" انتہا درجے کی تعظیم اور انکساری کا نام عبادت ہے۔[1]

اصطلاح شریعت میں اللہ تعالیٰ کی انتہائی تعظیم بجالاتے ہوئے اس کے حضور اپنی بندگی ،عاجزی، انکساری اور عبودیت کا نذرانہ پیش کرنے اور اس کے احکام کو اس کے رسولوں کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق بجالانے کا نام "عبادت" ہے۔ عبادت میں عابد کے اندر نہایت درجے کی تواضع اور معبود میں اعلیٰ درجے کی عزت و تعظیم کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور اس طرح کی عبادت کا حق دار صرف اور صرف اللہ رب العالمین ہے۔ اس ذات باری تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَۙ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾(البقرہ:21-22)

"اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو فرمایا، تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ اس اللہ کی (عبادت کرو) جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا، اور آسمان سے پانی برسایا

(1) تفسیر بیضاوی، سورۃ الفاتحہ

جس سے تمہارے کھانے پینے کو پھل پیدا کئے۔ لہٰذا دوسروں کو اللہ کا شریک نہ بناؤ اور (یہ باتیں) تم جانتے بھی ہو"۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ عبادت کی جامع تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اَلْعِبَادَةُ هِيَ طَاعَةُ اللهِ بِامْتِثَالِ مَا أَمَرَ اللهُ بِهِ عَلَى أَلْسِنَةِ الرُّسُلِ"[1]

"رسولوں کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کا نام عبادت ہے"۔

لفظ عبادت کی مزید تشریح و توضیح کرتے ہوئے فرمایا:

"اَلْعِبَادَةُ اِسْمٌ جَامِعٌ لِكُلِّ مَا يُحِبُّهُ اللهُ وَيَرْضَاهُ مِنَ الْأَقْوَالِ وَالْأَعْمَالِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ"[2]

"عبادت ایک ایسا جامع نام ہے جس سے وہ تمام ظاہری اور باطنی اقوال و اعمال مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ اور محبوب ہوں اور جن پر وہ راضی ہوتا ہو"۔

اکثر اہل علم نے عبادت کی تین اور بعض نے چار اقسام بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ **قولی یا زبانی:** یعنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا، دعا و التجا کرنا، اوراد و وظائف پڑھنا اور چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے پکارنا اور آواز دینا وغیرہ۔

۲۔ **فعلی یا بدنی:** رکوع اور سجدہ کرنا، قیام کرنا اور نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، حج و عمرہ کرنا وغیرہ۔

۳۔ **مالی:** جیسے زکاۃ دینا، صدقہ و خیرات کرنا، نذر و نیاز دینا اور قربانی کرنا وغیرہ۔

۴۔ **قلبی:** جیسے توکل و اعتماد کرنا، خوف کھانا اور امید رکھنا۔ خشوع و خضوع کرنا اور عاجزی و انکساری کرنا وغیرہ۔

عبادت کی ان تمام اقسام کا اصلی اور حقیقی مستحق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی

---

(1) فتح المجید شرح کتاب التوحید، معنی العبادۃ، ص: 17

(2) فتح المجید، ص:18

غیر کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت میں حصہ دار، ساجھی اور شریک بنانا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔ عبادت الٰہی میں کسی غیر کو حصہ دار بنانے والا مشرک ہے اور اگر کوئی شخص توبہ کیے بغیر حالت شرک ہی میں فوت ہو جائے تو وہ ابدی دوزخی اور ہمیشہ کیلئے عذاب الٰہی کا مستحق ہے۔

ہر نمازی ہر نماز کے قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ اخیرہ میں جو "تشہد" پڑھتا ہے۔ اس میں واضح اور واشگاف میں اقرار واعتراف کرتا ہے کہ:

"اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ"

"میری تمام زبانی عبادتیں اور میری تمام بدنی عبادات اور میری سب مالی عبادتیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی محترم ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾ (الانعام:162-163)

"آپ کہہ دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں"۔

مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق
زباں اور دل کی شہادت کے لائق

اسی کے ہیں فرماں، اطاعت کے لائق
اسی کی ہے سرکار، خدمت کے لائق

لگاؤ تو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اسی پر ہمیشہ بھروسا کرو تم
اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم

اسی کے غضب سے ڈرو، گر ڈرو تم
اسی کی طلب میں مرو، گر مرو تم

مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کی بڑائی

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت کی بڑی جامع، مانع اور احسن تعریف فرمائی ہے کہ:

وَعِبَادَةُ الرَّحْمٰنِ غَايَةُ حُبِّهٖ مَعَ ذُلِّ عَابِدِهٖ هُمَا قُطْبَانِ
وَعَلَيْهِمَا فَلَكُ الْعِبَادَةِ دَائِرٌ مَا دَارَ حَتّٰى قَامَتِ الْقُطْبَانِ
وَمَدَارِهٖ بِالْأَمْرِ أَمْرِ رَسُوْلِهٖ لَا بِالْهَوٰى وَالنَّفْسِ وَالشَّيْطَانِ

”رحمان کی عبادت اس کی غایت درجہ محبت کا نام ہے کہ عبادت گزار اس کے سامنے عاجزی کا اظہار بھی کرے، یہ دونوں (محبت اور عاجزی) دو قطب ہیں۔ انہی دو قطبوں پر فلکِ عبادت کا دارومدار اور انحصار ہے جب تک دونوں قطب قائم رہیں گے، یہ آسمانِ عبادت قائم رہے گا۔ اور اس عبادت کا مدار امر رسول ﷺ ہے، نفسانی خواہشات اور شیطان نہیں ہے، یعنی عبادت کا وہی طریقہ معتبر ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے“۔

عبادت کی حقیقت:

ہمارے ہاں عام طور پر عبادت سے مراد نماز، روزہ، زکاۃ اور حج لیے جاتے ہیں اور ان عبادات اربعہ کی پابندی کرنے والے کو بڑا عبادت گزار اور نیک سمجھا جاتا ہے جبکہ حقیقت میں عبادت کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”حقیقت عبادت تصحیح نسبت عبودیت است“۔

"دراصل بندے کی اپنے معبود کے ساتھ نسبت کی درستی کا نام عبادت ہے۔
اگر یہ نسبت درست ہو گی تو عبادت بھی درست ہو گی اور اگر یہ نسبت درست
نہ ہو گی تو عبادت بھی صحیح نہیں ہو گی۔"(1)

عبد اور معبود کے درمیان نسبت اور تعلق کی اصلاح، تصحیح اور درستی اس طرح ہو سکتی ہے کہ بندہ اس امر کا کامل یقین کر لے کہ اس کا وجود عطیہ الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ خود بخود واجب الوجود ہے اور اس احساس، خیال اور تصور کو ہمیشہ پیش نگاہ رکھے کہ۔

⊙ اللہ تعالیٰ مالک ہے	اور	بندہ مملوک ہے۔
⊙ اللہ تعالیٰ غالب ہے	اور	بندہ مغلوب ہے۔
⊙ اللہ تعالیٰ قادر ہے	اور	بندہ مقدور ہے۔
⊙ اللہ تعالیٰ آمر (حکم دینے والا) ہے	اور	بندہ مامور ہے۔
⊙ اللہ تعالیٰ غنی ہے	اور	بندہ محتاج ہے۔
⊙ اللہ تعالیٰ حاکم ہے	اور	بندہ محکوم ہے۔
⊙ اللہ تعالیٰ خالق ہے	اور	بندہ مخلوق ہے۔
⊙ اللہ تعالیٰ رازق ہے	اور	بندہ مرزوق ہے۔
⊙ اللہ تعالیٰ شاہ ہے	اور	بندہ گدا ہے۔
⊙ اللہ تعالیٰ اعلیٰ ہے	اور	بندہ ادنیٰ ہے۔
⊙ اللہ تعالیٰ غفار ہے	اور	بندہ گناہ گار ہے۔

جب بندے کو ان باتوں کا یقین آجائے تو اس کا دل چاہے گا کہ اپنے مالک و مختار، قادر و قدیر اور رازق و حاکم کی عبادت کرے، پھر اسے عبادت میں لطف آئے گا، سکون ملے گا اور راحت ورحمت حاصل ہو گی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت کے مفہوم کی وسعت، حقیقت اور اہمیت واضح کرتے

(1) تفسیر عزیزی، جلد اول

ہوئے فرمایا کہ:

"عبادت در حقیقت مشغول کردہ تمام اعضاء و جوارح ظاہر و باطن درراہ او بمرضیات اُو"(1)

"اپنے تمام ظاہری اور باطنی اعضاء و جوارح کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کی مرضیات (پسندیدہ امور) پر لگادینے کا نام عبادت ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت صرف نماز، زکاۃ، روزے، حج، صدقات، خیرات، حمد الٰہی، دعا اور التجا کا نام نہیں ہے بلکہ تمام ظاہری اور باطنی اعضاء کو احکام الٰہی کے تابع کرنے کا نام "عبادت" ہے۔ مثلاً

- زبان کی عبادت یہ ہے کہ اس سے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔ استغفار پڑھا جائے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تسبیح و تہلیل بیان کی جائے۔ خالق کائنات سے دعائیں مانگی جائیں۔ مسنون درود شریف پڑھا جائے۔ اچھی بات کی جائے ،سچ بولا جائے، لوگوں کے لیے اچھے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ الغرض مسلمان کی زبان سے جو بھی اچھی بات، درست لفظ اور اچھا کلمہ ادا ہو گا اسے زبان کی عبادت میں شمار کیا جائے گا۔
- شعائر اللہ کی تعظیم وزیارت کرنا، دینی کتب کا مطالعہ کرنا، آثار قدرت کا مشاہدہ کرنا، تخلیقات الٰہی کا نظارہ کرنا اور قرآنی حروف کو دیکھنا آنکھوں کی عبادت ہے۔
- قرآن مجید، احادیث رسول، انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات، دینی مسائل، شرعی احکام اور سیرت نبوی ﷺ کو سننا کانوں کی عبادت ہے۔
- کتاب اللہ کی کتابت کرنا، فرمودات رسول تحریر کرنا، اسلامی کتب تصنیف کرنا، اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکات اور ہر وہ چیز لکھنا جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تعلق کا ذریعہ ہو، ہاتھوں کی عبادت ہے۔

---

(1) تفسیر عزیزی، جلد اول

- نیکی کی طرف قدم اٹھانا، نماز باجماعت کے لیے مسجد جانا، حج، تبلیغ اسلام اور جہاد کے لیے سفر کرنا اور کسی ناتواں، کمزور اور مظلوم کی حمایت و مدد کے لیے چل کر جانا، پاؤں کی عبادت ہے۔
- اسی طرح باطنی اعضاء میں سے قرآن وحدیث کے احکام پر غور و فکر کرنا عقل کی عبادت ہے۔
- احکام شریعت پر عمل کرنا مصائب پر صبر کرنا، ممنوع کاموں سے رکے رہنا اور اپنے آپ کو غیر شرعی امور سے باز رکھنا بھی نفس کی عبادت ہے۔

مختصر یہ کہ اپنے ظاہر و باطن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے احکام اور مرضیات کے تابع رکھنے کا نام "عبادت" ہے۔ یعنی اگر انسان اپنے آپ کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے فرامین کا پابند بنا لے تو اس کا اٹھنا، بیٹھنا ___ کھانا، پینا ___ چلنا، پھرنا ___ سونا، جاگنا ___ پڑھنا، پڑھانا ___ سننا، دیکھنا ___ سوچنا، سمجھنا ___ تجارت و ملازمت کرنا اور بولنا ___ اور ___ خاموش رہنا، عبادت ہی عبادت ہے۔

آپ ﷺ کا شوق عبادت:

عبادت کے مفہوم میں وسعت کے باوجود عباداتِ اربعہ یعنی نماز، زکاۃ، روزے اور حج کی اہمیت مسلمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول جناب محمد کریم ﷺ بڑے ہی عبادت گزار، شب زندہ دار اور تہجد گزار انسان تھے۔ فرائض کے علاوہ نوافل پر خاص توجہ فرماتے اور اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود عبادت الٰہی کے لیے ضرور وقت نکالتے اور عبادت الٰہی سے سرور و سکون حاصل فرماتے۔ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی، صحابی اور امت میں قرآن حکیم کے پہلے مفسر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ:

> "ایک رات میں نے اپنی خالہ محترمہ ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کیا جبکہ رسول اللہ ﷺ بھی اس رات وہیں آرام فرما تھے۔ جب نصف رات ہوئی تو آپ ﷺ آنکھیں ملتے ہوئے بیدار ہو گئے۔ اور جاگتے ہی آپ

ﷺ نے سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمائیں ، پھر آپ ﷺ نے گھر میں لٹکی ہوئی مشک سے پانی لے کر بڑا خوب صورت وضو کیا اور نماز تہجد کے لیے کھڑے ہو گئے۔
آپ ﷺ کو دیکھ کر مجھے بھی جاگ آگئی تو میں نے بھی آپ ﷺ کی طرح وضو کیا اور نماز کے لیے آپ ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے بڑی محبت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور شفقت سے میرا کان پکڑ کر مجھے اپنے دائیں جانب اپنے ساتھ کھڑا کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دو ،دو کر کے بارہ رکعات پڑھیں اور آخر میں ایک وتر ادا فرمایا، پھر آپ ﷺ لیٹ کر سو گئے حتی کہ میں نے آپ ﷺ کے خراٹوں کی آواز سنی پھر اذان فجر کے بعد آپ فجر کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے گئے"۔[1]

احادیث میں رسول مکرم ﷺ کے ایک ہی رات میں متعدد بار اٹھ کر نماز پڑھنے کا ذکر ہے جس سے آپ ﷺ کا شوق عبادت واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رات کی تاریکی اور تنہائی میں رب کائنات کے حضور سر بسجود ہونے کے لیے بے قرار و بے چین رہتے تھے اور رات کے جس حصے میں جب بھی آنکھ کھلتی تو آپ ﷺ میں نماز میں مصروف و مشغول ہو جاتے اور جب دیکھتے کہ ابھی رات کا کافی حصہ باقی ہے تو پھر آرام فرما ہو جاتے تھے۔[2]

سبحان اللہ

یہاں لمحہ بھر کے لیے ہمیں اپنے اعمال و کردار کا بھی جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارے رسول ﷺ تو بے قصور و معصوم ہو کر رات کو تہجد اور نوافل پڑھیں اور ہم آپ ﷺ کے امتی کہلانے والے۔ آپ ﷺ سے محبت والفت کے بلند بانگ دعوے کرنے والے اور آپ ﷺ کی عزت و تکریم کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کے اعلانات کرنے والے ایک

---

(1) صحیح مسلم ، کتاب صلاۃ المسافرین ،باب صلاۃ النبی ﷺ ودعائه باللیل:763

(2) صحیح بخاری، کتاب الاذان ،باب یقوم عن یمین الامام بحذائه: 697

دن اور رات میں پانچ فرض نمازیں بھی نہ پڑھیں اور مختلف حیلوں اور بہانوں سے نمازوں سے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کریں۔ تو کیا ہمارے دعویٰ محبت میں کوئی صداقت اور حقیقت نظر آئے گی۔

آپ خود ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

یاد رکھیے! نماز رئیس العبادات، اسلام کا بنیادی رکن، ایمان کی علامت، رسول اکرم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اس لیے ہم میں سے ہر شخص کو نہ صرف نماز پنج گانہ کی پابندی کرنی چاہیے بلکہ طریقہ محبوب پر عمل کرتے ہوئے نماز تہجد ادا کرنے کی بھی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں اپنے نیک بندوں کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (السجدہ:14-15)

"ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور وہ ہمارے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرتے ہیں، پھر کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لیے ان کے اعمال کے بدلے میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کی کون کون سی چیزیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں، یہ ان اعمال کی جزا ہے جو وہ کیا کرتے تھے"۔

دیگر اوصاف حمیدہ کے علاوہ اہل اللہ کا جو خاص وصف اس آیت میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ رات کو نیند سے بیدار ہو کر بستروں کو چھوڑ دیتے ہیں اور تہجد کی نماز ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ عظیم البرکت اور کثیر الفوائد عبادت کرنے کی توفیق و سعادت مرحمت فرمائے آمین۔

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال مرحوم نے ہماری حالت پر درست تبصرہ کیا ہے کہ

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ؟، نیند تمہیں پیاری ہے
طبع آزاد پہ قید رمضاں بھاری ہے
تمہیں کہہ دو، یہی آئین وفاداری ہے

اب بات آئی ہے کہ تو آیئے! رسول معظم ﷺ کی ایک ایسی حدیث مبارکہ کا تذکرہ کرتے ہیں جس میں ہمارے آقا ﷺ نے فرضی عبادات کے ساتھ نفلی عبادات، نماز تہجد اور دیگر اعمال خیر کا بھی ذکر و حکم فرمایا ہے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"میں رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ (غزوہ تبوک سے واپسی پر) سفر میں تھا کہ ایک دن دوران سفر، میں رسول محترم ﷺ کے بہت قریب ہو گیا اور عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کسی ایسے عمل کی طرف رہنمائی فرمادیں جس کی وجہ سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں اور جہنم سے دور کر دیا جاؤں۔ میری بات سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: "لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ عَظِيمٍ، وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسَّرَهُ اللهُ" تم نے بڑا عظیم سوال کیا ہے لیکن یہ کام اس کے لیے انتہائی آسان ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ آسانی پیدا فرمادے اور وہ یہ ہے کہ (1) صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ (2) اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (3) نماز قائم کرو (4) زکاۃ ادا کرو۔ (5) ماہ رمضان کے روزے رکھو (6) اور بیت اللہ کا حج کرو۔

پھر آپ ﷺ نے جناب معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَبْوَابِ الْخَيْرِ: الصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ وَصَلَاةُ الرَّجُلِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ قَالَ: ثُمَّ تَلَا {تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ} حَتَّى بَلَغَ

{يَعْمَلُونَ}»

"کیا میں تمہیں نیکی کے دروازوں کی حقیقت نہ بتادوں؟ (پھر فرمایا) (1) روزہ (دوزخ سے بچاؤ کیلیے) ڈھال ہے (2) صدقہ، گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (3) اور آدمی کا رات کو نماز (تہجد) پڑھنا (بھی گناہوں کی معافی کا سبب ہے)۔ پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: "ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور وہ ہمارے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرتے ہیں پھر کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لیے ان کے اعمال کے بدلے میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کی کون کون سی چیزیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں یہ ان اعمال کی جزا ہے جو وہ کیا کرتے تھے"۔

رسول اکرم ﷺ نے جناب معاذ رضی اللہ عنہ سے مزید فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكَ بِرَأْسِ الأَمْرِ كُلِّهِ وَعَمُودِهِ وَذِرْوَةِ سَنَامِهِ؟»

"کیا میں تمہیں اصل معاملے، اس کے ستونوں اور اس کی کوہان کی بلندی کے بارے میں آگاہ نہ کردوں؟"۔

جناب معاذ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے میں نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ، ضرور فرمایئے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«رَأْسُ الأَمْرِ الإِسْلَامُ وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الجِهَادُ»

"اصل معاملہ تو اسلام ہے۔ اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی کوہان کی بلندی جہاد ہے"۔

پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَلَا أُخْبِرُكَ بِمَلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهِ؟ کیا میں تمہیں ان سب کی بنیاد نہ بتادوں؟ عرض کی، ضرور فرمایئے، تو آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا: "كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا" اسے قابو میں رکھنا۔ میں نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہماری گفتگو پر بھی ہمارا مواخذہ کیا جائے گا؟ تو آپ ﷺ

نے مجھے ڈانٹتے ہوئے فرمایا: تیری ماں تجھے گم پائے۔ زبانوں کی لغو اور بے ہودہ باتیں ہی لوگوں کو جہنم میں گرا دیں گی"۔[1]

شکر گزار بندہ:

رسول مکرم ﷺ نماز میں طویل قیام فرماتے اور رکوع و سجود بھی کافی لمبا کرتے تھے۔ قیام اللیل کی ایک ایک رکعت میں قرآن مجید کے کئی پارے تلاوت فرماتے مگر کسی قسم کی تھکاوٹ اور بوجھ محسوس نہ فرماتے۔ صحابی رسول جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ شوق عبادت میں:

"ایک رات میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ صلاۃ اللیل میں شریک ہو گیا تو آپ ﷺ نے قیام کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ بقرہ کی تلاوت شروع فرمائی میں نے دل میں سوچا کہ آپ ﷺ سو(100) آیات پڑھ کر رکوع کر لیں گے مگر آپ مسلسل تلاوت کرتے رہے تو میں نے خیال کیا کہ شائد آپ ﷺ پہلی رکعت میں پوری سورت بقرہ پڑھ کر رکوع کریں گے۔ مگر آپ ﷺ نے سورۃ بقرہ مکمل پڑھنے کے بعد سورۃ نساء کی تلاوت شروع فرمادی۔ پوری سورۃ نساء پڑھنے کے بعد بھی آپ نے رکوع نہ کیا بلکہ سورۃ آل عمران پڑھنا شروع کر دی۔ آپ ﷺ بڑی ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب تسبیح والی آیت تلاوت فرماتے تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے، جب کوئی سوال والی آیت پڑھتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے اور جب کوئی تعوذ والی آیت پڑھتے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ...... اس طرح آرام، ترتیل اور ٹھہر ٹھہر کر یہ تین سورتیں (بقرہ، نساء، آل عمران) یعنی قرآن مجید کے سوا پانچ پارے (84 رکوع) تلاوت کرنے کے بعد آپ ﷺ نے رکوع کیا۔ اور رکوع بھی قیام کی طرح

[1] جامع ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی حرمة الصلاة :2616۔ قال الالبانی، صحیح

انتہائی طویل تھا۔ اور آپ ﷺ رکوع میں مسلسل «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ» پڑھتے رہے۔ پھر «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہہ کر کھڑے ہو گئے اور تقریباً رکوع کے برابر قیام فرمایا۔ پھر آپ ﷺ سجدہ میں گئے اور یہ سجدہ بھی قیام جتنا ہی طویل تھا۔ اور آپ ﷺ بار بار «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى» پڑھتے رہے"۔ (1)

حضرات! یہ اس ہستی کی نفلی عبادت کا حال ہے جس سے زندگی بھر کبھی کوئی صغیرہ گناہ بھی سرزد نہیں ہوا، جس کی پاکیزہ عمر کی قسم اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اٹھائی ہے جس نے اعلان نبوت کے فوراً بعد کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اپنی قبل از اعلان نبوت کی چالیس سالہ زندگی کے بارے میں باشندگان مکہ سے سوال کیا تھا کہ اگر تمہیں میرے شب و روز اور لیل و نہار میں کوئی خامی، خرابی اور نقص معلوم ہے تو میرے سامنے بیان کرو۔ مگر اہل مکہ چالیس سال تک آپ کی محفل و تنہائی، خلوت و جلوت اور معاملات و معمولات سے پوری طرح باخبر ہونے کے باوجود، آپ ﷺ میں کوئی عیب تلاش نہ کر سکے۔

وہ رسول جو معصوم عن الخطاء اور محفوظ عن الآثام ہے وہ تو راتوں کو اتنا طویل قیام کرے، نوافل پڑھے اور قرآن مجید کی بکثرت تلاوت کرے مگر ہم ... سرتاپا گناہ گار.... سیاہ کار اور خطاکار ہو کر فرض نمازیں بھی نہ پڑھیں تو پھر ہمیں اپنے انجام پر غور کرنا چاہیے اور اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

آخر ایک دن ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے محبوب مکرم ﷺ سے پوچھ ہی لیا کہ آپ مغفور و معصوم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی اتنی زیادہ عبادت کیوں کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ کے سوال کا کیا جواب دیا۔ آئیے! صحیح بخاری کی ایک

(1) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین ،باب استحباب تطویل القراءۃ فی صلاۃ اللیل :772

حدیث شریف سے معلوم کرتے ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا يَا رَسُولَ اللهِ، وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ: «أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا»[1]

”بے شک نبی اکرم ﷺ رات کو لمبا قیام فرماتے حتی کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو گئے (سوجھ گئے) تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ اتنا لمبا قیام یا اتنی نفلی عبادت کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ تو بخشے بخشائے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟“۔

حضرات! ایک مرتبہ پھر اس معاملے پر غور اور توجہ اور اپنی نفلی اور فرضی عبادتوں کا حساب لگائیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور ہمارے محبوب ﷺ کی عبادت کا کیا حال ہے؟ اگر کوئی شخص فرض عبادات کا پابند ہے تو اسے بھی نفلی عبادات کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ اگر ہم شکرانے کے طور پر نفلی عبادات کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے انعامات و احسانات اور نوازشات وعنایات میں مزید اضافہ فرمائے گا۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَ لَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۝ ﴾ (ابراہیم: 7)

”اور جب تمہارے پروردگار نے (تمہیں) آگاہ فرمادیا کہ اگر تم (میرا) شکر کروگے تو یقیناً میں تمہیں اور زیادہ عطا فرماؤں گا اور اگر تم (میری) ناشکری کروگے تو بلاشبہ میرا عذاب بڑا سخت ہے“۔

---

(1) صحيح بخاری، كتاب التفسير، باب سورة الفتح: 4837

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا شکر گزار بندہ بننے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کا حق:

بندوں کا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، پروردگار عالم پر کوئی احسان نہیں بلکہ بحیثیت مخلوق ذمہ داری اور فریضہ ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، اسی سے مانگا جائے، اسی کو خالق و مالک اور حاکم و رازق سمجھا جائے اور اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے۔ جیسا کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جو ممتاز، مشہور اور ماہر قرآن بدری صحابی تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وفات رسول کے بعد مشکل مسائل کے حق کی خاطر آپ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے.... کا بیان ہے کہ:

”ایک مرتبہ میں نبی محترم ﷺ کی سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے مجھے آواز دی۔ اے معاذ! میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ میں حاضر ہوں اور سعادت مندی کے ساتھ حاضر ہوں۔ آپ ﷺ تھوڑی دیر چلتے رہے، پھر مجھے آواز دی۔ اے معاذ! میں نے جواب دیا۔ آقا! میں حاضر ہوں اور سعادت مندی کے ساتھ حاضر ہوں۔ پھر تھوڑی دیر چلے تو فرمایا۔ اے معاذ! میں نے تیسری بار عرض کی۔ اے اللہ رسول! میں حاضر ہوں اور پوری سعادت مندی سے حاضر ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ؟» کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق کیا ہے؟ میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: «فَإِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا» یقیناً اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر تھوڑی دیر چلنے کے بعد آپ ﷺ نے مجھے آواز دیتے ہوئے فرمایا: اے معاذ! میں نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں اور سعادت

مندی تو صرف آپ ہی کے لیے ہے۔ ارشاد ہوا۔ «هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ إِذَا فَعَلُوا ذَالِكَ؟» کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب بندے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور شرک نہ کریں تو اللہ تعالیٰ کا ان سے کیا وعدہ ہے؟ میں نے عرض کی کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: «أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ» عبادت الٰہی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا"۔ (1)

پیارے رسول ﷺ کے اس پیارے فرمان نے اس امر کی وضاحت اور صراحت فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، بندے کا بنیادی فریضہ اور اہم ذمہ داری ہے اور ہر قسم کی عبادت کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، الوہیت اور ربوبیت کا اقرار کیا جائے اور ہر قسم کے شرک سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی دوسرے شخص، اشخاص۔ فرد یا افراد۔ شئ یا اشیاء۔ زندہ، مردہ۔ شجر، حجر۔ مجسمہ، قبر۔ پیر، فقیر۔ ولی، نبی۔ فرشتے، جنات یا کسی بھی چیز کو ساجھی، حصہ دار اور شریک بناتا ہے تو نا صرف یہ کہ اس کی عبادت غیر مقبول ہے بلکہ شرک کے باعث اس کی باقی نیکیاں بھی ضائع اور بے کار ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (الزمر:65)

"اگر آپ نے شرک کا ارتکاب کیا تو آپ کے اعمال ضرور ضائع ہو جائیں گے۔ اور البتہ آپ ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے"۔

آپ شائد یہ جان کر حیران ہوں گے مشرکین مکہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے مگر قرآنی آیات اور احادیث میں انہیں مشرک ہی کہا گیا اور ابدی جہنمی قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عبادت تو کرتے تھے مگر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب من لقی اللہ بالایمان وھو غیر شاک فیہ دخل الجنۃ: 30

اوروں کو عبادت الٰہی میں شریک بناتے تھے اور عبادت میں ''توحید'' کے قائل اور فاعل نہیں تھے۔

انسانوں پر اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات اور عنایات و نوازشات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بندہ ہر حال میں اللہ رب العزت کا عبادت گزار و شکر گزار رہے اور کسی صورت میں عبادت الٰہی سے روگردانی نہ کرے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (الحج:77)

''اے اہل ایمان !(اللہ تعالیٰ کے حضور) رکوع اور سجدہ کرو۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور نیکی کے کام کرو۔ تاکہ تم فلاح پاجاؤ''۔

محبت الٰہی کا ذریعہ:

اللہ رب العالمین کی محبت، قربت اور نصرت و معیت حاصل کرنے کا بہترین اور افضل ترین طریقہ ذات الٰہی کی عبادت و ریاضت ہے۔ خصوصاً فرائض کی پابندی اور نوافل کی کثرت سے بندہ قرب الٰہی اور محبت الٰہی کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ» (1)

''اور میرا بندہ ان عبادات کے ذریعے جو میں نے فرض کی ہیں میرا قرب

(1) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع: 6502

حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو میرے قرب کی منزل حاصل کر لیتا ہے۔
اور میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعے بھی میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنا شروع کر دیتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ میرا ایسا بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا فرماتا ہوں اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے لازمی پناہ دیتا ہوں"۔

یہ فرمان رسول اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ درجہ ولایت پر فائز ہونے کے لیے بنیادی اور ضروری عمل "کثرت عبادت" ہے۔ جب کوئی شخص فرائض کی بجا آوری کے ساتھ کثرت سے نفلی عبادت کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی قربت، محبت اور ولایت حاصل ہو جاتی ہے اور جوں جوں عبادت الٰہی میں شغف اور دلچسپی بڑھتی جاتی ہے توں توں بندہ محبت و قربت الٰہی میں ترقی کرتا کرتا ولایت کے "درجہ کمال" تک پہنچ جاتا ہے پھر اس کا ہر عمل حکم الٰہی کے مطابق انجام پاتا اور اس کا کوئی قدم شریعت کے خلاف نہیں اٹھتا۔ اس کے کان صرف قرآن وحدیث سنتے ہیں۔ اس کی آنکھیں شریعت اسلامیہ کی پابند ہوتی ہیں۔ اس کے ہاتھ سنت رسول کے مطابق اٹھتے اور اس کے پاؤں سے بھی کوئی غیر شرعی عمل سرزد نہیں ہوتا۔ وہ سراپا پابند شریعت ہوتا ہے۔ وہ غیر اسلامی باتوں پر کان نہیں دھرتا، نہ ان کی طرف دیکھنا پسند کرتا ہے۔ وہ برائی کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا، نہ چل کر اس طرف جاتا ہے۔ اس کے جسم کا ہر عضو کتاب وسنت کے تابع ہو جاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کے ہر حکم پر عمل کرتا اور منہیات سے مکمل گریز اور اجتناب کرتا ہے۔

جب کوئی شخص عبادت الٰہی کی اس منزل رفیع پر پہنچ جاتا ہے اور اپنے اندر یہ اوصاف حمیدہ پیدا کر لیتا ہے تو وہ "رتبہ ولایت" پر فائز ہو جاتا ہے اور اس ولایت کاملہ کا نتیجہ یہ نکلتا

اور فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ ایساولی کامل اللہ تعالیٰ سے جو دعا کرتا ہے وہ قبول ہوتی ہے ایسا شخص جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے، وہ اسے دی جاتی ہے۔

حضرات! یہ معیار ہے ولایت کا ___ قرب الٰہی کا ___ محبت خداوندی کا ___ معیت ذات باری تعالیٰ کا ___ مگر افسوس صد افسوس! کہ ہمارے معاشرے میں گندگی میں اٹے ہوئے ___ پاکی اور پلیدی کا خیال نہ رکھنے والے ___ نجاست ___ اور غلاظت سے لبریز ___ برہنہ جسم ___ اور گالیاں بکنے والوں کو "اللہ لوگ" اور "ولی" سمجھا جاتا ہے اور ایسے مخبوط الحواس افراد و اشخاص کو مستجاب الدعوات بلکہ بگڑیاں بنانے والے ___ کشتیاں پار لگانے والے ___ اولاد دینے والے ___ بیماریاں دور کرنے والے ___ مشکلات کو آسانیوں میں تبدیل کرنے والے ___ اور ___ لیکھ میں میکھ مارنے والے باور کروایا جاتا ہے۔

یاد رکھئے! ذہن نشین فرمایئے اور قلب و ذہن میں بٹھایئے! کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کائنات کا خالق، مالک، رازق، حاکم، متصرف الامور، حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ وہی زندگی بخشنے والا، مارنے والا، بیمار کرنے والا، شفاء دینے والا، رزق میں تنگی اور کشادگی کرنے والا۔ اولاد عطا فرمانے والا۔ اور۔ تمام اختیارات و کمالات کا اکیلا ہی مالک ہے۔ اس کی ذات، صفات، کمالات، اختیارات اور عبادات میں کوئی شریک، سہیم اور حصہ دار نہیں ہے۔

کسی زندہ، نیک، صالح، عبادت گزار اور نمازی شخص سے دعا کروانا مباح، جائز اور درست بلکہ سنت رسول ہے مگر کسی فوت شدہ شخص کو امداد کیلئے پکارنا، اس سے مدد طلب کرنا اور اسے مشکل کشا کہنا، ماننا اور جاننا قطعاً جائز نہیں ہے بلکہ سراسر شرک، صریح گمراہی اور قرآنی آیات کی نافرمانی ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کا جتنا زیادہ عبادت گزار ہو گا اتنا ہی اعلیٰ درجے کا ولی متصور ہو گا۔ جبکہ بے نماز، مشرک، بدعتی، غلیظ، نجس اور برائیوں کا مرتکب شخص درجہ ولایت پر فائز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایسے شخص کو تو مومن و مسلمان کہنا بھی جائز نہیں ہے۔

ہمارے ماحول اور معاشرے میں "اولیاء اللہ" کے بارے میں عجیب و غریب تصورات

پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ولی ہونے کے لیے "کرامات کا ظہور" ضروری ہے۔ حالانکہ خرق عادت امور کا اظہار کسی شخص کے اپنے دائرہ اختیار میں نہیں ہے بلکہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی، حکم اور مشیت پر منحصر ہے۔ اکثر اوقات خود ولی اللہ بھی اس معاملے سے باخبر نہیں ہوتا کہ اس سے کوئی "کرامت" ظاہر ہونے والی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ "ولایت" کا اعلان کرنے سے بھی کوئی شخص ولی نہیں بن جاتا یا بعض عقیدت مندوں کی طرف سے پھیلائی جانے والی افواہوں اور خبروں کی بنیاد پر بھی کسی کو "درجہ ولایت" حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ مرتبہ، مقام، عزت اور عظمت اللہ تعالیٰ کی بکثرت عبادت کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان عالی شان ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾(یونس : 62-63)

"خبردار! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء نہ خوف زدہ ہونگے اور نہ غم کریں گے اولیاء اللہ تو وہ ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے پرہیز گاری اختیار کی"۔

سورۃ الانفال میں ارشاد ہوا:

﴿ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ﴾(الانفال:34)

"اللہ تعالیٰ کے ولی تو صرف وہ ہیں جو متقی اور پرہیز گار ہیں"۔

خلاصہ یہ کہ درجہ ولایت، اللہ تعالیٰ کی محبت، رب العالمین کی قربت اور خالق کائنات کی نصرت و معیت ان خوش قسمت اور سعادت مند لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو فرائض کے پابند ہوں اور نفلی عبادت کثرت کے ساتھ کرنے والے ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے خاص اور محبوب بندوں میں شامل فرمائیں۔ آمین

نبی اکرم ﷺ کا طریقہ عبادت:

سرکار دوعالم ﷺ اللہ تعالیٰ کی عبادت بڑے ذوق و شوق اور توجہ سے فرماتے اور عبادت الٰہی میں انہماک اور استغراق کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ آپ حالت قیام میں کئی کئی

گھنٹے قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے مگر اکتاہٹ محسوس نہ ہوتی۔ اس لیے کہ آپ ﷺ قرآن عزیز کے حافظ، عالم اور مفسر تھے۔ آپ ﷺ قرآن مجید کی ایک ایک آیت، ہر ہر جملے اور کلمات الٰہی پر غور فرماتے، اس کے مفہوم و معانی پر توجہ دیتے اور قرآنی الفاظ کے مطلب کی حقیقت معلوم کرتے تھے۔ جس سے عبادت میں رغبت پیدا ہوتی اور نماز و قیام کی طوالت بوجھ محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وصفات، الوہیت و کبریائی اور عظمت و جلالت کا پورا عرفان حاصل تھا، اسی وجہ سے آپ ﷺ کے قلب مبارک پر ذات الٰہی کا خوف بھی زیادہ تھا۔ اسی عرفان، خشیت اور خوف کے باعث قرآنی آیات کی تلاوت کے وقت آپ ﷺ ایک وجدانی کیفیت سے دوچار ہوتے اور دنیا ومافیہا سے بے نیاز ولاتعلق ہو کر قلب و ذہن اور جسم و جاں کی پوری توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف و مشغول ہوتے تھے۔

آپ ﷺ کے ایک صحابی سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے محبوب مکرم ﷺ کے طریقہ عبادت کی وضاحت یوں فرمائی ہے کہ:

"میں نے ایک رات رسول اکرم ﷺ کی معیت میں گزاری۔ آپ ﷺ نے بیدار ہو کر (مسواک اور وضو کر کے) نفلی نماز پڑھنا شروع کر دی۔ (موقع کو غنیمت جانتے ہوئے) میں بھی شریک نماز ہو گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے (سورۃ فاتحہ کے بعد) سورۃ بقرہ سے تلاوت و قراءت کا آغاز فرمایا۔ جب کوئی ایسی آیت تلاوت فرماتے جس میں رحمت الٰہی کا ذکر ہوتا تو آپ ﷺ وہاں رک جاتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے اور جب عذاب الٰہی کے تذکرے والی آیت پڑھتے تو قراءت موقوف کر دیتے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اس کی پناہ طلب فرماتے۔ پوری سورۃ بقرہ (تقریباً ڈھائی پارے یعنی 40 رکوع) تلاوت کرنے کے بعد آپ ﷺ نے رکوع کیا۔ اور

قیام کے برابر طویل وقت تک رکوع میں جھکے رہے اور مسلسل یہ تسبیح پڑھتے رہے: «سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ» (اے جبر و قہر کے مالک اور اے وسیع و عریض مملکت کے بادشاہ! اے ساری عظمتوں کے مالک! تو ہر شریک اور ہر عیب سے پاک اور منزہ ہے) خاصا لمبا رکوع کر کے پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (قومہ کے بعد) سجدہ کیا اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا سجدہ بھی قیام جتنا ہی طویل تھا۔ پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دو سجدوں کے درمیان کافی دیر تک بیٹھ کر «رَبِّ اغْفِرْ لِي، رَبِّ اغْفِرْ لِي» (اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اے میرے رب! مجھے معاف کر دے) پڑھتے رہے پھر دوسرا سجدہ کرنے کے بعد کھڑے ہوئے تو دوسری رکعت میں (سورت فاتحہ کے بعد) پوری سورۃ آل عمران تلاوت فرمائی۔ اسی طرح آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نوافل کی چار رکعات میں قرآن حکیم کی چار طویل ترین سورتوں کی تلاوت فرمائی یعنی سورۃ بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ میں سے ہر ایک سورت ایک رکعت میں تلاوت فرمائی"۔[1]

رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ شوق عبادت اس لیے بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو حکم خاص فرما رکھا تھا کہ:

﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ (العلق:19)

"اور (اے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) آپ (اللہ تعالیٰ کو) سجدے کریں اور (اس کا) قرب حاصل کریں"۔

سجدے میں انسان اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہوتا ہے اس لیے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم طویل اور کثیر سجدے فرمایا کرتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ما یقول الرجل فی رکوعه :873-874۔ قال الالبانی، صحیح

«أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ، وَهُوَ سَاجِدٌ، فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ»[1]

"بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔
لہٰذا (سجدے میں) کثرت سے دعائیں کیا کرو"۔

حقیقت یہ ہے کہ سجدہ، اللہ تعالیٰ کے حضور بندے کی طرف سے عاجزی، انکساری، تواضع اور خاکساری کی انتہا ہے کہ بندہ اپنے خالق و مالک کے سامنے اپنے جسم کے اعلیٰ اور افضل حصے یعنی چہرے کو زمین پر رکھ کر اور اپنی ناک رگڑ کر مالک الملک سے معافی مانگتا ہے اس کی تسبیح و پاکیزگی بیان کرتا ہے اور اپنی بے بسی، لاچاری اور بے کسی کا اظہار و اعلان کرتا ہے۔ پھر اللہ رب العزت اپنے حضور جھکنے والے، زمین پر پیشانی اور ناک رگڑنے والے اور اپنے تذلل اور عاجزی کا اظہار کرنے والے کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا بلکہ اس کے سجدوں کو شرف قبولیت عطا فرما کر اسے عظمت و رفعت اور بلندیاں عطا فرماتا ہے۔

مشہور تابعی جناب معدان بن ابی طلحہ یعمری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میری ملاقات رسول اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام جناب ثوبان رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جسے اختیار کر کے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ جناب ثوبان رضی اللہ عنہ میرا سوال سن کر خاموش رہے، میں نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا تو انہوں نے پھر خاموشی اختیار فرمائی۔ جب میں نے تیسری مرتبہ یہی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس بارے میں رسول محترم ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

«عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ لِلَّهِ، فَإِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلَّهِ سَجْدَةً، إِلَّا رَفَعَكَ اللهُ بِهَا دَرَجَةً، وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيئَةً» قَالَ مَعْدَانُ: ثُمَّ لَقِيتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لِي: مِثْلَ مَا قَالَ لِي: ثَوْبَانُ[2]

---

(1) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود: 482

(2) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب فضل السجود والحث عليه: 488

"تم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کثرت سے سجدے کیا کرو۔ کیونکہ تم رضائے الٰہی کی خاطر جو بھی سجدہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے تمہارا درجہ بلند فرمائے گا اور اس سجدہ کے باعث تمہارا گناہ معاف کر دے گا۔ جناب معدان رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ پھر میری ملاقات سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو میں نے یہی سوال ان سے کیا تو انہوں نے وہی جواب دیا جو جناب ثوبان رضی اللہ عنہ نے دیا تھا"۔

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ خود اللہ تعالیٰ کے سامنے کثرت سے سر بسجود ہوتے بلکہ اپنے رفقاء کرام رضی اللہ عنہم کو بھی رب کائنات کے حضور بار بار سجدے کرنے کی ترغیب دلاتے اور حکم فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم سیدنا ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدیم رفقاء میں سے تھے اور سفر و حضر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے، مسواک پکڑاتے، وضو کرواتے، بستر بچھاتے اور دن رات آپ کی خدمت میں مصروف رہتے تھے ان کا بیان ہے کہ:

"میں اکثر اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ہی رات بسر کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی (مسواک) اور دیگر ضروریات مہیا کیا کرتا تھا۔ (ایک رات، سحری کے وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "مجھ سے کوئی چیز مانگ لو"۔ میں نے جواباً عرض کی: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ۔ میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت اور معیت کا سوال کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَوَ غَيْرَ ذَالِكَ» کیا اس کے علاوہ کچھ اور؟ میں نے عرض کی۔ بس یہی خواہش، آرزو اور سوال ہے۔ تو رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ» پس تم اپنی ذات کے لیے زیادہ سجدے کر کے میری مدد کرو"۔(1)

(1) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب فضل السجود و الحث علیه :489

یعنی تم کثرت سے سجدے کیا کرو۔ نوافل زیادہ پڑھا کرو تو اللہ تعالیٰ جنت میں تمہیں میری رفاقت، قربت اور صحبت عطا فرمائے گا۔ سبحان اللہ

افسوس کہ بعض نام نہاد مسلمان اللہ تعالیٰ کو سجدے کرنے کی بجائے قبروں، حجروں، درختوں، پتھروں، زندوں اور مردوں کے سامنے سربسجود نظر آتے ہیں شاعر مشرق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے شائد ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا تھا کہ

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مختصر یہ کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے نوافل پڑھتے، سجدے کرتے اور ہمہ وقت عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کی حیثیت سے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم فرائض کی پابندی کے ساتھ نفلی عبادت پر بھی توجہ دیں اور اپنے خالق ومالک اور رازق و حاکم کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط بنانے کی کوشش کریں۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو ہمارے لیے "اسوۂ حسنہ" قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے"۔

عبادت میں اصلاحات:

سرور گرامی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تشریف آوری سے قبل بتوں، چاند، سورج، آگ، ستاروں، سیاروں، مجسموں، ولیوں، شہیدوں، نبیوں، جنوں، فرشتوں، پتھروں، بھوتوں، دیوتاؤں، زندوں اور مردوں کی عبادت، پوجا اور پرستش کی جاتی تھی، لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کے سامنے دست سوال دراز کرتے، انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے، ان کے نام کی نذریں اور نیازیں دیتے۔ چڑھاوے چڑھاتے اور انہیں حل المشکلات اور رافع البلیات گردانتے تھے۔ مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل

درست فرمایا ہے کہ:

قبیلے ، قبیلے کا بت اک جدا تھا کسی کا ھبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عُزّیٰ پہ ، وہ نائلہ پر فدا تھا اسی طرح گھر گھر نیا ایک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

مشرکین عرب میں بعض ایسے لوگ تھے جو اپنے باطل معبودوں کو نافع، ضار اور الٰہ مانتے تھے، ان کے خیال میں نظام کائنات کو چلانے کے لیے متعدد خداؤں کا ہونا ضروری تھا اس لیے انہوں نے مختلف دیوتاؤں کو مختلف کام تفویض کر رکھے تھے۔

- کوئی بارش برسانے والا۔
- کوئی صحت و تندرستی دینے والا۔
- کوئی اولاد دینے والا۔
- کوئی رزق دینے والا۔
- کوئی فتح سے ہم کنار کرنے والا۔
- کوئی فصلیں اگانے والا۔
- کوئی مال و دولت عطا فرمانے والا۔

الغرض انہوں نے ہر کام کیلئے الگ معبود بنا رکھے تھے اور انہیں اپنے اپنے شعبے کا کار مختار سمجھتے تھے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے انہیں ایک اللہ کی عبادت کا درس دیا تو انہوں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝﴾ (ص:5)

"کیا اس (محمد ﷺ) نے بہت سارے معبودوں کی جگہ ایک معبود بنالیا ہے، یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے"۔

آپ ﷺ نے جہاں زندگی کے باقی معاملات میں اصلاح کا فریضہ انجام دیا وہاں آپ ﷺ نے اپنے فرامین، احکام، ارشادات اور سیرت و کردار کے ذریعے نظام عبادت کی بھی زبردست اصلاح فرمائی اور دلائل و براہین کے ساتھ لوگوں پر واضح کیا کہ ہر قسم کی عبادات کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ذات کبریا کے سوا کسی اور کی کسی طرح کی بھی

عبادت کرنا سراسر گناہ، صریح شرک اور واضح گمراہی ہے یہ رسالت محمدی کا بہت بڑا کارنامہ ہے کہ آپ ﷺ نے غیر اللہ کی عبادت کو ممنوع اور حرام قرار دیا اور تمام مخلوقات کو ذات الٰہی کے سامنے جھکا دیا۔

﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴾(مریم : 93)

"آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوقات رحمان کے پاس غلام بن کر آنے والی ہے"۔

رسول مکرم ﷺ نے غیر اللہ کے پجاروں کو ہر طریقے، سلیقے اور ذریعے سے سمجھانے کی کوشش کی کہ ہر قسم کی عبادت صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا حق ہے۔ جب مشرکین مکہ کو راہ راست پر لانے کا کوئی طریقہ کارگر ثابت نہ ہوا تو اللہ رب العزت کا حکم آنے پر آپ ﷺ نے واشگاف میں اعلان فرما دیا:

﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۚ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ؕ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۠ ﴾ (الکافرون:1۔6)

" (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجیے: اے کافرو! جس کی تم عبادت کرتے ہو، میں اس کی عبادت نہیں کر سکتا۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم (اور تمہارے آباء و اجداد) عبادت کرتے رہے۔ اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین"۔

اس سورت مبارکہ کی روشنی میں آپ ﷺ نے علی الاعلان غیر اللہ کی عبادت سے اظہار براءت فرما دیا اور یہ بات واضح فرما دی کہ میں ذات الٰہی کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مگر افسوس کہ آپ ﷺ کی محبت کا دم بھرنے والے غیر

اللہ کے آستانوں اور قبروں پر سر بسجود نظر آتے ہیں اور صریح شرک کا ارتکاب کر کے بھی "عشق رسول" کے دعوے دار ہیں۔

عقیدۂ شفاعت کی اصلاح:

رسول رحمت ﷺ کی بعثت سے قبل بعض لوگ ایسے بھی تھے جو خالق، مالک، رازق، حاکم، نافع، ضار اور تمام اختیارات کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے اور جانتے تھے مگر ان کا خیال تھا کہ جس طرح دنیادار افسر سے کام کروانے کے لیے اس کے کسی قریبی واقف کار کی سفارش ضروری ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو منانے کے لیے۔ اس کی قربت حاصل کرنے کے لیے اور اسے اپنی بات منوانے اور کام کروانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے معبودوں کی عبادت بھی ضروری ہے۔ ہم اپنی حاجات ان کے روبرو عرض کرتے ہیں تو یہ معبود ہماری دعائیں اور درخواستیں قبولیت کے لیے دربار الٰہی میں پیش کر کے اپنی سفارش کے ذریعے قبول کروالیتے ہیں۔

قرآن حکیم ان کے اسی عقیدے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (الزمر:3)

"ہم تو ان (معبودوں) کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں"۔

قرآن مجید کے گیارہویں پارے میں ایسے مشرکوں کے عقیدے کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے اس غلط خیال کی تردید یوں فرمائی گئی ہے:

﴿وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس: 18)

"اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان کا کوئی نقصان کر سکتے ہیں اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ (ہمارے معبود) تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں"۔

ہمارے آقا و مولا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے قول و فعل اور سیرت و کردار کے ذریعے مشرکین عرب کے اس فاسد خیال اور شرکیہ عقیدے کی بھی تردید و اصلاح فرمائی اور واضح فرمایا کہ کہ جبری شفاعت کا یہ نظریہ سراسر غیر اسلامی اور سفارش و وسیلے کا یہ طریقہ جاہلانہ اور مشرکانہ ہے۔ اس کی بجائے اسلامی، شرعی اور دینی طریقہ یہ ہے کہ بالمشافہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ اسی سے مانگا جائے اور درمیان میں کسی پیر یا فقیر، بڑے یا چھوٹے اور زندہ یا مردہ کا وسیلہ نہ ڈالا جائے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝﴾ (المؤمن:60)

"اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔"

یاد رکھیے! کسی زندہ، نیک، صالح اور پرہیز گار شخص سے دعا کروانا مباح، جائز بلکہ سنت رسول ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جناب رسالت مآب ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ ﷺ سے اپنے لیے دعائیں کروایا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی دعاؤں برکت سے اللہ تعالیٰ بیماروں کو صحت عطا فرما دیتا۔ پریشان حالوں کے مصائب دور فرما دیتا اور ضرورت مندوں کی حاجات پوری فرما دیتا تھا۔

آپ ﷺ نے خالق و مخلوق کے درمیان حائل ہونے والی تمام رکاوٹوں کو دور کر کے بندے کا اپنے پروردگار کے ساتھ تعلق مضبوط بنایا اور اسے اس امر کی تلقین و تبلیغ فرمائی کہ تم اللہ تعالیٰ کو براہ راست پکارو۔ اسی سے مانگو، اسی کے در کے سوالی بنو اور اسی کو حاجت روا اور مشکل کشا مانو۔

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

آپ ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم بھی دی کہ "عبادت الٰہی" کے لیے کسی خاص مقام، مخصوص جگہ اور خصوصی اہتمام کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تم سوائے چند مقامات کے جہاں چاہو، نماز پڑھ سکتے ہو۔ اٹھتے، بیٹھتے۔ چلتے، پھرتے اور کھڑے، لیٹے جس حالت میں بھی ہو اپنے مالک و خالق کا ذکر کر سکتے ہو۔ صرف تین اوقات کے سوا جب چاہو رب کائنات کے حضور سجدہ ریز ہو سکتے ہو؟ سوائے مناسک حج و عمرہ کے ہر عبادت ہر جگہ کر سکتے ہو۔ قرآن مجید کی تلاوت، ذکر و اذکار، دعا و التجا، اوراد و وظائف، صدقہ و خیرات، روزہ اور زکاۃ وغیرہ جیسی عبادات ہر جگہ ہو سکتی ہیں۔ ان میں کوئی تخصیص اور تعیین نہیں ہے۔

رسول رحمت ﷺ رسالت و نبوت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی قرب کے مقام رفیع پر فائز تھے، آپ کو یہ قرب خاص رب العزت کی خصوصی عبادت و ریاضت کی بدولت نصیب ہوا تھا۔ آپ ﷺ کی ہر رات کا آخری پہر اللہ رب العزت کی عبادت، ریاضت، ذکر، تسبیح و تہلیل اور قیام میں گزرتا تھا اور اس رحمت الٰہی کے نزول کی ساعت میں آپ ﷺ سے خوب مناجات کرتے تھے۔ صحابی رسول ﷺ جناب عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الرَّبُّ مِنَ العَبْدِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ الآخِرِ. فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَكُونَ مِمَّنْ يَذْكُرُ اللهَ فِي تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ[1]

"رب العزت، رات کے آخری پہر میں بندے کے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے، اگر تجھے استطاعت ہو کہ اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں شامل ہو سکے تو ایسا ضرور کر"۔

ہمارے پیارے رسول ﷺ نے خود عمل کرنے کے علاوہ اپنے امتیوں کو بھی تلقین و تاکید فرمائی ہے کہ رات کے آخری پہر نیند سے بیدار ہو کر نوافل پڑھیں، قرآن حکیم کی تلاوت کریں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ سیدنا ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

---

[1] جامع ترمذی، کتاب الدعوات: 3579۔ قال الالبانی، صحیح

نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ، وَهُوَ قُرْبَةٌ إِلَى رَبِّكُمْ، وَمَكْفَرَةٌ لِلسَّيِّئَاتِ، وَمَنْهَاةٌ لِلإِثْمِ [1]

"رات کو لازمی قیام کرو، کیونکہ یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کی عادت اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اور قیام اللیل برائیوں کا کفارہ اور گناہوں سے باز رہنے کا طریقہ ہے۔"

عبادت میں اخلاص:

امام الرسل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے انداز عبادت سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ "عبادت الٰہی" میں اخلاص کا ہونا اشد ضروری ہے۔ اگر عبادت میں اخلاص مفقود ہو تو اس کی دربار الٰہی میں کوئی اہمیت، حیثیت اور افادیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ نے صرف ذات الٰہی کی عبادت کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ اسے خالص رضائے الٰہی کی خاطر انجام دینے کی تاکید فرمائی ہے۔ اگر عبادت سے مقصود ریاکاری، دکھلاوا اور نمود و نمائش ہو تو ایسی عبادت ضائع، عبث اور بے کار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ إِنِّيٓ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ ٱللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ ٱلدِّينَ ۝ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ ٱلْمُسْلِمِينَ ۝ قُلْ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قُلِ ٱللَّهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُۥ دِينِي ۝﴾ (الزمر:11-14)

" (اے رسول ﷺ) آپ فرمایئے: مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اسی کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں۔ اور مجھے سب سے پہلے مسلمان بننے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ فرمایئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں بڑے دن (قیامت) کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ آپ

[1] جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی دعاء النبی ﷺ:3549۔ قال الالبانی، حسن صحیح

فرمایئے کہ میں تو اپنے دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہوں"۔

اخلاص کا معنی ہے۔ صاف، ممتاز اور خالص کرنا۔ اور اصطلاحی شریعت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر کی جانے والی ہر نیکی کو "خالص عمل" کہا جاتا ہے۔ عبادت اور نیک عمل کی قبولیت کا انحصار اور دار و مدار "اخلاص" پر ہے۔ وہ نیک عمل، فرائض ہوں یا نوافل ___ واجب ہوں یا مستحب ___ نماز ہو یا زکاۃ ___ حج ہو یا عمرہ ___ قرآن مجید کی تلاوت ہو یا سماعت ___ تہجد ہو یا اشراق ___ وعظ ہو یا تبلیغ ___ تقریر ہو یا تحریر ___ سخاوت ہو یا امانت ___ شجاعت ہو یا شہادت ___ امامت ہو یا خطابت ___ عبادت ہو یا ریاضت ___ صدقات ہوں یا خیرات ___ صداقت ہو یا عدالت ___ جب تک ہر نیک کام کرتے وقت خالص رضائے الٰہی کی نیت نہیں ہو گی وہ عمل دربار الٰہی میں مقبول و منظور نہیں ہو گا۔ ہمارے رسول ﷺ نے عبادت میں اخلاص کی اہمیت واضح کرتے ہوئے اسے ہی "ایمان" قرار دیا ہے۔ معروف تابعی جناب ابو فراس رحمۃ اللہ علیہ سے مرسل روایت ہے کہ:

"ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے بآواز بلند پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ فرمایئے: مَا الْإِيمَانُ؟ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْإِخْلَاصُ۔ اخلاص ہی اصل ایمان ہے"۔[1]

قرآن حکیم کی آیت اور نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث ہمیں صاف طور پر حکم دے رہی ہے کہ ہر قسم کی قلبی، بدنی، مالی، روحانی اور جسمانی عبادت صرف اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر کرنی چاہیے اور عبادت میں اخلاص و خلوص ہی اس کا رکن اعظم ہے۔ اگر اخلاص میں ذرہ بھر فرق آیا اور نیت میں نمود و نمائش اور ریاکاری کا عنصر شامل ہو گیا تو وہ عمل و عبادت ناقابل قبول اور مردود ہے۔ سیدنا ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ!

---

(1) رواه البيهقي۔ صحيح الترغيب والترهيب، الترغيب في الاخلاص: 3 (1)

"أَرَأَيْتَ رَجُلًا غَزَا يَلْتَمِسُ الْأَجْرَ وَالذِّكْرَ، مَالَهُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا شَيْءَ لَهُ» فَأَعَادَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، يَقُولُ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا شَيْءَ لَهُ» ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ اللهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا، وَابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُهُ»"[1]

"اس شخص کے بارے میں آپ کی کیارائے ہے جو اس ارادے سے جہاد کرتا ہے کہ اسے اجر کے ساتھ شہرت بھی حاصل ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے کچھ بھی (اجر وثواب) نہیں ملے گا۔ سائل نے یہ سوال تین مرتبہ دھرایا تو آپ ﷺ نے تینوں بار اسے یہی جواب دیا کہ "اسے کچھ نہیں ملے گا"۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تو صرف وہی عمل قبول فرماتا ہے جو خالص اسی کے لیے کیا جائے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی ہو"۔

حضرات! اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا بہت بڑا نیک عمل، اہم کام اور اسلام کی بڑی خدمت ہے لیکن اگر اس مبارک عمل میں ریاکاری، نمود اور نام وری کی ملاوٹ ہو جائے تو یہ مسلمان مجاہد کی تباہی، بربادی اور ہلاکت کا باعث ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"ایک شخص دربار رسالت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال و جہاد کا مفہوم کیا ہے؟ کیونکہ بعض اوقات کوئی شخص بہادری اور شجاعت دکھانے کے لئے اور بسا اوقات غیرت و انتقام کی خاطر اور کئی مرتبہ ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے لڑائی کرتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ أَعْلَى، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ»

---

[1] سنن نسائی ، کتاب الجهاد ، باب من غزا يلتمس الاجر والذكر :3140۔ قال الالبانی :حسن صحيح

"جو صرف اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کی خاطر لڑتا ہے وہی مجاہد فی سبیل اللہ ہے"۔[1]

ہمیں یہ بات ہر وقت ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادت وریاضت کی کوئی ضرورت وحاجت نہیں ہے بلکہ یہ نیک اعمال، صدقہ خیرات، فرض و نفل اور دیگر عبادات ہم اپنی بھلائی، بہتری اور نجات کے لیے انجام دیتے ہیں، ہمارے اعمال صالحہ میں اللہ تعالیٰ صرف یہ دیکھتا ہے کہ کون خلوص نیت اور حضور قلب کے ساتھ میری عبادت کرتا ہے اور کون محض خانہ پری اور دکھلاوے کیلئے نیکی کے کام کرتا ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اپنے رسول ﷺ کو خاص حکم دیا ہے کہ آپ کی ہر عبادت، ہر ریاضت اور ہر نیکی صرف اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر ہونی چاہیے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾﴾ (الانعام: 162-163)

"آپ کہہ دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں"۔

پیارے آقا جناب محمد ﷺ کے طرز عمل، قرآنی احکام اور آپ ﷺ کے فرامین سے اس امر کی وضاحت ہو گئی کہ ہر عبادت میں اخلاص کو بنیادی اور ضروری اہمیت حاصل ہے اور آپ ﷺ کا ہر عمل خلوص و اخلاص سے لبریز، رضائے الٰہی کی خاطر اور نمود و نمائش سے پاک اور صاف ہوتا تھا۔

یہ عبادت نہیں ہے:

ہمارے محبوب رسول ﷺ کی تشریف آوری کے وقت ترک لذائذ، جسمانی تکلیف اور رہبانیت کو عبادت سمجھا جاتا تھا اور جو شخص دنیا کے معاملات سے آزاد ہو کر جنگل میں

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا: 1904

جو نپڑی بنالے اسے بڑا "عبات گزار" گردانا جاتا تھا۔ تارک الدنیا کو "زاہد" تجرد کی زندگی گزارنے والے کو "ولی اللہ" اور شادی نہ کرنے والے کو پہنچا ہوا "بزرگ" کہا جاتا تھا۔ ان کا خیال تھا جسم کو اذیت دینے سے روح کی صفائی ہوتی ہے۔ بعض لوگ زندگی بھر گوشت نہ کھانے کی نذر مانتے اور اسے عبادت تصور کرتے تھے۔ کئی لوگ مہینے میں ایک بار کھانا کھانے کو ولایت قرار دیتے تھے۔ کئی جاہل برہنہ اور ننگا رہنے والے کو زاہد مانتے تھے۔ بعض ان پڑھوں کے خیال میں کئی ماہ یا کئی سال تک کھڑے رہنا یا بیٹھے رہنا اور سونے اور لیٹنے سے اجتناب کرنا عبادت کہلاتا تھا۔ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی تلاش میں غاروں اور تہہ خانوں میں چلّے کاٹتے تھے۔ اور کچھ لوگ بھوکا اور پیاسا رہنے کو ولایت کی نشانی سمجھتے تھے۔

نبی محترم ﷺ نے ان تمام تصورات، خیالات اور توہمات کی نفی کرتے ہوئے فرمایا کہ تعلیمات اسلام میں عبادت کا حقیقی تصور یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اس کی حلال اشیاء سے استفادہ کیا جائے اور اپنی زندگی کے تمام لمحات واوقات کو احکام الٰہی کے تابع رہ کر گزارا جائے ۔ ہماری شریعت میں ترک دنیا کا نام زہد نہیں ہے۔ بلکہ جائز، حلال اور مباح طریقے سے حسب ضرورت دنیا کمانا، اعزہ واقارب، بیوی بچوں، والدین، دوست واحباب، ہمسائے اور دیگر لوگوں کے حقوق ادا کرنا بھی عبادت قرار دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے اولیاء، صلحاء اور حکماء کی ایک دعا ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے عرض کرتے ہیں۔

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ﴾

(البقرہ:201)

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بہتری نصیب فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما"۔

رسول رحمت ﷺ کی سیرت مبارکہ کہ طبقہ انسانی کے ہر فرد و بشر کیلئے بہترین نمونہ ہے اس لیے عبادت وریاضت، ذکر و فکر اور فرائض ونوافل کے سلسلے میں بھی سیرت رسول کو پیش نگاہ رکھنا اشد ضروری ہے۔ یاد رکھیے! اگر کوئی انسان اتنے سجدے کرے کہ اس کے

ماتھے پر محراب پڑ جائے ___ رکوع کر کے کمر جھک جائے ___ کثرت قیام سے گردن اکڑ جائے ___ وظائف پڑھ پڑھ کر تسبیح ٹوٹ جائے ___ بیٹھے بیٹھے گھٹنے سوج جائیں ___ ٹخنے متورم ہو جائیں ___ راتوں کو جاگ جاگ کے آنکھیں سرخ ہو جائیں ___ پڑھ پڑھ کر زبان خشک ہو جائے ___ چلے کاٹ کاٹ کر جسم سوکھ جائے ___ اگر اس کے رکوع و سجود، قیام ، قعود، وظائف اوراد، اعمال، افعال اور عبادت و ریاضت جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت و سنت کے مطابق نہیں ہے تو دربار الٰہی میں ان کی اہمیت و حیثیت نہیں ہے۔ اور اگر معمولی عبادت "طریقہ رسول" سنت مصطفیٰ اور سیرت نبوی کے مطابق و موافق ہے تو اس کا اجر عظیم، ثواب بے حساب اور صلہ بے انتہا ہے۔

آیئے! عبادت و ریاضت کے حوالے سے سیرت طیبہ کے ایک واقعے کا مطالعہ کرتے ہیں، خادم رسول سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"ایک مرتبہ تین صحابہ کرام (جناب عبد اللہ بن عمرو، جناب عثمان بن مظعون اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم) ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اکرم ﷺ کی انفرادی اور نفلی عبادت کے بارے میں سوال کیا۔ جب انہیں آپ ﷺ کی عبادت کی تفصیلات سے آگاہ کیا گیا (جس کی ایک جھلک گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ رات کو طویل قیام فرماتے، لمبی سورتوں کی تلاوت فرماتے اور گھنٹوں قیام فرماتے ہیں۔ دن کو نفلی روزہ رکھتے اور ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں) تو انہوں نے آپ ﷺ کی ریاضت کے مقابلے میں اپنی عبادت کو حقیر اور کم تر سمجھتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم ﷺ مغفور و معصوم ہو کر اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت کرتے ہیں تو پھر ہم گناہ گاروں کو تو آپ ﷺ سے کئی گنا زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔ چنانچہ باہمی مشاورت کے بعد ان میں سے ایک نے اپنے عزم بالجزم کا اظہار کرتے ہوئے کہا: فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا۔ آج کے بعد میں ساری زندگی تمام رات نفلی

نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے اپنا ارادہ واضح کرتے ہوئے کہا: أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ۔ میں زندگی بھر روزانہ نفلی روزہ رکھوں گا اور کبھی بھی روزہ نہیں چھوڑوں گا۔ تیسرے نے اپنے پروگرام کا اعلان کرتے ہوئے کہا: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا میں ساری زندگی عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا (نہ بیوی بچے ہوں گے نہ فکر عیال۔ بس عبادت ہی عبادت)

رسول اکرم ﷺ ان تینوں کی گفتگو سماعت فرما رہے تھے۔ جب انہوں نے اپنی بات چیت ختم کی، معاہدہ ہو گیا اور تینوں نے اپنی آئندہ زندگی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ کر لیا تو اچانک رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور انہیں مخاطب کر کے فرمایا: أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَ كَذَا۔ کیا تم نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ ؟انہوں نے عرض کی۔ جی۔ اللہ کے رسول ﷺ! ہم تینوں نے آئندہ ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارنے کا عزم اور فیصلہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سے زیادہ پرہیز گار ہوں۔ لیکن میں نے تمہاری طرح کا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اور میری صورتحال یہ ہے کہ میں نفلی روزے رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، رات کو تہجد کی نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں نے عورتوں سے شادیاں بھی کر رکھی ہیں (ان کے حقوق بھی ادا کرتا ہوں) ہاں۔ یاد رکھو! فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔ پس جو میری سنت، سیرت اور طریقے سے روگردانی کرے گا وہ میری امت میں سے نہیں ہو گا"۔ [1]

سیرت طیبہ کے اس واقعہ اور فرمان رسول ﷺ کی روشنی میں یہ بات ہمیشہ کے لیے ذہن نشین فرما لیں کہ زندگی کے دیگر امور و معاملات کی طرح عبادت و ریاضت اور نوافل و

---

(1) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح : 5063

ذکر میں بھی سنت رسول کی موافقت اور مطابقت ضروری ہے جو عبادت طریقہ رسول کے مطابق ہے وہ مقبول ہے اور جو عبادت سنت نبوی سے ہٹ کر ہے وہ مردود و نامقبول ہے۔

ہمارے معاشرے کے بعض لوگوں نے نوافل، ذکر و ظائف اور عبادت کے نئے نئے طریقے اور انداز ایجاد کر لیے ہیں جو قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ، سیرت طیبہ اور تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت اور منقول نہیں ہیں۔ ہر محب رسول اور متبع سنت کے لیے عبادت و ریاضت کے ان طریقوں سے پرہیز اور اجتناب اشد ضروری ہے کیونکہ اسلام میں حصول ثواب کی خاطر نت نئی ایجادات کا نام "بدعت" ہے۔ ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی دخول جہنم کا سبب ہے۔

نفلی عبادت میں اعتدال واحتیاط کا حکم:

امام الرسل ﷺ کی سیرت پاک سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت پر شفقت و محبت فرماتے ہوئے نفلی عبادات میں انتہائی احتیاط برتنے، اپنی صحت، کاروبار اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنے کا خصوصی حکم فرمایا ہے۔

اسلامی عبادات میں روزے کو بڑی فضیلت اور اہمیت حاصل ہے اور آپ ﷺ نے نفلی روزوں کا بڑا اجر و ثواب بیان فرمایا ہے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ عَبْدٍ يَصُومُ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ، إِلَّا بَاعَدَ اللهُ، بِذَالِكَ الْيَوْمِ وَجْهَهٗ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا»[1]

"جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی رضائے الٰہی کی خاطر ایک دن کا روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس ایک روزے کی وجہ سے اس کے چہرے کو جہنم کی آگ سے ستر سال دور فرمادے گا"۔

صحابی رسول جناب ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(1) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصوم فی سبیل اللہ:2840

«مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ جَعَلَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ»[1]

”جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دن کا نفلی روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان اتنی چوڑی بڑی خندق بنا دے گا جتنا فاصلہ آسمان وزمین کے درمیان ہے“۔

اس قدر اجر و ثواب اور فضیلت کے باوجود رسول رحمت ﷺ نے امت پر شفقت و محبت اور مہربانی کے باعث نفلی روزوں کے درمیان مناسب وقفہ کرنے اور نفلی روزے مسلسل نہ رکھنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ باقی معاملات میں خلل واقع نہ ہو اور زندگی کے تمام معمولات میں اعتدال اور توازن برقرار رہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بڑے عابد، زاہد، عالم اور وحی الٰہی کے کاتب تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو نفلی عبادات کا بڑا شوق تھا۔ دن کو نفلی روزہ رکھتے اور ساری ساری رات قیام و صلاۃ میں گزار دیتے تھے۔ خشیت الٰہی کے باعث رو رو کر آپ کی آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب محبوب مکرم ﷺ کو میرے صیام و قیام کے بارے میں آگاہی ہوئی تو ایک دن آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

”اے عبداللہ! کیا یہ خبر صحیح ہے کہ تم دن کو نفلی روزے رکھتے اور ساری رات نفل نماز پڑھتے رہتے ہو؟ میں نے عرض کی۔ جی، اللہ کے رسول ﷺ! معاملہ کچھ ایسا ہی ہے تو آپ ﷺ نے حکماً فرمایا:

«فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ. فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ بِحَسْبِكَ أَنْ تَصُومَ كُلَّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنَّ لَكَ بِكُلِّ

(1) جامع ترمذی، ابواب فضائل الجهاد، باب ما جاء فی فضل الصوم فی سبیل الله:1624- قال الالبانی ،حسن صحیح

حَسَنَةٍ عَشْرَ أَمْثَالِهَا فَإِنَّ ذَالِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ»

"ایسا نہ کیا کرو۔ نفلی روزے رکھو اور چھوڑ بھی دیا کرو، رات کو نفلی نماز پڑھو اور سویا بھی کرو۔ کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے۔ تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے۔ تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔ اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے لہٰذا تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ ہر مہینے تین روزے رکھ لیا کرو۔ کیونکہ تمہیں ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ملے گا۔ اس طرح یہ ساری عمر کے روزے ہو جائیں گے"۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ میں نے خود اپنے لیے سختی کا مطالبہ کیا تو مجھ پر سختی کر دی گئی کہ میں نے خدمت نبوی میں عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اس سے زیادہ روزے رکھنے کی طاقت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَصُمْ صِيَامَ نَبِيِّ اللهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَا تَزِدْ عَلَيْهِ»

"پس تم اللہ کے نبی جناب داؤد علیہ السلام کی طرح روزے رکھو اور اس سے زیادہ نفلی روزے نہ رکھو"۔

میں نے عرض کی کہ داؤد علیہ السلام کس طرح روزے رکھا کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑ دیتے تھے، جناب عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنے بڑھاپے کے ایام میں فرمایا کرتے تھے کہ کاش! میں نبی اکرم ﷺ کی عطا فرمودہ رخصت کو قبول کر لیتا۔"[1]

آپ ﷺ کی ان ہدایات اور ارشادات کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر اپنے رفقاء میں سے کسی کو دیکھتے کہ وہ نفلی عبادات کے سلسلے میں توازن و اعتدال اور احتیاط اختیار نہیں کر رہے تو اسے بتاتے اور سمجھاتے کہ تمہارا یہ عمل سیرت رسول، طریقہ نبوی اور فرمان

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب حق الجسم :1975

پیغمبر کے مطابق نہیں ہے تو وہ فوراً اپنی اصلاح فرمالیتے، اس ضمن میں صرف ایک واقعہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ:

"نبی اکرم ﷺ نے سیدنا سلیمان فارسی اور جناب ابو الدرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان رشتہ مواخات (اسلامی بھائی چارے کا تعلق) قائم فرمایا: تو ایک دن جناب سلمان فارسی اپنے اسلامی بھائی جناب ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے گھر گئے تو انہوں نے سیدہ ام درداء رضی اللہ عنہا کو بڑی پراگندہ اور خستہ حالت میں دیکھ کر ان سے دریافت فرمایا کہ تم نے یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ تو ام درداء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ "تمہارے بھائی کو دنیاوی امور سے کوئی دلچسپی نہیں ہے"۔ تھوڑی دیر بعد جناب ابوالدرداء رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تو جناب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ تو انہوں نے جواب دیا "آپ کھائیں، میرا تو روزہ ہے"۔ جناب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب تک آپ میرے ساتھ نہیں کھائیں گے میں ہرگز کھانا نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ جناب ابو الدرداء نے اپنے اسلامی بھائی کے احترام میں نفلی روز توڑ دیا اور دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔

جب رات چھا گئی تو جناب ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے نفلی نماز کی تیاری شروع کر دی۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: "ابھی سو جاؤ" چنانچہ وہ سو گئے۔ جب رات کا آخری پہر شروع ہوا تو دونوں نے نماز تہجد ادا فرمائی۔ پھر جناب سلمان رضی اللہ عنہ نے جناب ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ"

"یقیناً تمہارے رب کا تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے لہٰذا تمام حق داروں کے حقوق ادا کیا کرو۔ پھر ابوالدرداء رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ عرض کرتے

ہوئے جناب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اقوال آپ ﷺ کے سامنے بیان کیے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَ سَلْمَانُ»۔ جناب سلمان رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے کہ ہر ایک کا حق ادا کرنا ضروری ہے"۔[1]

عبادت قبل از اعلان نبوت:

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ قبل از اعلان نبوت بھی عبادت کا ذوق و شوق اور جذبہ صادقہ رکھتے تھے۔ اگرچہ اس وقت آپ ﷺ کے لیے عبادت الٰہی کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کیا گیا تھا لیکن آپ ﷺ شرکیہ عقائد، بت پرستی اور جاہلانہ رسوم سے سخت نفرت کرتے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک حساس اور فکر مند دل عطا فرمایا تھا اس لیے عرب کے بعض عبادت گزاروں کی طرح آپ ﷺ کی پارسا طبیعت خلوت، تنہائی اور عزلت نشینی کی طرف مائل تھی۔ چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الخَلَاءُ، وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ-وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ العَدَدِ »[2]

"رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتداء پاکیزہ اور سچے خوابوں سے ہوئی تھی۔ آپ ﷺ حالت نیند میں جو بھی دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح درست ثابت ہوتا۔ پھر آپ ﷺ کو خلوت و تنہائی محبوب ہو گئی اور آپ ﷺ نے غار حراء میں خلوت نشینی اختیار فرمائی، چنانچہ آپ ﷺ کئی کئی دن اور راتیں وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت، ذکر و فکر اور یاد الٰہی میں مصروف و مشغول رہتے تھے"۔

(1) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب صنع الطعام والتکلف للضیف: 6139

(2) صحیح بخاری، کتاب الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الیٰ رسول اللہ ﷺ: 3

آپ ﷺ کا غار حرا کی تنہائی میں قیام و قعود اپنی ذمہ داریوں سے ہر گز فرار نہ تھا بلکہ آپ ﷺ کی خلوت نشینی آپ کی فکر مندی، بیدار مغزی اور درد مندی کی دلیل ہے کیونکہ آپ کا غار حرا میں قیام اکثر ماہ رمضان میں ہوتا تھا اور رمضان المبارک میں دنیاوی امور سے الگ تھلگ ہو کر مسجد میں عبادت الٰہی کی غرض سے ٹھہرنا ہماری شریعت میں بھی مشروع و مسنون ہے جسے "اعتکاف" کہا جاتا ہے۔ سیرت النبی لابن ہشام میں ہے کہ:

"فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاوِرُ ذَالِكَ الشَّهْرَ مِنْ كُلِّ سَنَةٍ، يُطْعِمُ مَنْ جَاءَهُ مِنَ الْمَسَاكِينِ، فَإِذَا قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِوَارَهُ مِنْ شَهْرِهِ ذَالِكَ، كَانَ أَوَّلُ مَا يَبْدَأُ بِهِ، إِذَا انْصَرَفَ مِنْ جِوَارِهِ، الْكَعْبَةَ، قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بَيْتَهُ، فَيَطُوفُ بِهَا سَبْعًا أَوْ مَا شَاءَ اللهُ مِنْ ذَالِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى بَيْتِهِ، حَتَّى إِذَا كَانَ الشَّهْرُ الَّذِي أَرَادَ اللهُ تَعَالَى بِهِ فِيهِ مَا أَرَادَ مِنْ كَرَامَتِهِ، مِنَ السَّنَةِ الَّتِي بَعَثَهُ اللهُ تَعَالَى فِيهَا، وَذَالِكَ الشَّهْرُ (شَهْرُ) رَمَضَانَ"[1]

"رسول اللہ ﷺ قبل از اعلان نبوت ہر سال رمضان کا مہینہ غار حرا میں گزارتے۔ اور وہاں آنے والے مساکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ مہینے کے بعد جب غار سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے کعبۃ اللہ کا سات بار طواف کرتے، پھر گھر میں داخل ہوتے تھے یہاں تک کہ وہ بابرکت رمضان آگیا جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کرامت و عزت یعنی نبوت رسالت سے سرفراز فرمایا"۔

رہا یہ سوال کہ آپ ﷺ غار حراء میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کیسے کرتے تھے اس بارے میں سیرت نگاروں، شارحین حدیث اور علماء امت کی آراء مختلف ہیں۔ زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ آپ ﷺ دین ابراہیمی کے مطابق ہی عبادت الٰہی کا ذوق پورا فرماتے۔ غار حراء سے واپسی پر

---

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ابتداء نزول جبریل، 1/236

ہر بار خانہ کعبہ میں حاضر ہونا اور بیت اللہ کا طواف کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے۔ اور بعد از اعلان نبوت بھی آپ اور آپ کی امت کو دین ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ﴾

(النحل:123)

"پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ ملت ابراہیمی کی اتباع کریں۔ وہ (ابراہیم) اللہ تعالیٰ کی طرف یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا"۔

اکثر اہل علم کی رائے ہے کہ آپ ﷺ غار حراء کی گوشہ نشینی میں "مظاہر قدرت" پر غور و فکر اور سوچ و بچار فرماتے تھے یعنی آسمان، زمین، پہاڑ، چاند، سورج، ستارے، سمندر اور دیگر اشیاء کی تخلیق کے بارے میں سوچتے، پھر بیت اللہ میں حاضر ہوتے اور اس کا طواف فرماتے۔ آپ ﷺ کے مظاہر قدرت پر اسی غور و خوض کو "تحنُّث اور تعبد" کہا گیا ہے۔

قرآن مجید میں تخلیقات الٰہی پر فکر و تدبر کرنے والوں کی فضیلت و عظمت بیان فرمائی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے سعادت مندوں کو "اولو الالباب" یعنی عقل مند، دانا، سمجھدار اور اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑانے والے اور دعائیں مانگنے والے قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۚ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَہٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ۝ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا ٭ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ کَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ۚ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَ لَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ﴾

(آل عمران:190-194)

"بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات اور دن کے باری باری آنے جانے میں اہل عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے (اور پکار اٹھتے) ہیں۔ "اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا، تیری ذات اس سے پاک ہے۔ پس (اے پروردگار)! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ کیونکہ جسے تو نے دوزخ میں ڈالا تو گویا اسے بڑی رسوائی میں ڈال دیا اور (وہاں) ظالموں کا کوئی مددگار بھی نہ ہو گا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف دعوت دیتا اور کہتا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لے آئے، پس ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہماری برائیاں دور فرما اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ فوت کرنا۔ اے ہمارے رب! تو نے اپنے رسولوں (کی زبان) پر ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا، بیشک تو اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا"۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حکم اور اپنے رسول ﷺ کے طریقے کے مطابق بکثرت سے اپنی عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ٥



شرافتِ مصطفیٰ ﷺ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

حمد وثنا اور تعریف وتسبیح کے پاکیزہ کلمات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے خاص ہیں جو تمام جہانوں کا والی مالک، خالق، حاکم اور مختار کل ہے۔ وہی زندہ رکھنے والا اور مارنے والا ہے، رزق کے خزانوں کا مالک ہے۔ بیماری لگانے والا اور شفا عطا فرمانے والا ہے۔ وہ تمام فیصلے اپنی مرضی، حکمت اور مصلحت کے مطابق کرتا ہے۔ اس کا کوئی وزیر، مشیر اور معاون ومددگار نہیں ہے وہ اپنی ذات، صفات، کمالات، اختیارات اور عبادات میں وحدہٗ لاشریک ہے اس کی توحید کو ماننے والا اور توحید کے تقاضے پورے کرنے والا مستقل جنتی اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے والا ابدی دوزخی ہے۔

لاتعداد وبے شمار اور ان گنت وبے حساب درود وسلام سید الرسل، امام الرّسل، خاتم الرّسل، ہادی کل، رہبر کامل جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات پر۔ جو اللہ رب العزت کے برگزیدہ، عظیم المرتبت اور پیارے رسول ہیں۔ جنہیں رب العالمین نے رحمۃ للعالمین، خاتم النبیّین اور امام المرسلین بنا کر مبعوث فرمایا۔ جو صاحب معراج ہیں۔ تاجدار ختم نبوت ہیں۔ بدرالدجیٰ اور شمس الضحیٰ ہیں، بشیر ونذیر اور سراج منیر ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور تمام اہل ایمان کو ان پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا

گیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ، وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ. إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ، وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ. إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

درود ان پر کہ جن کا نام تسکین دل و جاں ہے
درود ان پر کہ جن کے خُلق کی تفسیر قرآں ہے

درود ان پر کہ جن کا تذکرہ عین عبادت ہے
درود ان پر کہ جن کی زندگی رحمت ہی رحمت ہے

درود اس پر کہ جو تھا صدر محفل پاک بازوں میں
درود ان پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

سلام اس پر اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

سلام اس پر کہ جس کے گھر چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے اور اس امر میں شک و شبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کہ دنیا اور آخرت میں کامیابی، کامرانی اور فلاح و نجات کے لیے رسول اکرم ﷺ، نبی معظم، رحمت مجسم، امام اعظم جناب محمد مصطفی ﷺ کی اتباع، اطاعت اور پیروی اشد ضروری اور لازمی ہے۔ اس نشست میں آپ ﷺ کے "اسوۂ حسنہ" کے

حوالے سے جس پہلو کا ہم تذکرہ کرنا چاہتے ہیں وہ ہے "شرافت مصطفےٰ ﷺ" یعنی آپ ﷺ کی شرم وحیا......

حیا کا مفہوم اور اہمیت:

وہ خصلت وعادت جو انسان کو افعال قبیحہ (برے اعمال) سے اجتناب پر آمادہ کرے اور کسی حق دار کے حق میں کمی کو برداشت نہ کرے اسے "حیا" کہا جاتا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

"فَالْحَيَاءُ: رِقَّةٌ تَعْتَرِي وَجْهَ الْإِنْسَانِ عِنْدَ فِعْلِ مَا يَتَوَقَّعُ كَرَاهِيَتَهُ أَوْمَا يَكُونُ تَرْكُهُ خَيْرًا مِنْ فِعْلِهِ"[1]

"جب انسان سے کوئی ناپسندیدہ فعل سرزد ہو جائے تو اس کے اثرات چہرے پر نمایاں ہو جاتے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ اس فعل کا نہ کرنا کرنے سے بہتر تھا اس کیفیت کا نام "حیا" ہے"۔

حیا ایک فطری جذبہ ہے جو انسان کو نیکی کی طرف راغب کرتا اور ناپسندید امور سے نفرت دلاتا ہے، ہمارے محبوب ﷺ نے حیا کو ایمان کا لازمی حصہ قرار دے کر دخول جنت کا سبب بیان فرمایا ہے۔ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ، وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ، وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ»[2]

"حیا ایمان کا حصہ ہے اور ایمان دخول جنت کا ذریعہ ہے۔ فحش گوئی (بے ہودگی اور بے حیائی) جفا ہے اور جفا جہنم میں جانے کا سبب ہے"۔

ہر مومن ومسلمان کو شرم وحیا کا پیکر ہونا چاہیے اور جس شخص میں حیا کا جذبہ نہ ہو تو گویا وہ

(1) الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، 1/118۔فصل واما الحیاء والاغضاء

(2) سنن ابن ماجه ، کتاب الزهد ، باب الحیاء : 4184۔ قال الالبانی. صحیح

ایمان سے محروم ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ»[1]

"ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے"۔

یاد رکھیے! حیا سراپا خیر، بھلائی اور پاکیزگی ہے جبکہ بے حیائی اور بے شرمی سراسر ذلت، خفت اور نجاست و غلاظت ہے۔ شیطان کی ہمہ وقت سر توڑ کوشش رہتی ہے کہ وہ انسان سے "حیا کا جوہر" چھین لے اور رحمان کی ہمیشہ سے خواہش ہے کہ میرا ہر بندہ باحیا، باغیرت اور شرم کا پیکر بن کر زندگی گزارے اور روز حشر پاک بازوں کے ہمراہ جنت میں داخل ہو جائے۔ صحابی رسول سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی معظم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ»[2]

"حیا کی وجہ سے ہمیشہ خیر و برکت اور بھلائی ہی حاصل ہوتی ہے"۔

باحیا شخص معاشرے میں قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جبکہ بے حیا آدمی سے لوگ نفرت کرتے اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور رسول اکرم ﷺ کے فرمان ذی شان کے مطابق حیا اور ایمان لازم و ملزوم ہیں اگر کسی شخص سے حیا غائب ہو جائے تو وہ ایمان کی دولت سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور بے ایمان انسان تو دنیا اور آخرت میں نقصان و خسران میں ہی رہے گا۔

خادم رسول جناب انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا كَانَ الْفُحْشُ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا شَانَهُ، وَلَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا زَانَهُ»[3]

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان : 35

(2) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الحیاء : 6117

(3) سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب الحیاء : 4185۔ قال الالبانی، صحیح

''جس چیز میں بے حیائی اور فحاشی ہو گی وہ اسے عیب دار بنا دے گی اور جس میں شرم اور حیا آجائے تو وہ اسے خوب صورت بنا دیتی ہے''۔

اس امر کے عملی مظاہرے آپ نے کئی بار ملاحظہ فرمائے ہوں گے کہ شرم و حیا والے خاندانوں اور افراد کے معاملات میں اللہ رب العزت آسانیاں، آسائشیں اور سہولیات پیدا فرما دیتا ہے۔ جبکہ بے شرمی، بے حیائی اور فحاشی کے مرتکب افراد اکثر پریشانیوں، مشکلات اور دشواریوں کا شکار نظر آتے ہیں، بے حیا انسان کے چہرے سے رونق اور بشاشت غائب ہو جاتی ہے اور حیادار آدمی کا چہرہ بارونق، ہشاش بشاس اور خوش و خرم دکھائی دیتا ہے۔ یہ اس انسان کے ضمیر کی حالت اور کیفیت ہوتی ہے جو چہرے سے عیاں ہوتی ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حیا کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ الْحَيَاءَ وَالْإِيمَانَ قُرِنَا جَمِيعًا فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ»[1]

''بے شک حیا اور ایمان دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ملے اور جڑے ہوئے ہیں۔ لہٰذا جب ان میں سے ایک اٹھا لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی رخصت ہو جاتا ہے''۔

یعنی جس میں شرم و حیا کا عنصر موجود نہیں، وہ ایمان سے یکسر محروم اور خالی ہوتا ہے۔

حیا کی اقسام:

اہل علم نے شرم و حیا کی کئی اقسام بیان فرمائی ہیں مگر ہم ان میں تین اقسام کا بطور خاص ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ سے حیا۔ ۲۔ بندوں سے حیا۔ ۳۔ اپنی ذات سے حیا۔

اللہ تعالیٰ سے حیا کا مطلب ہے کہ بندہ رب العالمین کی نافرمانی اور حکم عدولی کرنے کی جرات اور جسارت نہ کرے اور جب بھی شیطان اسے راہ راست سے ہٹانے اور پھسلانے کی

---

[1] الادب المفرد للبخاری، باب الحیاء: 1313، قال الالبانی، صحیح

کوشش کرے تو اسے فوراً یہ احساس ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور غلام ہے اور غلام کا کام اپنے آقا کی نافرمانی کرنا نہیں بلکہ فرماں برداری کرنا ہے۔ ایسا شخص خلوت و جلوت اور محفل و تنہائی میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے معصیت اور نافرمانی سے باز رہتا ہے اور اسے اپنے خالق و مالک کی نافرمانی کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔

سیدنا سعید بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی خاص نصیحت فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللهِ، وَأَنْ تَسْتَحِيَ مِنَ اللهِ كَمَا تَسْتَحِيَ رَجُلًا صَالِحًا مِنْ قَوْمِكَ»[1]

”میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ عزوجل سے اس طرح حیا کرو جیسے اپنی قوم کے کسی نیک شخص سے شرم کرتے ہو“۔

یہ حدیث مبارکہ اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ ہر صاحب ایمان کو اللہ تعالیٰ سے حیا کرنی چاہیے کہ جیسے کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اسے گناہ، نافرمانی اور عیب کرتے ہوئے اس کے خاندان، قوم اور برادری کا کوئی بزرگ اور معزز آدمی دیکھے، اسی طرح نافرمانی، گناہ اور کوئی برا کام کرتے ہوئے رب العزت سے شرم اور حیا کرنی چاہیے کہ وہ تو ہماری ہر حرکت کو ہر وقت دیکھتا اور ہماری ہر بات کو ہر وقت سننے والا ہے۔ ہم اپنے بزرگوں، والدین، اساتذہ اور اعزہ واقارب سے تو چھپ سکتے ہیں مگر ہمارا کوئی فعل اور عمل اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے:

﴿يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا﴾(النساء:108)

---

[1] الجامع لشعب الایمان:7343،قال الالبانی،اسناده جید ،رجاله كلهم ثقات ،سلسلة الاحاديث الصحيحة ،حديث: 741

"وہ (اپنی حرکات و سکنات) لوگوں سے تو چھپا سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے، اور وہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کو چھپ کر ایسی باتیں (مشورے) کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو گھیرنے والا ہے"۔

ہمارے رسول ﷺ نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ بندہ سب سے زیادہ اسی سے شرم و حیا کرے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ کے ایک صحابی جناب معاویہ بن حیوہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ، ہماری رہنمائی فرمایئے کہ ہم اپنے ستر یعنی شرم گاہ کو کن لوگوں سے چھپائیں اور کن سے نہ چھپائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ»

"تم اپنی بیوی اور لونڈی کے علاوہ ہر ایک سے اپنے ستر کی حفاظت کرو"۔

آپ ﷺ کا یہ جواب سن کر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ۔ اے اللہ کے رسول ﷺ ذرا اس امر کی وضاحت فرمادیجئے کہ جب آدمی تنہائی میں ہو تو پھر بھی اپنے ستر کو چھپا کر رکھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ»[1]

"اللہ تعالیٰ لوگوں کی نسبت زیادہ حقدار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔"

یہ حدیث مبارکہ بھی ہمیں اللہ رب العالمین سے حیا کرنے کا درس اور حکم دیتی ہے کہ بندہ خلوت و جلوت اور محفل و تنہائی میں کوئی ایسی حرکت اور عمل نہ کرے جو اللہ تعالیٰ سے حیا کے منافی ہو۔ سیدنا یعلیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے کسی شخص کو کھلے میدان میں برہنہ غسل کرتے ہوئے دیکھا تو منبر پر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

---

(1) سنن ابی داؤد ، کتاب الحمام،باب ما جاء فی التعری:4017،قال الالبانی ، حسن

«إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ حَيِيٌّ سِتِّيرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ»[1]

"بے شک اللہ تعالیٰ حیادار اور پردہ پوش ہے اور وہ حیا اور پردے کو پسند فرماتا ہے پس جب تم میں سے کوئی غسل کرے تو پردہ کر لیا کرے"۔

یہ ارشادات رسول "اللہ تعالیٰ سے حیا" کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کا مطلب یہی ہے کہ بندہ کسی جگہ، کسی صورت اور کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہ کرے، ذات الٰہی سے شرم و حیا کرتے ہوئے اپنے جسم کے خاص اعضاء کو ہر وقت ڈھانپ کر رکھے اور اپنی زبان سے کوئی ایسا لفظ، کلمہ اور حرف نہ نکالے جو رب العالمین کی ذات کے ادب و احترام اور تکریم و تعظیم کے منافی ہو۔ اللہ تعالیٰ سے حیا کا یہ مفہوم ہمارے محبوب آقا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زبان حق ترجمان سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللهِ حَقَّ الحَيَاءِ. قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَسْتَحْيِيْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، قَالَ: لَيْسَ ذَاكَ، وَلٰكِنَّ الإِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللهِ حَقَّ الحَيَاءِ أَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰى، وَالبَطْنَ وَمَا حَوٰى، وَ الْتَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالبِلٰى، وَمَنْ أَرَادَ الآخِرَةَ تَرَكَ زِينَةَ الدُّنْيَا، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ اسْتَحْيَا مِنَ اللهِ حَقَّ الحَيَاءِ»[2]

لوگو! اللہ تعالیٰ سے حیا کرو جیسا کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔ ہم نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم اس سے پوری حیا کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: بات ایسے نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے حیا کا پورا حق یہ ہے کہ تم اپنے سر کی اور اس میں جو کچھ ہے (یعنی آنکھوں،

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، باب النھی عن التعری : 4012،قال الالبانی، صحیح

(2) جامع ترمذی، ابواب صفة القيامة :2458،قال الالبانی ،حسن

کان اور زبان وغیرہ) کی پوری حفاظت کرو۔ (ان اعضاء سے ان کی نافرمانی نہ کرو) اور اپنے پیٹ کی اور اس میں جمع شدہ کی حفاظت کرو۔ اور ہر وقت موت اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کو یاد رکھو۔ اور جو آخرت کی کامیابی چاہتا ہے وہ دنیا کی زیب وزینت کو ترک کر دے۔ پس جس نے یہ سارے کام کیے تو اس نے اللہ تعالیٰ سے حیا کیا جیسا کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ سے حقیقی حیا یہ ہے کہ:

- آنکھوں کی حفاظت کی جائے اور کسی ممنوعہ چیز کو ان سے نہ دیکھا جائے۔
- کانوں کو غیبتوں کے سننے اور لغویات کی سماعت سے محفوظ رکھا جائے۔
- زبان کو کذب و افترا، بیہودہ گفتگو، غیبت، بہتان اور طعنہ زنی سے روکا جائے۔
- پیٹ کو حرام اشیاء اور مشتبہات سے نہ بھرا جائے۔
- اپنی شرم گاہ کی پوری طرح حفاظت کی جائے۔
- دنیاوی امور میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کو فراموش نہ کیا جائے۔
- اپنے جسم کے تمام اعضاء کو رضائے الٰہی کے کاموں میں مصروف رکھا جائے۔
- جاہ و منزلت کا طالب بننے کی بجائے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کی جائے۔
- ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری میں گزاری جائے۔
- اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور رسول محترم ﷺ کی نافرمانی نہ کی جائے۔

اگر کوئی شخص ان امور کا پابند ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے والا انسان ہے۔ اللہ رب العالمین سے حیا کا اکمل ترین درجہ یہ ہے کہ:

"وہ تمہیں ایسی جگہ موجود نہ پائے جہاں قدم رکھنے سے اس نے منع فرمایا ہے اور وہاں غیر حاضر نہ پائے جہاں حاضر ہونے کا اس نے حکم فرمایا ہے"۔

"بندوں سے حیا" کا مفہوم یہ ہے کہ انسان لوگوں کے سامنے گناہ، عیب اور نافرمانی

کرنے سے شرم کرے اور کوشش کرے کہ اس سے عوام کے سامنے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جو اسلامی تعلیمات کے منافی اور اس کی بدنامی اور ذلت کا باعث ہو۔ ایسے لوگ معاشرے کے لیے خیر و برکت کا باعث ہوتے ہیں کیونکہ وہ معاشرے کو گناہوں سے آلودہ کرنے کی بجائے نافرمانیوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر بتقاضائے بشریت ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، نافرمانی کے مرتکب ہو جائیں اور تنہائی میں کوئی خلاف شرع کام کر بیٹھیں تو اس پر شرمندگی، ندامت اور پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کے طالب ہوتے ہیں اور کسی صورت بھی اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔

حیا کی تیسری قسم ''اپنی ذات سے حیا'' ہے ایسے لوگ بڑے ہی شریف النفس، کریم الطبع اور حیادار ہوتے ہیں جنہیں کسی قسم کی نافرمانی، گناہ اور حکم عدولی کرتے ہوئے خود اپنی ذات سے شرم محسوس ہوتی ہے اور وہ یہ سوچ کر پانی پانی ہو جاتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی زمین پر رہتے ہوئے، اس کی لاتعداد نعمتوں کو استعمال میں لاتے ہوئے اور اسی کی عطا کردہ زندگی گزارتے ہوئے اس کے احکام سے سرتابی کر رہے ہیں۔ ایسے سلیم الفطرت لوگ اپنی ذات سے حیا کرتے ہوئے ہی اپنے آپ کو گناہوں، نافرمانیوں اور عیبوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور انتہائی پاکیزہ زندگی گزار کر اپنے رب کے حضور حاضر ہو جاتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مطیع و فرماں بردار اور لوگوں کے لیے سراپا خیر و برکت ہوتے ہیں۔

یاد رکھیے! جس انسان میں شرم و حیا کا جذبہ مفقود ہو جائے اس سے کسی قسم کی خیر، نیکی اور بھلائی کی توقع رکھنا عبث اور فضول ہے۔ معروف شاعر اکبر الہ آبادی نے بالکل درست کہا ہے کہ:

جس کو خدا کی شرم ہے، وہ ہے بزرگ دیں
دنیا کی جس کو شرم ہے، مرد شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہیں، اس کو کیا کہوں
فطرت کا وہ رذیل ہے، دل کا کثیف ہے

پیکر شرم وحیاجناب محمد مصطفیٰ ﷺ:

سرور کونین، امام القبلتین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات میں اللہ رب العالمین نے تمام صفات جمیلہ، خصائص عظیمہ اور اوصاف حمیدہ بدرجہ اتم جمع فرمادیے تھے جن میں ایک اہم وصف "شرم وحیا" بھی ہے۔ آپ ﷺ نے جس ماحول اور معاشرے میں آنکھ کھولی اور پرورش پائی وہاں برہنہ رہنا، ننگے پھرنا اور بے لباس ہونا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ ان کے ہاں خانہ کعبہ کا طواف بھی ننگے ہو کر کیا جاتا تھا اور عجب صورت حال یہ تھی کہ اس معاملے میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا تھا۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ:

"كَانَتِ الْمَرْأَةُ تَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَهِيَ عُرْيَانَةٌ" (1)

"عورتیں بھی خانہ کعبہ کا طواف برہنہ ہی کیا کرتی تھیں"۔

ایسا معاشرہ جہاں ایک دوسرے سے "ستر غلیظ" کو چھپانے کا رواج بھی نہ ہو۔ وہاں شرم وحیا کا درس دینا اور حیادار بن کر زندگی گزارنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ مگر سیرت رسول اس امر پر شاھد ہے کہ آپ ﷺ نے اس بے حیائی کے ماحول میں نہ صرف شرم وحیا کا پیکر بن کر زندگی گزاری بلکہ لوگوں کو عفت وحیا کا درس دیتے اور تلقین فرماتے رہے۔ چنانچہ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَنْظُرِ الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ، وَلَا يَنْظُرِ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ»(2)

"کوئی عورت کسی عورت کی شرم گاہ کی طرف نظر نہ کرے اور کوئی مرد کسی مرد کے پردے کی جگہ کو دیکھنے کی کوشش نہ کرے"۔

---

(1) صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب قوله تعالیٰ: خذوا زینتکم عند کل مسجد: 3028

(2) سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة، باب النهی ان یریٰ عورة اخیه: 661، قال الالبانی، صحیح

یعنی کسی مرد و عورت کا ایک دوسرے کے مقام خاص کو دیکھنا تو بڑی دور کی بات ہے آپ ﷺ نے تو اپنے ہم جنس کے مقامات مستورہ کو دیکھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ نے بے حیائی اور بے شرمی سے جن الفاظ و انداز میں منع فرمایا ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ''شرم وحیا'' ایک اعلیٰ اخلاقی وصف ہے جس کی آپ ﷺ نے ناصرف تلقین فرمائی ہے بلکہ اس کا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا ہے۔ فرمان رسول ﷺ ہے:

«إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا، وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ»[1]

''بلاشبہ ہر دین کا ایک خاص وصف ہوتا ہے اور اسلام کا خصوصی وصف حیا ہے''۔

رسول محترم ﷺ کے شب و روز کے عینی گواہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے حیا اور شرم کی مثالیں دیا کرتے اور آپ ﷺ کے اس پاکیزہ وصف کا بطور خاص تذکرہ کیا کرتے تھے، چنانچہ سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے حیا کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا»[2]

''نبی اکرم ﷺ تو پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے''۔

یعنی آپ ﷺ حقیقی معنوں میں شرم وحیا کا پیکر تھے اور بے حیائی کی بات کرنا تو بڑی دور کی بات ہے، آپ ﷺ کوئی عریاں گفتگو سننا بھی گوارا نہیں فرماتے تھے اور جونہی کوئی شخص آپ ﷺ کی موجودگی میں کوئی ناپسندیدہ لفظ بولتا تو کراہت اور ناپسندیدگی آپ ﷺ کے چہرہ مبارک سے عیاں ہو جاتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ کے رفقاء گرامی آپ کے حیا کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

---

(1) سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الحياء: 4181، قال الالبانی، حسن

(2) صحيح بخاری، كتاب الادب، باب الحياء: 6119

«وَكَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ»[1]

"اور آپ ﷺ کو جب کوئی بات ناگوار محسوس ہوتی تو ہم اسے آپ ﷺ کے چہرے سے پہچان لیتے تھے"۔

گویا آپ ﷺ اپنی ناگواری اور ناپسندیدگی کو زبان سے بیان کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپ ﷺ کے چہرے کے تاثرات اس امر کی وضاحت کر رہے ہوتے کہ یہ بات آپ ﷺ کی طبع باحیا پر ناگوار گزری ہے۔ سبحان اللہ

تعمیر کعبہ اور حیاءِ رسول ﷺ:

ہمارے آقا جناب محمد کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے طبعاً انتہائی باحیا بنایا تھا اور شرم و حیا کا اعلیٰ وصف آپ ﷺ میں بچپن سے ہی موجود تھا، آپ ﷺ اپنے لڑکپن سے ہی برہنگی کو ناپسند فرماتے اور قبل از اعلان نبوت بھی آپ ﷺ لوگوں کے سامنے برہنہ ہونے کو انتہائی معیوب گردانتے تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اللہ رب العزت نے اپنی نگرانی اور حفاظت میں آپ ﷺ کی تربیت ہی ایسے انداز میں فرمائی کہ بے شرمی اور بے حیائی کے ماحول میں بھی آپ ﷺ شرم و حیا کے بلند درجہ پر فائز تھے اور فطری طور پر آپ ﷺ میں شرم و حیا کے جذبات و احساسات بدرجہ اتم موجود تھے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی زبان نبوت سے سماعت فرما کر آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے قبل آپ کے حیا کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جب قریش مکہ کعبۃ اللہ تعمیر کر رہے تھے تو:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَعَلَيْهِ إِزَارُهُ. فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهُ: يَا ابْنَ أَخِي، لَوْ حَلَلْتَ إِزَارَكَ فَجَعَلْتَ عَلَى مَنْكِبَيْكَ دُونَ الْحِجَارَةِ. قَالَ: فَحَلَّهُ

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب کثرة حیائه ﷺ:2320

فَجَعَلَهُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ، فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ، فَمَا رُئِيَ بَعْدَ ذَالِكَ عُرْيَانًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ » [1]

"بے شک رسول اللہ ﷺ تعمیر کعبہ کے وقت قریش کے ہمراہ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے اور آپ ﷺ نے تہہ بند باندھ رکھا تھا۔ تو آپ ﷺ کے چچا جناب عباس (رضی اللہ عنہ) نے آپ سے فرمایا۔ میرے بھتیجے! تم ایسا کرو کہ اپنا تہ بند کھول کر اپنے کندھے پر رکھ لو (تاکہ پتھروں کو اٹھانے کی وجہ سے کندھے پر زخم نہ ہو) تو آپ ﷺ کے تہہ بند کھول کر کندھے پر رکھتے ہی غشی طاری ہو گئی اور آپ ﷺ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اس واقعہ کے بعد زندگی بھر آپ ﷺ کو برہنہ نہیں دیکھا گیا"۔

صحیح بخاری ہی کی دوسری روایت ہے کہ:

"جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو نبی اکرم ﷺ اور جناب عباس (رضی اللہ عنہ) بھی پتھر لا رہے تھے تو جناب عباس رضی اللہ عنہ نے نبی محترم ﷺ کو مشورہ دیا کہ اپنا ازار بند اپنے کندھے پر رکھ لیں (تاکہ پتھر اٹھانا آسان ہو جائے) تو آپ ﷺ کے ایسا کرتے ہی آپ بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے اور آنکھیں آسمان پر گڑ گئیں۔ جب تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو آپ ﷺ فرمارہے تھے۔ اِزَارِیْ۔ اِزَارِیْ۔ میری چادر۔ میری چادر مجھے دے دیجیے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا ازار بند کس کر باندھ لیا"۔ [2]

ان روایات سے واضح ہوا کہ رسول رحمت ﷺ قبل از اعلان نبوت بھی شرم و حیا کے پیکر تھے اور برہنگی کو انتہائی معیوب خیال فرماتے تھے۔ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک پینتیس سال تھی اور یہ نزول وحی سے پانچ سال قبل کا واقعہ ہے۔

حیا ایک ایسی اعلیٰ صفت ہے جس سے کئی دوسری صفات حمیدہ پیدا ہوتی ہیں۔ پاک

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب کراهیة التعری: 364

(2) صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب بنیان الکعبة: 3829

دامنی اور عفت، چشم پوشی اور مروت، نرمی اور ملاطفت وغیرہ "حیا" کے ثمرات واثرات ہیں اور گناہوں سے نفرت، نیکیوں سے محبت بھی حیا ہی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔ مشہور صحابی رسول سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الأَنْصَارِ، وَهُوَ يَعِظُ أَخَاهُ فِي الحَيَاءِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «دَعْهُ فَإِنَّ الحَيَاءَ مِنَ الإِيمَانِ»(1)

"رسول اللہ ﷺ ایک انصاری صحابی کے قریب سے گزرے جو اپنے بھائی کو "حیا" کے بارے میں وعظ و نصیحت کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ (حیا کی اہمیت و فضیلت کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ) حیا تو ایمان کا حصہ ہے"۔

صحیح بخاری ہی کی دوسری روایت میں ہے:

"وہ شخص اپنے بھائی کو حیا کے متعلق نصیحت کرتے ہوئے ڈانٹ رہا اور سرزنش کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ إِنَّكَ لَتَسْتَحْيِي تمہیں شرم و حیا کرنی چاہیے ورنہ میں تمہیں ماروں گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو کیونکہ حیا تو ایمان کا حصہ ہے"۔(2)

ان دونوں احادیث سے جہاں شرم و حیا کی اہمیت و حیثیت واضح ہوتی ہے وہاں ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ خاندان، گھر، قوم اور قبیلے کے بزرگوں اور بڑوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت اور زیر حفاظت افراد کی نگرانی کریں۔ اور گاہے بگاہے انہیں شرم و حیا، عفت و پاک دامنی اور دیگر اسلامی احکام کے بارے میں وعظ و نصیحت کرتے رہیں اور اس معاملے میں اگر ڈانٹ، ڈپٹ اور جھڑکنے کی ضرورت محسوس ہو تو اس سے بھی گریز نہ کریں۔ کیونکہ

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الحیاء من الایمان: 24

(2) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الحیاء: 6118

گھر کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے زیر سایہ پرورش پانے والوں کی دینی اور اخلاقی تربیت کا اہتمام وانتظام کرے۔

ہمارے معاشرے میں تو اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنی اولاد کی شرم وحیا کے بارے میں سخت نگہداشت کریں۔ انہیں فحاشی اور عریانی سے بچائیں۔ موبائل اور انٹرنیٹ پر ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں اور وقتاً فوقتاً ان سے پوچھ گچھ بھی کرتے رہیں تاکہ وہ ہماری ذلت وبدنامی کا باعث بننے کی بجائے عزت وسرخروئی کا سبب ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان مردوخواتین کو شرم وحیا کا رویہ اپنانے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

رفع حاجت اور حیاء مصطفیٰ ﷺ:

ہمارے محبوب ﷺ کی ایک ایک ادا سے حیاء، شرم اور شرافت ظاہر ہوتی ہے آپ ﷺ کو عریانی، فحاشی اور بے حیائی سے طبعی نفرت تھی۔ آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ سے قبل حماموں کا ایسا نظام تھا کہ کئی لوگ اکٹھے حمام میں داخل ہو جاتے اور عریاں غسل کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس بے حیائی کا تدارک کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَدْخُلِ الْحَمَّامَ بِغَيْرِ إِزَارٍ»[1]

”جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ حمام میں بے پردہ داخل نہ ہو“۔

لوگ رفع حاجت کے وقت آمنے سامنے برہنہ ہی بیٹھ جاتے اور اسی حالت میں باہم گفتگو شروع کر دیتے۔ آپ ﷺ نے اس حرکت کو شرم وحیا کے خلاف قرار دے کر اہل اسلام کو اس قبیح عمل سے منع فرمایا۔ چنانچہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

---

(1) جامع ترمذی، کتاب الادب، باب ما جاء فی دخول الحمام: 2801، قال الالبانی، حسن

ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَخْرُجُ الرَّجُلَانِ يَضْرِبَانِ الْغَائِطَ كَاشِفَيْنِ عَنْ عَوْرَتِهِمَا يَتَحَدَّثَانِ فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَمْقُتُ عَلَى ذَالِكَ»[1]

"دو شخص رفع حاجت کے وقت اپنے ستر کھول کر باہم گفتگو نہ کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس حرکت کی وجہ سے ناراض ہوتا ہے"۔

آپ ﷺ کے عمل سے پتہ چلتا ہے کہ اس حالت میں کسی کے سلام کا جواب دینا بھی جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ:

«أَنَّ رَجُلًا مَرَّ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبُولُ، فَسَلَّمَ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ»[2]

"رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے تھے کہ ایک شخص نے گزرتے ہوئے آپ کو سلام کہا لیکن آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا"۔

عرب معاشرے کے لوگ قضائے حاجت کے لیے زمین پر بیٹھنے سے قبل ہی شرم گاہ سے کپڑا اٹھا دیتے اور کھلی فضا میں ہونے کے باوجود اپنے ستر کو چھپانے کا کوئی اہتمام نہ کرتے جبکہ آپ ﷺ اپنی طبعی شرم و حیا کے باعث اس عمل کو ناپسند فرماتے اور اگر آپ ﷺ آبادی سے باہر قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو زمین کے انتہائی قریب ہو کر کپڑا اٹھاتے تھے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کے صحابی جناب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ حَاجَةً لَا يَرْفَعُ ثَوْبَهُ حَتَّى يَدْنُوَ مِنَ الْأَرْضِ»[3]

"نبی اکرم ﷺ جب رفع حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین کے قریب ہونے

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الطهارت، باب كراهية الكلام عند الحاجة:15؛ سلسلة الاحاديث الصحيحة: 3120

(2) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب ترك رد السلام اثناء البول:370

(3) سنن ابی داؤد، كتاب الطهارة، باب كيف التكشف عند الحاجة:14، قال الالبانی، صحيح

سے پہلے اپنا کپڑا اوپر نہیں اٹھاتے تھے"۔

دور جاہلیت میں لوگ رفع حاجت کی خاطر شہر یا گاؤں کی آبادی کے قریب ہی بیٹھ جاتے اور پردے وغیرہ کا بھی کوئی اہتمام نہ کرتے جبکہ صاحب شرم و حیا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس معاملے میں بھی اپنے قول و عمل کے ذریعے مسلمانوں کو پردے کا خاص خیال رکھتے ہوئے آبادی سے دور جانے اور چھپ کر فارغ ہونے کی ہدایت فرمائی یا باپردہ بیت الخلاء کو پسند فرمایا: سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

« وَكَانَ أَحَبَّ مَا اسْتَتَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهِ هَدَفٌ أَوْ حَائِشُ نَخْلٍ »[1]

"رسول اللہ ﷺ کو قضائے حاجت کے وقت (لوگوں سے) چھپنے کے لیے زمین سے بلند اور درختوں کے جھنڈ والی جگہ زیادہ پسند تھی"۔

اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

« أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا ذَهَبَ الْمَذْهَبَ أَبْعَدَ »[2]

"نبی مکرم ﷺ جب رفع حاجت کے لیے جاتے تو بہت دور تشریف لے جاتے"۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی اسی خوبی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

« أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ الْبَرَازَ انْطَلَقَ حَتّٰى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ »[3]

"نبی اکرم ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو آبادی سے دور نکل جاتے حتی کہ آپ ﷺ کسی کو نظر نہ آتے تھے"۔

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب ما یستتر به لقضاء الحاجة: 342

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الطھارة، باب التخلی عند قضاء الحاجة: 1، قال الالبانی، حسن صحیح

(3) سنن ابی داؤد، کتاب الطھارة، باب التخلی عند قضاء الحاجة: 2، قال الالبانی، صحیح

حیاءِ مصطفیٰ ﷺ اور ظہور معجزہ:

ہمارے محبوب آقا ﷺ ایسے باحیا، باشرم اور مجسمہ شرافت تھے کہ کسی حالت اور کسی صورت بھی کوئی ایسا عمل نہ کرتے جو آپ ﷺ کی ذاتی شرافت اور صفت حیا کے منافی ہو، اگر کسی وقت کوئی ایسی مجبوری لاحق ہو جاتی کہ جس سے آپ کی شرم و حیا پر حرف آنے کا خطرہ اور خدشہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے توسط سے ایسا معجزہ ظاہر فرما دیتا کہ آپ کی شرم و حیا کی صفت میں مزید نکھار پیدا ہو جاتا۔ جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے:

سِرْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى نَزَلْنَا وَادِيًا أَفْيَحَ، فَذَهَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِي حَاجَتَهُ، فَاتَّبَعْتُهُ بِإِدَاوَةٍ مِنْ مَاءٍ..........

"ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر کر رہے تھے کہ دوران سفر ہم ایک وسیع و عریض وادی میں پہنچ گئے جہاں آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے اور میں بھی پانی کا لوٹا لے کر آپ ﷺ کے پیچھے چل پڑا۔ تا آنکہ آپ ﷺ نے مجھ سے پانی کا برتن پکڑا اور دور تشریف لے گئے مگر کوئی باپردہ جگہ نہ ملی تو آپ ادھر ادھر دیکھنا شروع ہو گئے۔ اچانک آپ کی نظر وادی کے دو کناروں پر کھڑے دو درختوں پر پڑی"۔

فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى إِحْدَاهُمَا، فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ أَغْصَانِهَا فَقَالَ: انْقَادِي عَلَيَّ بِإِذْنِ اللهِ. فَانْقَادَتْ مَعَهُ كَالْبَعِيرِ الْمَخْشُوشِ..........

"تو آپ ﷺ ان میں سے ایک درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ٹہنی کو پکڑ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حکم سے میرا فرماں بردار ہو جا۔ تو وہ درخت نکیل ڈالے ہوئے اونٹ کی طرح آپ کا فرماں بردار بن کر آپ ﷺ کے

ساتھ چل پڑا"۔

حَتّٰى أَتَى الشَّجَرَةَ الْأُخْرٰى، فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ أَغْصَانِهَا، فَقَالَ: انْقَادِي عَلَيَّ بِإِذْنِ اللهِ. فَانْقَادَتْ مَعَهُ كَذٰلِكَ، حَتّٰى إِذَا كَانَ بِالْمَنْصَفِ مِمَّا بَيْنَهُمَا........

"پھر آپ ﷺ وادی کے دوسرے کنارے پر کھڑے درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ٹہنی کو پکڑ کر اسے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی اطاعت و فرماں برداری کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تو وہ درخت بھی آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپ ﷺ کے پیچھے چل پڑا یہاں تک کہ آپ ﷺ وادی کے دونوں کناروں سے دو درختوں کو پکڑ کر وادی کے درمیان لے آئے تو پھر دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

«الْتَئِمَا عَلَيَّ بِإِذْنِ اللهِ» فَالْتَأَمَتَا

"اب دونوں اللہ کے حکم سے میرے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مل جاؤ تو وہ دونوں درخت آپس میں ایسے جڑ گئے کہ درمیان میں کوئی خلا باقی نہ رہا۔ آپ ﷺ ان دونوں درختوں کی اوٹ میں رفع حاجت سے فارغ ہوئے"۔

جناب جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں دور بیٹھا اپنی گردن جھکائے درختوں کے چلنے آپ ﷺ کی فرماں برداری کرنے اور دونوں کے آپس میں مل کر آپ ﷺ کے لیے پردہ کرنے کے معاملات پر غور کر رہا اور حیران و خوش ہو رہا تھا کہ اچانک رسول مکرم میرے پاس تشریف لے آئے۔ تو میں نے فوراً ان درختوں کی طرف دیکھا تو:

وَإِذَا الشَّجَرَتَانِ قَدِ افْتَرَقَتَا، فَقَامَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا عَلٰى سَاقٍ

"وہ دونوں درخت ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ پر پہنچ کر کھڑے ہو چکے تھے"۔[1]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب حديث جابر الطويل: 3012

آپ نے غور فرمایا کہ حبیب مکرم ﷺ کیسے حیا کے پیکر تھے کہ آبادی سے دور بھی کھلی جگہ پر قضائے حاجت کی خاطر کیسے معجزانہ طریقے سے پردے کا اہتمام فرمایا۔

اس حدیث مبارکہ کی ایک اور اہم بات بھی لائق توجہ ہے کہ جنگلوں اور وادیوں کے درختوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا اطاعت گزار اور فرماں بردار بنایا تھا کہ دونوں درخت آپ ﷺ کا حکم سن کر فوراً آپ کے ساتھ چل پڑے اور آپ ﷺ کی فرماں برداری کا اعلیٰ نمونہ پیش کر دیا۔

حضرات ! وہ درخت ہو کر آپ کا حکم مانیں اور ہم انسان اور مسلمان ہو کر آپ ﷺ کی نافرمانی کریں تو ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ ان درختوں کا عمل ہمیں درس دیتا ہے کہ ہم رسول محترم ﷺ کے ہر حکم پر اپنی گردنوں کو جھکا دیں۔ اورآپ کی اطاعت واتباع کریں۔ آپ کے نقش قدم پر چلیں۔ آپ کی حکم کی عدولی نہ کریں اور اسوہ حسنہ پر عمل کرنے سے سر موانحراف نہ کریں۔ قرآن کریم کی زیر بحث آیت مقدسہ ہمیں یہی حکم دے رہی ہے کہ:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے"۔

اس حدیث کے آخری الفاظ مزید توجہ ،غوراور فکر کے لائق ہیں کہ سیدنا جابر ﷺ کا فرمان ہے کہ جب آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے چہرے پر خوشی اور حیرانی کے آثار دیکھے تو پر مسرت لہجے میں فرمایا:

«يَا جَابِرُ هَلْ رَأَيْتَ مَقَامِي؟» قُلْتُ: نَعَمْ، يَا رَسُولَ اللهِ

"اے جابر! کیا تم نے میرے مرتبے اور مقام کو دیکھا ہے ؟ میں نے نہایت ادب سے عرض کی۔ جی! اے اللہ کے رسول ﷺ (میں نے دیکھا ہے کہ درخت بھی آپ کے حکم کی اطاعت وفرماں برداری کرتے ہیں)"۔ [1]

---

[1] صحیح مسلم : 3012

تعریف حیا بزبان مصطفیٰ ﷺ:

امام المرسلین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے متعدد مواقع پر اپنی زبان حق ترجمان سے حیا کی فضیلت، عظمت اور تعریف بیان فرمائی ہے، جیسا کہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا:

«الحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ»[1]

"حیا تو مکمل طور خیر ہی خیر ہے"۔

ہمارے پیارے رسول ﷺ کی خدمت اقدس میں متعدد وفود حاضر ہوتے رہتے تھے، ان میں سے ایک وفد جسے کتب سیرت میں "وفد عبدالقیس" کا نام دیا گیا ہے۔ کے بارے میں ہے کہ:

"ایک دن رحمت عالم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں تشریف فرما تھے۔ دورانِ گفتگو آپ ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ادھر سے ایک وفد آنے والا ہے جو مشرق کی طرف سے آنے والے تمام لوگوں سے بہترین وفد ہے انہوں نے بغیر کسی جبر واکراہ کے دور دراز کا سفر طے کیا ہے اور سفر کی طوالت کے باعث ان کی سواریوں کے جانور لاغر ہو گئے ہیں۔ اوران کا زاد سفر ختم ہو گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی: "اے اللہ! عبد قیس کے وفد کو بخش دے" سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ زبان رسالت سے آنے والے وفد کے فضائل سن کر استقبال کے لیے مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے گئے تو تیرہ افراد پر مشتمل ایک قافلہ آتا ہوا نظر آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت فرمایا: مَنِ الْقَوْمُ؟ آپ لوگوں کا تعلق کس قبیلے سے ہے تو انہوں نے بتایا کہ ہم قبیلہ بنی عبدالقیس کے لوگ ہیں۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم تجارت کی غرض سے مدینہ طیبہ آئے ہو؟ انہوں

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الحیاء: 6117

نے کہا: نہیں ہم تو رسول محترم ﷺ کی زیارت کی خاطر حاضر ہوئے ہیں۔ تو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خوش خبری سنائی کہ رسول مکرم ﷺ نے تمہارے بارے میں بڑے اچھے خیالات کا اظہار فرمایا ہے اور تمہارے آنے سے قبل تمہارے لیے دربار الٰہی میں مغفرت اور بخشش کی دعا فرمائی ہے۔

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انہیں ساتھ لے کر مسجد نبوی کے دروازے پر آئے اور وفد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:.......وہ ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ جن کی ملاقات وزیارت کے لیے تم نے (بحرین سے) اتنا طویل سفر اختیار کیا ہے۔

بس یہ سننا تھا کہ ارکان وفد بڑی تیزی کے ساتھ اپنی سواریوں سے اترے اور تیز دوڑتے ہوئے خدمت نبوی میں حاضر ہوگئے"۔[1]

اس وفد میں اشج العصری نامی ایک بڑا مہذب، باحیا، باادب اور بردبار نوجوان بھی تھا۔ اس نے جلدی کرنے کی بجائے آرام سے اپنی سواری بٹھائی، تسلی سے سامان درست کیا اور دھلے ہوئے سفید کپڑے زیب تن کر کے اطمینان اور تسلی سے خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور نہایت ادب سے آپ کو سلام عرض کرتے ہوئے مصافحہ کیا۔ آپ ﷺ نے اس کے وقار، تمکنت اور حلم وحیا کو دیکھ کر فرمایا:

إِنَّ فِيْكَ لَخُلُقَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ قُلْتُ وَمَا هُمَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: (الحِلمُ والحَيَاءُ) قُلْتُ قَدِيماً كَانَ أَوْ حَدِيثاً قَالَ: (قَدِيماً) قُلت الْحَمْدُ لِلهِ الَّذِي جَبَلَنِي عَلَى خُلُقَيْنِ أَحَبَّهُمَا اللهُ تَعَالىٰ[2]

"تیرے اندر دو ایسی خصلتیں اور عادتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بڑی پسند اور محبوب ہیں، میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ وہ کونسی عادتیں ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تحمل اور حیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ خصلتیں میرے اندر پہلے سے موجود ہیں۔ یا ابھی پیدا ہوئی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے

(1) دلائل النبوة للبیهقی، 327/5

(2) الادب المفرد للبخاری، باب التؤدة فی الامور: 584، قال الالبانی، صحیح

سے موجود ہیں۔ میں نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میرے اندر دو ایسی عادتیں پیدا فرمائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے"۔

میں عرض یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شرافت اور شرم و حیا ایسی خوب صورت خصلت، جبلت اور عادت ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ رسول محترم ﷺ اس کی تعریف و مدح فرماتے اور عوام بھی باحیا اور باشرم آدمی کی عزت و قدر کرتے ہیں۔

شارح صحیح بخاری مولانا محمد داؤد رحمۃ اللہ علیہ "حیا" کی حقیقت و حیثیت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"حیا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان برائی کی نسبت اپنے نام کے ساتھ ہونے سے ڈرے، حرام امور میں حیا کرنا واجب ہے اور مکروہات میں بھی حیا کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ الحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ کا یہی مطلب ہے کہ حیا خیر ہی خیر لاتی ہے۔ بعض سلف کا قول ہے: خَفِ اللهَ عَلٰى قُدْرَتِهٖ عَلَيْكَ وَاسْتَحْيِ مِنْهُ عَلٰى قُدْرَتِهٖ قُرْبُهٗ مِنْكَ ۔ اللہ کا خوف پیدا کرو اس اندازہ کے مطابق کہ وہ تمہارے اوپر کتنی زبردست قدرت رکھتا ہے اور اس سے شرم رکھو یہ اندازہ کرتے ہوئے کہ وہ تم سے کس قدر قریب ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کا خوف پورے طور پر ہو کہ وہ تمہارے اوپر اپنی قدرت کامل رکھتا ہے جب وہ چاہے اور جس طرح چاہے تم کو پکڑے اور اس سے شرم و حیا بھی اس خیال سے ہونی چاہیے کہ وہ تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

الغرض حیا اور شرم انسان کا ایک فطری نیک جذبہ ہے جو اسے بے حیائی سے روک دیتا ہے اور اس کے طفیل وہ بہت سے گناہوں کے ارتکاب سے بچ جاتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ حیا سے مراد وہ بے جا شرم نہیں ہے جس کی وجہ سے انسان کی جرات عمل ہی مفقود ہو جائے۔ وہ اپنے ضروری فرائض کی ادائیگی میں بھی شرم و حیا کا بہانہ تلاش کرنے لگے"۔ (1)

(1) صحیح بخاری مترجم، کتاب الایمان، باب الحیاء من الایمان، تشریح حدیث: 24

شرم وحیا کی حدود و قیود:

فطری حیااور شرم کے قابل تحسین اور لائق توصیف ہونے میں تو کوئی شک و شبہ نہیں ہے لیکن اگر اس میں بزدلی، خوف اور ڈر کی کیفیت شامل ہو جائے جس کے باعث کوئی شخص اجتماعی کام، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، مسائل کی تحقیق و جستجو اور اپنے مافی الضمیر کا کھل کر اظہار نہ کر سکے تو ایسی شرم و حیا قابل تعریف نہیں بلکہ لائق اصلاح ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو حق کے اظہار، دین کی تبلیغ اور لوگوں کو برے اعمال سے روکنے کی تلقین و تاکید فرماتا ہے اور اس راستے کی مشکلات اور پریشانیوں کو صبر و استقامت سے برداشت کرنے کا حکم دیتا ہے، ہمارے دین کی تعلیم قطعاً یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص محض اپنی طبعی شرم و حیا کی وجہ سے دینی مسائل دریافت یا بیان نہ کرے اور اظہار حق کے موقع پر خاموشی اختیار کرے بلکہ ہمارے رسول ﷺ نے ایسے افراد بلکہ خواتین کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے جو بلا خوف اور بلا جھجک شرعی مسائل معلوم کرتے اور اسلامی مسائل کی تفہیم میں روائتی قسم کی شرم وحیا کو آڑے نہیں آتے دیتے۔

رسول اللہ ﷺ کی صحابیات میں سے ایک بڑی عالمہ اور فاضلہ صحابیہ کا نام سیدہ رمیصاء بنت ملحان اور کنیت ام سلیم تھی یہ خادم رسول جناب انس رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ تھیں۔ان کے بارے میں ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ وہ آپ ﷺ سے بلا خوف اور بلا جھجک ایسے مسائل بھی دریافت کر لیا کرتی تھیں جنہیں عام طور پر عورت اپنی طبعی حیا اور شرم کی وجہ سے کسی کے سامنے ذکر کرنا مناسب خیال نہیں کرتی۔ چنانچہ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

«جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ؛ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ» فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ. تَعْنِي وَجْهَهَا. وَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ

أَوَتَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ؟ قَالَ: «نَعَمْ، تَرِبَتْ يَمِينُكِ، فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا»[1]

"سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا یعنی جھجک محسوس نہیں کرتا (لہٰذا مجھے یہ مسئلہ دریافت کرنے میں حیا مانع نہیں ہے کہ) اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس کے لیے بھی غسل کرنا ضروری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ جب وہ پانی (کے آثار) دیکھے (تو اس پر بھی غسل لازم ہے) یہ سن کر ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے (شرم کے مارے کپڑے سے) اپنا منہ ڈھانپ لیا اور عرض کیا کہ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں (اگر عورت کو احتلام نہیں ہوتا تو) بچہ شکل وصورت میں عورت کے مشابہ کیسے ہوتا ہے"۔

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کی اس جرات وبے باکی سے یہ امر واضح ہو گیا کہ شرعی معلومات کے حصول، وعظ ونصیحت، تبلیغ احکام، اظہار حقیقت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ کے معاملے میں بے جا شرم وحیا کی ضرورت نہیں ہے بلکہ دینی احکام کو وضاحت وصراحت سے معلوم کرنا اور ان کا صحیح اسلامی حل تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

قرآن مجید فرقان حمید میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے میں کوئی عار اور شرم محسوس نہیں کرتا بلکہ ہر چیز کو پوری صراحت، وضاحت اور تشریح کے ساتھ بیان فرما دیتا ہے تاکہ معاملے اور مسئلے کا کوئی پہلو تشنہ اور نامکمل نہ رہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور قدرت کے اظہار اور غیر اللہ کی بے اختیاری اور محتاجی کا تذکرہ کرتے ہوئے مکھی اور مکڑی کی مثالیں بیان فرمائیں تو اہل ضلالت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو اتنا عظیم وکبیر ہو کر اتنی معمولی اور حقیر اشیاء کی مثالیں بیان کرنے سے شرم کرنی چاہیے تو اس

(1) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الحیاء فی العلم: 130

کے جواب میں رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَا ذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ﴾ (البقرہ:26)

"یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے نہیں شرماتا کہ مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز (مثلاً مکھی مکڑی وغیرہ) کی مثال بیان فرمائے جو مومن ہیں وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ ان کے پروردگار کی طرف سے سچ ہے اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے"۔

مدینہ طیبہ کی انصاری صحابیات رسول اللہ ﷺ سے عورتوں کے متعلق مسائل حتی کہ نجاست و طہارت اور حیض و نفاس کے احکام بھی بلا جھجک پوچھ لیا کرتی تھیں اور خواتین اسلام کے ہاں اسے اخلاقی وصف اور خوبی شمار کیا جاتا تھا۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے:

«نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَكُنْ يَمْنَعُهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ» [1]

"عورتوں سب سے اچھی عورتیں انصار کی ہیں کہ شرم و حیا ان کے دینی علم سیکھنے میں رکاوٹ نہیں ہے"۔

اسی طرح جب کسی شخص کو کسی شرعی مسئلہ کا علم ہو تو محض بڑوں کی موجودگی سے حیا کرتے ہوئے اس کی وضاحت نہ کرنا بھی پسندیدہ فعل نہیں ہے بلکہ تبلیغ و اشاعت اور دعوت و تذکیر کا تقاضا یہ ہے کہ بزرگوں کے ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے معاملے کی حقیقت اور مسئلے کی حیثیت واضح کر دی جائے جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کی مجلس میں فرمایا:

---

(1) صحیح مسلم ،کتاب الطہارت ، باب استحباب استعمال المغسة :332

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ شَجَرَةٍ خَضْرَاءَ، لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَلاَ يَتَحَاتُّ»

"مومن کی مثال اس سرسبز درخت جیسی ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور نہ خشک ہوتے ہیں ۔فَحَدِّثُونِي مَا هِيَ بتاؤوہ کون سا درخت ہے ؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کسی درخت کا نام لیا۔ جناب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ :وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ میرے دل میں خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن چونکہ میں نوجوان تھا اور مجلس میں اکابر صحابہ تشریف فرما تھے ۔فَاسْتَحْيَيْتُ تو ان کے سامنے بولتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہوئی۔ جب کوئی صحابی بھی اس درخت کا درست نام نہ بتاسکا تو رفقاء رسول نے آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں عرض کی کہ آپ ہی فرمائیں وہ کون سا درخت ہے ؟تو آپ ﷺ نے فرمایا:هِيَ النَّخْلَةُ وہ کھجور کا درخت ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ پھر میں نے اپنے والد محترم جناب عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ مجھے اس درخت کا نام معلوم تھا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر وہاں بتا دیتے تو مجھے بہت سارا مال ملنے سے بھی زیادہ خوشی ہوتی (کہ میرا بیٹا اتنا ذہین، فطین اور سمجھ دار ہے)"۔[1]

ان روایات ،واقعات اور رسول اکرم ﷺ کے ارشادات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اظہار حق ،دعوت و تبلیغ اور نصیحت و ہدایت کے موقع پر خاموشی اختیار کرنا شرم وحیا نہیں بلکہ بزدلی اور سستی ہے جس کا تدارک اشد ضروری ہے۔

شرم وحیا کی انتہا:

سرکار دو عالم ﷺ کی طبعی شرافت ، شرم وحیا اور فطری نرمی کی کیفیت یہ تھی کہ

(1) صحیح بخاری ،کتاب الادب، باب لایستحیا من الحق للتفقه فی الدین: 6122؛ و کتاب العلم ،باب قول المحدث: 61

آپ ﷺ بعض اوقات شدید ضرورت کے باوجود بھی کسی کو اپنے گھر سے نہ اٹھاتے اور لوگوں کے بے مقصد بیٹھے رہنے کو برداشت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ اس شدت حیا اور فطری شرم کا تذکرہ قرآنی آیات میں بھی کیا گیا۔ ہوا یوں کہ رسول رحمت ﷺ نے ماہ ذوالقعدہ 5 ہجری میں سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ اللہ تعالیٰ حکم کے مطابق نکاح فرمایا۔ اس نکاح کے بارے میں ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بطور مسرت و افتخار دوسری ازواج مطہرات سے فرمایا کرتی تھیں:

«زَوَّجَكُنَّ أَهَالِيكُنَّ، وَزَوَّجَنِي اللهُ تَعَالَى مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمَوَاتٍ»[1]

”رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمہاری شادیوں کے معاملات تمہارے گھر والوں نے طے کیے تھے اور آپ ﷺ سے میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کے طے کیا ہے“۔

خادم رسول جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے موقع پر رسول اکرم ﷺ نے ”دعوت ولیمہ “کا خصوصی اہتمام فرمایا اور لوگوں کو کھانے کے لیے دعوت دینے اور بلانے کے لیے میری ڈیوٹی لگائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے گوشت، روٹی کا انتظام فرمایا۔ لوگ ٹولیوں اور گروہوں کی صورت میں آتے۔ پیٹ بھر کر کھانا کھاتے اور واپس چلے جاتے۔ یہاں تک (قرب و جوار میں) کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس نے آپ ﷺ کے دستر خوان سے کھانا نہ کھایا ہو۔ جب تمام لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ يَا نَبِيَّ اللهِ مَا أَجِدُ أَحَدًا أَدْعُوهُ۔ اے اللہ کے نبی ﷺ اب ایک شخص بھی ایسا نہیں رہا جسے میں کھانے کے لیے دعوت دوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اِرْفَعُوا طَعَامَكُمْ

[1] صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب و کان عرشه على الماء: 7420

اب کھانا اٹھالو"۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے مزید تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"سب لوگ کھانا کھا کر اپنے گھروں کو چلے گئے مگر تین افراد آپ ﷺ کے حجرۂ مبارکہ میں بیٹھے باتوں میں مصروف ہو گئے اور انہیں اس امر کا احساس ہی نہ ہوا کہ اب ہمیں آپ ﷺ کے گھر سے باہر چلے جانا چاہیے۔ رسول محترم ﷺ وہاں بیٹھ کر ان کے اٹھنے کا انتظار کرنے کی بجائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ پاک کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللهِ اے اہل بیت! تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواباً عرض کی۔ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ، كَيْفَ وَجَدْتَ أَهْلَكَ بَارَكَ اللهُ لَكَ۔ اور آپ پر بھی سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو آپ کے اپنے اہل کو کیسا پایا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو برکت عطا فرمائے۔ پھر آپ ﷺ اپنی تمام ازواج مطہرات کے حجرات میں تشریف لے گئے اور سب کو اسی طرح سلام کہا جس طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہا تھا اور سب نے اسی طرح جواب دیا اور شادی کی مبارک پیش کی جس طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مبارک باد عرض کی تھی"۔

« ثُمَّ رَجَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا ثَلَاثَةٌ مِنْ رَهْطٍ فِي الْبَيْتِ يَتَحَدَّثُونَ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَدِيدَ الْحَيَاءِ »

"پھر نبی محترم ﷺ حجرہ زینب کی طرف واپس تشریف لائے تو وہ تینوں افراد ابھی تک آپس میں باتیں کر رہے تھے اور نبی اکرم ﷺ چونکہ بہت حیادار تھے، اس لیے انہیں کچھ کہے بغیر دوبارہ حجرہ عائشہ کی طرف تشریف لے گئے"۔

جناب انس رضی اللہ عنہ نے کیا خوب صورت بات ارشاد فرمائی کہ آپ ﷺ اتنے حیادار تھے کہ آپ نے چھوٹے سے حجرے میں بیٹھ کر باتیں کرنے والوں اور آپ ﷺ کی پریشانی کا سبب بننے والوں کو یہ کہنا بھی پسند نہ فرمایا کہ کھانا کھایا جا چکا اور سب لوگ اپنے گھروں کو روانہ ہو چکے، لہٰذا اب تم بھی چلے جاؤ تاکہ میں اپنی زوجہ سے کوئی بات چیت کر سکوں۔ خادم مصطفیٰ کا فرمان ہے کہ وہ تینوں جب اپنی مرضی سے اٹھ کر چلے گئے تو میں نے یا کسی دوسرے شخص نے عرض کی۔

«أَنَّ الْقَوْمَ خَرَجُوا فَرَجَعَ، حَتَّى إِذَا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي أُسْكُفَّةِ الْبَابِ دَاخِلَةً، وَأُخْرَى خَارِجَةً أَرْخَى السِّتْرَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، وَأُنْزِلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ»[1]

"وہ لوگ چلے گئے ہیں تو آپ ﷺ واپس تشریف لائے حتی کہ آپ ﷺ کا ایک قدم دروازے کے اندر اور دوسرا باہر تھا کہ میرے اور آپ کے درمیان پردہ لٹکا دیا گیا اور آیت حجاب نازل فرمائی گئی"۔

اب اس واقعہ کے بارے میں قرآن کریم کے بابرکت الفاظ و کلمات پڑھیے اور اندازہ فرمائیے کہ رب العالمین کس طرح رحمۃ للعالمین کی شرم، حیا اور شرافت کے خوبصورت تذکرے فرما رہا اور اہل ایمان کو احترام رسول کے تقاضے سمجھا رہا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ﴾ (الاحزاب:53)

"اے ایمان والو! نبی ﷺ کے گھروں میں اذن و اجازت کے بغیر داخل نہ ہوا کرو اور نہ وہاں جا کر کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو۔ اور لیکن جب تمہیں دعوت

---

(1) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب فی قولہ : لاتدخلوا ...:4793

دی جائے تو داخل ہو جایا کرو۔ پھر جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو وہاں سے نکل کر منتشر ہو جاؤ اور وہاں باتوں میں مصروف نہ ہو جاؤ۔ بے شک تمہاری یہ عادت نبی اکرم ﷺ کے لیے تکلیف دہ ہے۔ وہ تو تم سے بہت شرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو حق بات سے نہیں شرماتا"۔

بے حیائی... ہر برائی:

یاد رکھیے! "حیا" نیکیوں کا منبع، اچھائیوں کا محور اور خوبیوں کا مرکز ہے جبکہ بے حیائی گناہوں کی آماج گاہ، خرابیوں کا مصدر اور خطاؤں کی جولان گاہ ہے۔ حیا انسان کو متواضع، نیک سیرت اور خوش خصال بناتا ہے اور بے حیائی انسان کو بے ضمیر، بے غیرت اور بے وفا بناتی ہے۔ شرم انسان کو نافرمانیوں سے روکتی ہے اور بے شرمی گناہوں پر ابھارتی ہے۔ حیا بندے اور گناہ کے درمیان سد سکندری ہے۔ جب کسی انسان سے حیا اور شرم ختم ہو جاتی ہے تو وہ ہر گناہ اور عیب پر آمادہ ہو جاتا ہے اسی امر کی طرف ہماری توجہ مبذول کرواتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الأُولَى: إِذَا لَمْ تَسْتَحِي فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ »(1)

"سابقہ نبوت کے کلام میں سے جو باتیں لوگوں نے حاصل کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب تو حیا نہیں کرتا تو جو چاہے کر"۔

اس فرمان رسول سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا تمام انبیاء کرام کی شریعتوں میں ایک اچھا وصف اور پسندیدہ عمل گردانا گیا ہے اور تمام انبیاء ورسل نے اپنی امتوں کو حیا، شرم اور شرافت کا درس دیا ہے اور بے حیائی و بے شرمی کی مذمت کی ہے۔ حیا کا تعلق حجاب و نگاہ یعنی غض بصر اور پردے سے بھی ہے۔ جیسے اگر کوئی عورت باپردہ ہو تو اسے حیادار سمجھا جاتا ہے اور بے پردہ خواتین کو بے حیاؤں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مرد غیر محرم

(1) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اذا لم تستحی....: 6120

عورتوں کا سامنا کرتے وقت اپنی نگاہوں کو نیچا رکھے اور خواتین کو نظر بھر کر دیکھنے کی جرات وجسارت نہ کرے تو اسے باحیا کہا جاتا ہے اور عورتوں کو مسلسل تاڑنے اور انہیں بار بار دیکھنے والے شخص کو بے شرم اور بے حیا گردانا جاتا ہے۔

ہمارے معاشرے کے بگاڑ میں ایک نمایاں کردار "بے حیائی" کا بھی ہے۔ بڑھتی ہوئی فحاشی، عریانی اور بے حیائی نے ہماری اخلاقی قدروں کو کھوکھلا کر دیا ہے اجنبی مردوں سے تعلقات ___ غیر محرم خواتین سے ٹیلی فونک رابطے ___ مخلوط نظام تعلیم ___ نوجوان لڑکیوں کی نیم برہنہ تصاویر کی نمائش ___ بعض بلکہ اکثر ٹی وی چینلز پر عریاں رقص ___ فحش گفتگو ___ ذو معنی جملے اور الفاظ ___ حیا سوز گانے ___ نائٹ کلبوں کی رونق ___ عورتوں کا ننگے منہ بازاروں میں پھرنا ___ غیر مردوں کے ساتھ خواتین کی خلوت و تنہائی ___ اداروں اور دفتروں میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط ___ ویلنٹائن ڈے جیسے حیا سوز اور بے ہودہ تہوار ___ بے روک ٹوک گپ شپ ___ کھمبوں پر لٹکے عورتوں کی عریاں تصویر والے بورڈز ___ اور ___ گھروں میں غیر محرم مردوں کی وقت بے وقت آمد و رفت ___ اگر بے حیائی، بے شرمی اور بے غیرتی نہیں تو اور کیا ہے؟

میں خاندانوں کے سربراہوں، برادریوں کے بزرگوں، تعلیمی اداروں کے اساتذہ، بچوں اور بچیوں کے والدین، معاشرے کے سنجیدہ فکر افراد، اور ہر درد دل رکھنے والے شخص سے درخواست، اپیل اور گزارش کروں گا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں، خدا کے لیے میدان عمل میں اتریں اور فحاشی، عریانی اور بے حیائی کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کی کوشش کریں۔ ورنہ

تمہاری داستاں تک نہ ہو گی داستانوں میں

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن رسول محترم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ، وَأَعُوذُ بِاللهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ: لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ، حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا، إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ، وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا، وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ، إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ، وَشِدَّةِ الْمَئُونَةِ، وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ، إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا، وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللهِ، وَعَهْدَ رَسُولِهِ، إِلَّا سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ، فَأَخَذُوا بَعْضَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ، وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللهِ، وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللهُ، إِلَّا جَعَلَ اللهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ»[1]

"اے جماعت مہاجرین پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہو جاؤ اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تم ان چیزوں میں مبتلا ہو۔(۱) جس قوم میں فحاشی اعلانیہ ہونے لگے تو اس میں طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان سے پہلے لوگوں میں نہ تھیں ۔(۲) جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو وہ قحط مصائب اور بادشاہوں (حکمرانوں) کے ظلم وستم میں مبتلا کر دی جاتی ہے۔ (۳) جب کوئی قوم اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دیتی تو بارش روک دی جاتی ہے اور اگر چوپائے نہ ہوں تو ان پر کبھی بھی بارش نہ برسے۔(۴) جو قوم اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ غیروں کو ان پر مسلط فرما دیتا ہے جو اس قوم سے عداوت رکھتے ہیں پھر وہ ان کے اموال چھین لیتے ہیں۔(۵) جب مسلمان حکمران کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ نظام میں سے (مرضی کے کچھ احکام) اختیار کر لیتے ہیں (اور باقی چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو خانہ جنگی اور) باہمی

(1) سنن ابن ماجه ، كتاب الفتن ، باب العقوبات :4019،قال الالبانى ، حسن

اختلافات میں مبتلا فرمادیتے ہیں"۔

اگر ہم بنظرِ غائر اپنے ماحول، حالات اور معاملات کا جائزہ لیں تو آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ پانچوں عیوب، نقائص اور گناہ من حیث القوم ہمارے اندر موجود ہیں اور ان خرابیوں کے جو نقصانات ہمارے رسول ﷺ نے اپنی زبان نبوت سے بیان فرمائے ہیں ہم من حیث المجموع ان سب میں مبتلا ہیں۔

◉ فحاشی، بے حیائی اور بے غیرتی کا طوفان ہے جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا اور اس کے نتیجے میں ایسی ایسی لاعلاج بیماریاں اور امراض پیدا ہو رہی ہیں جن کا زمانہ ماضی میں کوئی نام و نشان نہیں تھا اور ماہر معالجین اور اسپیشلسٹ ان آمراض پیچیدہ کے علاج سے قاصر اور معذور نظر آتے ہیں۔

◉ ماپ تول میں کمی ہماری تجارت، معیشت اور کاروبار کا لازمی حصہ بن چکا ہے اور اس کے برے نتائج کے طور پر ہمارے رزق سے برکت ختم ہو چکی ہے۔ قناعت نام کی کوئی چیز ہمارے ہاں موجود ہی نہیں ہے۔ بدحالی اور خشک سالی ہمارا مقدر بن چکی ہے ہم حکمرانوں کے ظلم و ستم اور جور و تشدد کا شکار ہیں۔

◉ ہمارے معاشرے کے مال دار زکاۃ کو اپنے لیے ناروا بوجھ گردانتے ہیں اور خوش دلی سے پوری زکاۃ ادا کرنے والے شائد چند فیصد لوگ ہوں ورنہ اکثر تو زکاۃ دیتے ہی نہیں اور جو دیتے ہیں وہ بھی پوری ادا کرنے سے کتراتے اور بہانے تلاش کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وقت پر بارش نہیں ہوتی۔ جب ضرورت ہوتی ہے تو بارشیں نہیں برستیں اور جب ضرورت نہیں ہوتی تو بے موسمی بارشوں کے باعث تباہ کن سیلاب آ جاتا ہے جس سے فصلیں تباہ، مکانات غرق آب اور انسانی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

◉ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا عہد توڑنا تو ہم اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ توحید کی بجائے شرک ____ سنت کی بجائے بدعت ____ فرماں برداری کی بجائے نافرمانی ____ نیکی کی بجائے برائی ____ اور ____ حسن خلق کی بجائے بد خلقی ہمارا وطیرہ بن چکا ہے

۔ اور ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے غیر ہم پر مسلط ہو چکے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص بلکہ ہمارے گھروں میں پیدا ہونے والے ہمارے بچے اور آئندہ نسلیں غیروں کے قرضوں تلے دبے ہوئے ہیں۔ ہمارے وسائل پر غیروں کا قبضہ ہے اور کشکول گدائی لیے ملک ملک پھر رہے ہیں۔

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

◉ ہمارا عدالتی نظام آپ کے سامنے ہے، آزادی حاصل کیے پون صدی ہونے کو ہے مگر ہم ابھی تک انگریز اور ہندی قانون کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ اسلام کا عادلانہ نظام ہم اپنانے اور نافذ کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔ ہمارے تھانے بکتے اور جج فیصلوں کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ اب لوگ مقدمہ جیتنے کے لیے وکیل کرنے کی بجائے جج کر لینے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔ ہماری عدالتوں میں سفارشوں کے ذریعے فیصلے کروائے جاتے اور رشوت دے کر تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں لوگ خود ہی مدعی اور خود ہی منصف بن کر اپنے ہاتھوں فیصلے کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور باہمی لڑائیاں، جھگڑے، قتل و غارت، بدامنی اور اختلاف و انتشار بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اگر مقدمے کی فائل کو رشوت و سفارش کے پہیے نہ لگائے جائیں تو دادے کا دائر کیا ہوا مقدمہ پوتے کی موت تک بھی فیصلہ طلب ہی رہتا ہے۔

حیا کی شان بزبان قرآن:

حیا اور شرم ایسا اخلاقی وصف ہے کہ اس صفت حمیدہ کی شان و عظمت قرآن مجید فرقان حمید میں بیان فرمائی گئی ہے۔ تفصیل میں جائے بغیر صرف ایک واقعہ کی طرف مختصراً توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام مصر سے ہجرت کر کے آٹھ یا دس دن کا پیدل سفر کرتے ہوئے تھکے ماندے اور بھوکے پیاسے "مدین" کے کنوئیں پر پہنچے تو اُس وقت کنویں پر بہت سے لوگ جمع تھے جو اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے اور دو لڑکیاں ذرا فاصلے پر اپنے ریوڑ کو

روک کر کھڑی تھیں۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کو یہ صورت حال دیکھ کر فیصلہ کرنے میں ذرا دیر نہ لگی کہ یہاں بھی ظالمانہ نظام رائج ہے یہاں بھی عورتوں کے حقوق تلف کیے جاتے ہیں اور اس ملک میں بھی خواتین کو دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا ہے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام فوراً اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ یہ لڑکیاں کسی کمزور گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ یہ طاقت ور لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلالیں تو ان کے جانوروں کا بچا ہوا پانی یہ اپنے جانوروں کو پلائیں گی۔ آپ علیہ السلام کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے بڑھے اور نظریں جھکا کر ان لڑکیوں سے سوال کیا کہ، تم ادھر کیوں کھڑی ہو؟ انہوں نے انتہائی ہچکچاہٹ سے جواب دیا کہ ہم بھی اپنے ریوڑ کو پانی پلانے کے لیے یہاں لائی ہیں مگر مردوں کی اس بھیڑ میں گھس کر اپنے جانوروں کو پانی پلانا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا جب یہ تمام لوگ یہاں سے چلے جائیں گے تو ان کے جانوروں کا بچا ہوا پانی ہم اپنے جانوروں کو پلا کر اپنے گھر لوٹ جائیں گی۔ ہمارا روزانہ کا یہی معمول ہے اور ہمارے یہاں آنے، گھر سے باہر قدم رکھنے اور جانوروں کو چرانے اور پانی پلانے کی وجہ یہ ہے کہ "ہمارا کوئی بھائی" نہیں ہے اور باپ انتہائی بوڑھا، ضعیف اور کمزور ہے۔

باپ اساڈا بڈھڑا ہو یا ، ویر نہ ساڈا کوئی
تاں اسیں گھر تھی باہر آئیاں، ایہہ مجبوری ہوئی

اس سے معلوم ہوا کہ جن بہنوں کے بھائی ہوں یا والد صحت مند ہو تو ایسی بچیوں بغیر کسی سخت مجبوری کے گھر کی دہلیز سے باہر قدم نہیں رکھنا چاہیے۔ قرآن حکیم بیان فرماتا ہے:

﴿وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۠ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٜ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ﴾ (القصص28: 23)

"پھر جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے لوگ (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں اور ان سے ہٹ کر ایک طرف دو عورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے ہوئے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے ان سے پوچھا تمہارا کیا معاملہ ہے؟ وہ

کہنے لگیں: "ہم اس وقت پانی پلا نہیں سکتیں جب تک یہ چرواہے پانی پلا کر واپس نہ چلے جائیں اور ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے"۔

نوجوان لڑکیوں کی داستان غم سن کر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے برداشت نہ ہوا اور آپ علیہ السلام نے مجمع کو ہٹا کر تنہا ڈول اٹھایا اور کنویں سے پانی نکال کر لڑکیوں کے جانوروں کو پلا دیا تو وہ لڑکیاں اپنے جانور لے کر گھر روانہ ہو گئیں۔ جب لڑکیاں خلاف معمول جلدی گھر آ گئیں تو ان کے والد کو تعجب ہوا اور اپنی بیٹیوں سے جلد واپسی کی وجہ دریافت کی۔

حضرات! بوڑھا باپ جوان بچیوں کے قبل از وقت گھر واپس آنے پر خوش ہونے کی بجائے فوراً وجہ پوچھتا ہے اور سوچتا ہے کہ آج ضرور کوئی خلاف معمول واقعہ رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے میری بیٹیاں مقررہ وقت سے پہلے گھر آ گئی ہیں۔ ہمارا بھی فرض ہے کہ جب ہماری بچیاں اور بہنیں سکول اور کالج سے جلد یا بدیر گھر آئیں تو ان سے پوچھیں کہ آج کیا ہوا ہے؟ کیوں لیٹ یا پہلے آئی ہو؟ اس سے انہیں ہمیشہ فکر رہے گا کہ ہم نے وقت پر گھر پہنچنا ہے، ورنہ ہماری گرفت ہو گی اور ہمیں سوالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ان نوجوان لڑکیوں نے اپنے بوڑھے باپ کو ان کے سوال کے جواب میں مدین کے کنویں والی پوری داستان کہہ سنائی اور "ایک مسافر" کی ہمدردی، خلوص، خدمت، طاقت اور شرم و حیا کا سارا ماجرا سنا دیا۔ جناب شعیب نے اس "مددگار مسافر" کے بارے میں اپنی بیٹیوں کے خیالات سننے کے بعد ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور اس مسافر کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔

ادھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام ایک سایہ دار درخت کے نیچے استراحت فرما تھے کہ آپ نے دیکھا ان دو نوجوان لڑکیوں میں سے ایک لڑکی نظریں جھکائے، انتہائی شرم و حیا کی چال سے ان کی طرف آ رہی ہے اس نے آتے ہی جھجکتے ہوئے کہا "ہمارے گھر چلیے، ہمارے والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں، وہ آپ کو آپ کے احسان اور نیکی کا بدلہ دینا چاہتے ہیں"۔ اس مقام پر قرآن حکیم نے اس نوجوان لڑکی کی شرم، حیاء اور شرافت کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اور یہی ہمارا موضوع ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٝ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (القصص28: 25)

”اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک عورت شرم سے چلتی ہوئی ان کے پاس آئی اور کہنے لگی: آپ نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے تو میرا باپ آپ کو بلاتا ہے تاکہ آپ کو اس کا صلہ دے، پھر جب موسیٰ اس شخص (شعیب) کے پاس آئے اور انھیں اپنا سارا حال سنایا تو اس نے کہا: ڈرو نہیں۔ تم نے ان ظالموں سے نجات پالی“۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ ایک طویل قصہ ہے جو قرآن حکیم کے متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے اور ہم نے اپنی کتاب ”خطبات سورۃ مریم“ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سفر ہجرت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

فی الوقت ہمارا مقصود یہ ہے کہ ”شرم وحیا“ ایک ایسی صفت محمودہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرم وحیا کی چال چلنے والوں کی شان وعظمت قرآن حکیم میں بیان فرماتا ہے اور اللہ رب العالمین نے ہمارے محبوب وحبیب آقا جناب محمد ﷺ کو اس وصف عالی سے بدرجہ اتم سرفراز فرمایا تھا، اس لیے آپ ﷺ کے ہر امتی کی ذمہ داری ہے کہ وہ زندگی کے باقی معاملات ومعمولات کی طرح ”شرم وحیا“ کے بارے میں بھی آپ ﷺ کی سیرت وکردار کو اپنانے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

”البتہ تحقیق تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے“۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو رسول مکرم ﷺ کی ہر ہر ادا اور ہر ہر سنت پر عمل کرنے کی توفیق وسعادت مرحمت فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ٥



شفقتِ مصطفیٰ ﷺ

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ٥ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ٥

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

تعریف و تسبیح اور کبریائی کے تمام اور ہر قسم کے کلمات کی اصل مستحق ذات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہے جس نے انسان کو عدم سے وجود بخشنے کے بعد اس کی رشد وراہنمائی اور ہدایت کی خاطر انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ مبارکہ جاری فرمایا تاکہ انسانون کو جہنم کی راہ سے بچا کر جنت کے راستے پر گامزن کیا جائے اور تمام انبیاء ورسل نے اپنے اپنے زمانے میں اپنا یہ فرض منصبی پوری ذمہ داری، دیانتداری اور جاں فشانی سے نبھایا اور سب سے آخر میں ہمارے آقا ومولا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے توحید کی اشاعت، سنت کی تبلیغ اور تعلیمات اسلام کو عام کرنے کے لیے بڑی محنت شاقہ سے کام لیا اور پوری زندگی دعوت دین کے لیے وقف فرمادی۔

لاتعداد و بے شمار ان گنت و بے حساب درود و سلام اور برکات نازل ہوں محبوب کبریا، امام الانبیاء، شافع روز جزا، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی پر جنھیں اللہ رب العالمین نے امام المرسلین، شفیع المذنبین اور رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا، جنھوں نے دعوت دین کی پاداش میں بے پناہ مصائب ومشکلات کو خندہ پیشانی سے قبول فرمایا اور دین حق کی اشاعت و تبلیغ کے لیے دن رات ایک کر دیا جن کی شفقت، محبت اور

مہربانیوں سے اپنے اور بے گانے یکساں مستفید ہوئے، ہو رہے اور قیامت تک بلکہ قیامت کے بعد بھی ہوتے رہیں گے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ، اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ، اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہمارے آقا ﷺ کو جن خاص اوصاف و خصائص اور خصائل و فضائل سے سرفراز فرما کر مبعوث فرمایا ان میں سے ایک اعلیٰ وصف آپ ﷺ کی مخلوق خدا کے ساتھ شفقت و محبت ہے اور آپ ﷺ اپنی دوسری خصوصیات و امتیازات کی طرح اس وصف عالی شان میں بھی بے مثال و بے نظیر اور لاجواب و باکمال نظر آتے ہیں۔

شفقت کا معنیٰ و مفہوم:

اردو لغت میں "شفقت" کا معنیٰ غم خواری، محبت، الفت، مہربانی اور رحم ہے۔ اسی سے "شفیق" بمعنیٰ مہربان، غم خوار، ہمدرد اور پیارا ہے۔[1]

انسانی تاریخ میں مخلوقات الٰہی کے لیے سب سے شفیق و مہربان ہمارے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے کہ آپ جیسا شفیق و کریم اور مہربان و عظیم انسان چشم فلک نے نہیں دیکھا۔ امام الرسل ﷺ کی شفقت و الفت اور رافت و رحمت، آپ ﷺ کے دوسرے اوصاف و خصائص کی طرح بے مثل و بے مثال اور لاجواب و باکمال ہے۔

قرآن کریم آپ ﷺ کی انسانوں کے ساتھ شفقت و ہمدردی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التوبۃ:128)

---

(1) علمی اردو لغت، ص:956

"البتہ تحقیق تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان پر گراں گزرتی ہے، وہ تمہاری بھلائی کے خواہشمند ہیں۔ اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنیوالے ازحد مہربان ہیں"۔

بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ ہے اور ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ رب العالمین رحمان، رحیم اور کریم ہے اور اس کے لطف و کرم اور مہربانی سے کائنات کی ہر چیز مستفید ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ان دو صفات جلیلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (الحشر:22)

"وہ اللہ تعالیٰ ازحد رحم کرنے والا، بہت زیادہ مہربان ہے"۔

اپنی رحمت کی وسعت کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (الاعراف:156)

"اور میری رحمت و مہربانی ہر چیز سے وسیع تر ہے"۔

رب العالمین نے اپنی مہربانی، شفقت اور مخلوق کے ساتھ محبت میں سے وافر حصہ ہمارے رسول ﷺ کو عطا فرمایا کہ آپ ﷺ کی شفقت و مہربانی سے زمانہ مستفید ہوتا رہا، ہو رہا اور قیامت تک ہوتا رہے گا جیسا کہ قرآن عزیز میں فرمایا گیا کہ:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء: 107)

"اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا وجود مسعود اپنوں اور بے گانوں کے لیے __ واقفوں اور ناواقفوں کے لیے ____ مسلمانوں اور کافروں کے لیے ____ مومنوں اور مشرکوں کے لیے ____ مخلصوں اور منافقوں کے لیے __ مردوں اور عورتوں کے لیے ___ بوڑھوں اور بچوں کے لیے ____ غلاموں اور آزادوں کے لیے ___ مالکوں اور ملازموں کے لیے ____ انسانوں او رحیوانوں کے لیے _____ پرندوں اور چرندوں کے لیے ____ نباتات و جمادات کے لیے ___ دکانداروں اور خریداروں کے

لیے ـــــــ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات کے لیے سراپا شفقت و محبت ہے بلکہ اگر خدانخواستہ آپ ﷺ نے غصہ کی حالت میں کسی شخص پر لعنت بھیج دی یا اسے سخت سُست کہہ دیا تو اللہ تعالیٰ روز حشر غصے میں کہے گئے الفاظ کو بھی اس شخص کے لیے رحمت و شفقت بنا دے گا۔ جیسا کہ جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ (جمعہ) میں ارشاد فرمایا:

«أَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي سَبَبْتُهُ سَبَّةً، أَوْ لَعَنْتُهُ لَعْنَةً فِي غَضَبِي، فَإِنَّمَا أَنَا مِنْ وُلْدِ آدَمَ أَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُونَ، وَإِنَّمَا بَعَثَنِي رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ، فَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ صَلَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[1]

"اگر میں نے حالت غضب میں اپنے کسی امتی کو برا کہہ دیا یا اس پر لعنت بھیج دی تو (یاد رکھو) میں آدم علیہ السلام کی اولاد کا ایک فرد ہوں، جس طرح وہ (اولاد آدم کے افراد) ناراض ہوتے ہیں، اسی طرح میں بھی (بعض اوقات) ناراض ہو جاتا ہوں۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (اے اللہ) میری اس (لعنت و ناراضی) کو میرے اس امتی کے لیے قیامت کے دن رحمت و شفقت بنا دینا"۔

شفقت کی اہمیت و ضرورت:

رسول رحمت ﷺ نے مختلف مواقع پر اپنے اعمال و اقوال کے ذریعے شفقت اور مہربانی کی اہمیت و حیثیت اور افادیت کو واضح فرمایا۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَٰنُ ارْحَمُوا أَهْلَ الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي

---

[1] سنن ابی داؤد ، کتاب السنة ،باب فی النهی عن سب اصحاب رسول اللهﷺ:4659،قال الالبانی ،صحیح

السَّمَاءِ »[1]

"مہربانی کرنے والوں پر اللہ رحمان، رحمت فرماتا ہے تم زمین والوں پر شفقت ورحمت کرو تو آسمان والا تم پر رحم و کرم فرمائے گا"۔

شائد اسی حدیث کا ترجمہ ہے کہ ؎

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر خدا، مہرباں ہو گا عرش بریں پر

اگر کسی شخص کے دل میں شفقت ورحمت اور مہربانی کے جذبات واحساسات نہ ہوں تو رحمت عالم ﷺ نے اسے سنگ دل ، شقی القلب اور بےرحم قرار دیا ہے ۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کے حجرہ مبارکہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے اس حجرے والے، صادق و مصدوق پیغمبر ﷺ سے سنا ہے کہ:

«لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ »[2]

"رحمت و شفقت سے تو صرف بد بخت ہی محروم کیا جاتا ہے"۔

آپ ﷺ نے تو اپنی زبان رسالت سے اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کو انسانوں پر شفقت و رحمت سے مشروط فرمایا دیا ہے۔ چنانچہ سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ» [3]

"جو لوگوں پر مہربانی نہیں کرتا، اس پر اللہ تعالیٰ بھی رحم نہیں فرماتا"۔

نبی محترم ﷺ کی نظر میں لوگوں پر مہربانی، شفقت اور نرمی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ شفقت و مہربانی نہ کرنے والے شخص کو آپ ﷺ نے اپنی امت سے خارج قرار دے دیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

---

(1) سنن ابی داؤد ، کتاب الادب،باب فی الرحمة: 4941،قال الالبانی ،صحیح

(2) سنن ابی داؤد،کتاب الادب، باب فی الرحمة:4942،قال الالبانی،حسن

(3) صحیح بخاری ،کتاب التوحید،باب قول الله .... قل ادعو الله...:7376

«مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا»[1]

"جو ہمارے چھوٹوں پر مہربانی اور شفقت نہیں کرتا اور بڑوں کا حق نہیں پہنچانتا وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

ان احادیث رسول کی روشنی میں ہم میں سے ہر شخص کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہمارے محبوب ﷺ کی تعلیمات کیا ہیں اور ہمارا عمل کیا ہے ؟ آج ہمارے معاشرے کے عمر رسیدہ افراد بچوں کو بلاوجہ گالیاں دینا، انہیں جھڑکنا اور ان پر غصہ نکالنا اپنا استحقاق سمجھتے ہیں اور ہمارے بچے بزرگوں کا مذاق اڑانا، ان کی نقلیں اتارنا اور انہیں ناپسند کرنا اپنے لیے ضروری خیال کرتے ہیں۔

یادرکھیے! اگر ہم اپنے ماحول کو خوش گوار، معاشرے کو پرامن اور گھروں کو پرسکون دیکھنا اور بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے رویوں کو بدلنا، زبانوں کی اصلاح کرنا اور کردار کو درست کرنا ہو گا۔ اگر ہمارے بزرگ، بچوں پر شفقت کریں۔ مہربانی کا سلوک کریں، ان کے ساتھ نرم رویہ اپنائیں اور میٹھی زبان استعمال کریں تو لا محالہ ہمارے بچے بھی ہمارا ادب، احترام اور ہماری عزت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اصلاح کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

شفقت کی انتہا:

اس امر میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے کہ ہمارے محبوب ﷺ سراپا شفقت ورحمت تھے اور ہر فرد و بشر کے لیے انتہائی مہربان و شفیق ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی شفقت کی وسعت اور مہربانی کی کثرت کو ایک مثال سے واضح فرمایا: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا، فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهَذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الرحمۃ: 4943، قال الالبانی، صحیح

يَقَعْنَ فِيهَا، فَجَعَلَ يَنْزِعُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَقْتَحِمْنَ فِيهَا، فَأَنَا آخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ، وَهُمْ يَقْتَحِمُونَ فِيهَا»[1]

"میری اور لوگوں کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے آگ روشن کی اور جب اس کی روشنی ارد گرد پھیل گئی تو کیڑے اور پتنگے اس میں گرنے شروع ہو گئے۔ اب وہ شخص انہیں آگ سے دور ہٹانے لگا، تاکہ وہ جلنے سے بچ جائیں مگر وہ مانتے ہی نہیں اور آگ میں گرتے اور مرتے جاتے ہیں۔ اسی طرح میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ کر تمہیں آگ سے دور کھینچتا اور آگ سے بچاتا ہوں لیکن لوگ ہیں کہ مجھ سے زبردستی چھوٹ کر جہنم کی آگ میں گرتے جا رہے ہیں"۔

آپ رسول محترم ﷺ کی انسانیت کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی اور شفقت کا اندازہ فرمائیں کہ آپ ﷺ لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں اور لوگ ہیں کہ آپ ﷺ کی نافرمانی کر کے اپنے آپ کو جہنم کا مستحق بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ (آل عمران:159)

"(اے نبی ﷺ) یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ آپ ان کے حق میں نرم واقع ہوئے ہیں"۔

یہ بات قرآن حکیم میں بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ واقعتاً لوگ جہنم کی آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے اور اپنی بد اعمالیوں اور بد اعتقادیوں کے باعث اس میں گرنے ہی والے تھے کہ آپ ﷺ نے انہیں دوزخ کی آگ سے بچا کر جنت کے راستے پر گامزن فرما دیا۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الانتهاء عن المعاصی: 6483

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ (آل عمران:103)

''اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر اس وقت کی جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی تو تم اس نعمت کی وجہ سے آپس میں بھائی بن گئے۔ اور تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے تو اللہ تعالیٰ نے (اس نعمت کی بدولت) تمہیں اس سے بچالیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیات بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو''۔

آپ ﷺ کی اسی شفقت، محبت اور الفت کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل درست فرمایا ہے کہ:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی برلانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غریبوں کا مولیٰ

خطا کار سے درگزر کرنے والا
بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

اتر کر حراء سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

مس خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

رسول محترم ﷺ نے اپنی شفقت و محبت سے طبقہ انسانی کے کسی فرد کو محروم نہیں رکھا بلکہ ہر فرد و بشر کو اپنی عنایت و مہربانی سے مستفیض فرمایا بلکہ غیر انسان بھی آپ کی رافت و رحمت سے استفادہ کرتے رہے جس کی بے شمار مثالیں حدیث و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ ہم آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ اور سیرت طیبہ سے شفقت و محبت کے چند واقعات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

مسافروں کے ساتھ شفقت:

نبی محترم ﷺ طبعاً شریف النفس، مظلوموں کے ہمدرد اور مسافروں کے خیر خواہ تھے آپ ﷺ نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی، وہ ظلم و جبر اور استبداد کا دور تھا، عرب معاشرے میں "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کا قانون رائج تھا اور غریبوں، پردیسیوں اور مسافروں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ کاروبار اور تجارت کی غرض سے مکہ مکرمہ آنے والے مسافروں کا مال لوٹ لیا جاتا۔ سامان خرید کر قیمت ادا نہ کی جاسکتی اور رقم کے مطالبے پر اس غریب الدیاء کو مارا پیٹا جاتا تھا۔

رسول محترم ﷺ ظلم و جور کے اس معاشرے میں پردیسیوں اور مسافروں کے لیے امید کی کرن تھے۔ آپ ﷺ کو جب معلوم ہوتا کہ کسی مسافر کا حق غصب کیا جارہا۔ اس کے ساتھ زیادتی کی جارہی اور اس کی رقم دبائی جارہی ہے تو آپ ﷺ اس کی مدد و اعانت

پر کمر بستہ ہو جاتے اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے جب تک مسافر کو اس کا حق نہ دلوا دیتے۔ چنانچہ سیرۃ النبویہ لابن ہشام میں ہے کہ:

"خثعم قبیلے کا ایک شخص اونٹ فروخت کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ آیا تو عمرو بن ہشام (ابو جہل) نے اس سے اونٹ خرید لیے لیکن قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیتا رہا۔ اس طرح کئی دن گزر گئے مگر وہ مسافر تاجر ابو جہل سے اپنے اونٹوں کی قیمت وصول نہ کر رہا۔ آخر مجبور ہو کر قریش کی مجلس میں آیا اور ان سے مدد اور داد رسی کی درخواست کرتے ہوئے عرض کی کہ، میں ایک مسافر ہوں، یہاں میرا کوئی عزیز رشتہ دار نہیں ہے، عمرو بن ہشام مجھ سے اُونٹ لے کر ان کی قیمت ادا نہیں کر سکا۔ آپ شہر کے معززین اور سربر آوردہ لوگ ہیں، مجھ پردیسی پر ترس کھائیں اور مہربانی فرما کر عمرو بن ہشام (ابو جہل) سے میری رقم دلوادیں۔ قریش کی یہ مجلس دارالندوہ میں بپا تھی اور قریب ہی مسجد حرام میں نبی کریم ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے ازراہ مذاق، آپ ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "اس آدمی کے پاس جاؤ، وہ تمہاری مدد کرے گا"۔ وہ مجبور و مظلوم شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور نہایت لجاجت سے عرض کی ...." وَأَنَا رَجُلٌ غَرِيبٌ ابْنُ سَبِيلٍ، وَقَدْ سَأَلْتُ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ عَنْ رَجُلٍ يُؤَدِّينِي عَلَيْهِ، يَأْخُذُ لِيْ حَقِّي مِنْهُ. فَأَشَارُوْا لِي إِلَيْكَ. فَخُذْ لِيْ حَقِّي مِنْهُ، يَرْحَمُكَ اللهُ "میں ایک پردیسی اور مسافر شخص ہوں، یہاں کے ایک بااثر باشندے نے میرا حق غصب کر لیا ہے، میں ان لوگوں کے پاس داد رسی کے لیے گیا تھا تو انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیج دیا ہے۔ خدارا مجھے میرا حق دلوا دیں، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے گا۔ آپ ﷺ نے اس سے معاملے کی تفصیل معلوم کرنے کے بعد فرمایا: چلو، میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں اور اس

سے تمہارے حق کا مطالبہ کرتا ہوں۔ جب آپ ﷺ اس مظلوم مسافر کے ساتھ چل پڑے تو دار الندوہ میں موجود دشمنان اسلام نے اپنے میں سے ایک شخص کو پیچھے بھیج دیا تاکہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ ابو جہل کے سلوک کا نظارہ کر سکے۔ اور واپس آکر سردارانِ قریش کو صورت حال سے آگاہ کرے۔

رسول رحمت ﷺ اس مسافر کے ہمراہ ابو جہل کے گھر تشریف لے گئے اور اس کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے نبوت کی بارعب آواز میں فرمایا "مُحَمَّدٌ، فَاخْرُجْ إِلَيَّ" میں محمد (ﷺ) ہوں۔ باہر میرے پاس آؤ۔ ابو جہل، رسول محترم ﷺ کی آواز سن کر باہر آیا تو خوف کے مارے اس کا رنگ سیاہ ہو چکا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس کے چہرے سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہے۔ اس کے باہر آتے ہی آپ ﷺ نے اسے حکماً فرمایا: "أَعْطِ هٰذَا الرَّجُلَ حَقَّهُ" اس آدمی کو اس کی رقم ادا کرو۔ ابو جہل نے بڑی لجاجت سے جواب دیا جی، ابھی دیتا ہوں، چنانچہ گھر گیا اور فوراً واپس آکر مسافر کی رقم اسے ادا کر دی اور جلدی سے گھر کے اندر واپس چلا گیا۔ آپ ﷺ اس پردیسی اور مسافر کا حق دلوا کر لوٹ آئے تو وہ شخص قریشیوں کی مجلس کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا، اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے، تم نے میری درست رہنمائی کی۔ اس شخص (محمد ﷺ) نے واقعی میرا حق مجھے دلوا دیا ہے۔

اسی دوران وہ شخص بھی آگیا جسے قریشی سرداروں نے صورت حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس سے انہوں نے پوچھا کہ "تم نے کیا دیکھا" تو اس نے معاملے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے عجیب منظر دیکھا کہ جب محمد (ﷺ) نے ابو جہل کا دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ ایسی حالت میں باہر آیا جیسا کہ اس کے اندر جان ہی موجود نہیں ہے۔ جب محمد (ﷺ) نے کہا کہ اس کا حق

کیوں نہیں دیتے؟ تو اس نے کہا۔ ابھی دیتا ہوں چنانچہ وہ فوراً اندر گیا اور اس کی رقم اسے لا دی۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ابو جہل بھی مجلس کی جگہ آ گیا تو لوگوں نے اسے طعن و ملامت کرتے ہوئے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ تو ابو جہل نے جواب دیا کہ جب اس (محمد ﷺ) نے میرے دروازے پر دستک دے کر مجھے باہر بلایا تو اس کی آواز کے رعب سے میری حالت یہ ہو گئی۔ گویا میں بے جان ڈھانچہ ہوں۔ اور جب میں اس کے قریب ہوا تو مجھے جبڑے کھولے ہوئے ایسا وحشی اونٹ نظر آیا کہ میں نے آج تک ایسا خوف ناک اونٹ نہیں دیکھا اور مجھے خوف محسوس ہوا کہ اگر میں نے اس کی بات مان کر ابھی اس مسافر کا حق ادا نہ کیا تو یہ وحشی اونٹ مجھے کھا جائے گا"۔[1]

اس واقعہ عجیبہ میں آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کس طرح مجبور و مقہور مسافر پر شفقت و مہربانی فرمائی اور ابو جہل جیسے اپنے دشمن سے مسافر کا حق لے کر دیا۔ آپ ﷺ کی سیرت پاک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل از اعلان نبوت بھی آپ مسافروں، مظلوموں اور مجبوروں کی خدمت کیا کرتے تھے۔

آپ ﷺ کی عمر مبارک ابھی صرف بیس سال تھی جب آپ ﷺ نے عبد اللہ بن جدعان کے گھر شرفاء مکہ کے ایک اجتماع میں شرکت فرمائی جہاں "معاہدہ حلف الفضول" ہوا تھا، اس تحریری معاہدہ میں یہ لکھا گیا کہ ہم سب شرکاء اجلاس:

"ہر مظلوم کی مدد کے لیے متحد رہیں گے یہاں تک کہ ظالم، مظلوم کا حق ادا کر دے۔ وہ مظلوم اپنا ہو یا پرایا، مسافر ہو یا مقیم، ہم حتی الوسع اس کی امداد و اعانت کریں گے اور ہم اس معاہدے کی تازندگی پاس داری کریں گے"۔

آپ ﷺ اعلان نبوت کے بعد بھی اس شریفانہ معاہدے کا ذکر فرمایا کرتے تھے، ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(1) السیرۃ النبویہ لابن ھشام- امر الاراشی الذی باع اباجھل ابلہ، 1/389-390

«لَقَدْ شَهِدْتُ فِي دَارِ عَبْدِ اللهِ بْنِ جُدْعَانَ حِلْفًا مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِهِ حُمْرَ النَّعَمِ وَلَوْ أُدْعَى بِهِ فِي الْإِسْلَامِ لَأَجَبْتُ»[1]

"میں عبداللہ بن جدعان کے گھر ایک معاہدے میں شریک ہوا تھا۔اس معاہدے کے بدلے میں اگر کوئی مجھے سرخ اونٹ دینے کی کوشش کرے تو میں کسی صورت قبول نہیں کروں گا۔اگر دور اسلام میں بھی مجھے اس معاہدے کی بنیاد پر پکارا جائے تو میں لبیک کہوں گا"۔

اگر ہم معاہدہ حلف الفضول کے دور کا تجزیہ کریں تو اس زمانے میں ظالم سے مظلوم کو حق دلوانے کا تصور ہی بڑا عجیب تھا۔ اس زمانے میں کوئی کم زور، طاقت ور سے اپنا حق وصول کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور لوگ اس ظلم و ناانصافی کو ایک فطری بات سمجھ کر قبول کیے ہوئے تھے۔ ان حالات میں "حلف الفضول" کا معاہدہ روشنی کا ایک مینار ثابت ہوا اور اس معاہدے کی بدولت بہت سارے مظلوم اور مسافر اپنا حق وصول کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس معاہدہ میں رسول رحمت ﷺ کی شرکت مظلوم مسافروں کے ساتھ آپ کی شفقت و محبت کا واضح ثبوت ہے۔

جہادی اصول اور شفقت رسول:

ہمارے ہاں یہ بات زبان زد عام ہے کہ "جنگ اور محبت میں سب جائز ہے"۔ اور اسی خود ساختہ اصول کی بنیاد پر میدان جنگ میں ہر قسم کے ظلم و جبر، بداخلاقی اور زیادتی، لوٹ مار، عورتوں کی عصمت دری اور مفتوح اقوام کی قتل و غارت کو بھی جائز سمجھا جاتا ہے جبکہ ہمارے رسول ﷺ نے ایسے جنگی اصول و قواعد متعین اور مقرر فرمائے ہیں جن سے پوری انسانیت کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت و محبت واضح ہوتی ہے۔

آیئے! آپ ﷺ کے غزوات اور جنگی اسفار کے دوران فوجیوں کے لیے آپ کی

---

[1] سیرۃ النبویہ لابن ھشام، حدیث رسول اللہ عن حلف الفضول، 1/134

ہدایات اور عملی اقدامات کا مطالعہ کرتے ہیں جس سے واضح ہو گا کہ آپ ﷺ جانی دشمنوں، ابدی مخالفوں اور جنگی قیدیوں کے لیے بھی انتہائی شفیق اور مہربانی ہستی تھے۔

پہلی بات تو یہ ذہن نشین فرمائیے کہ رسول اکرم ﷺ کے غزوات کا مقصد مال ودولت کا حصول، دشمنوں پر برتری کا شوق، سرحدوں کی وسعت، سیم وزر کی کثرت اور شوکت وسطوت ہرگز ہرگز نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ کی جہادی سرگرمیوں کی غرض یہ تھی:

- مظلوموں کی مدد کی جائے۔
- معاشرے کو امن وسکون کا گہوارہ بنایا جائے۔
- اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کیا جائے۔
- دینی احکام پر عمل کی رکاوٹوں کو دور کیا جائے۔
- فتنہ وفساد کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔
- اسلامی ریاست کی سرحدوں کا تحفظ کیا جائے۔
- اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کیا جائے۔
- دنیا میں فسق وفجور کا خاتمہ کیا جائے۔
- اسلام کی عالمگیر تعلیمات کو عام کیا جائے۔
- دین اسلام کو نقصان پہنچانے والے گروہوں کا قلع قمع کیا جائے۔
- غیر اللہ کے پجاریوں کو ایک اللہ کا پرستار بنا دیا جائے۔

چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ:

اَلرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُذْكَرَ، وَيُقَاتِلُ لِيُرَى مَكَانُهُ، مَنْ فِي سَبِيلِ اللهِ؟ فَقَالَ: «مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ»[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب من قاتل للمغنم: 3126

"کوئی شخص حصول غنیمت کی خاطر قتال کرتا ہے اور کوئی نام وری اور شہرت کے لیے لڑتا ہے اور کوئی اپنی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھانے کی نیت سے جہاد کرتا ہے۔ آپ فرمائیے! ان میں سے کون اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر رہا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے کلمے اور اس کی بات کو بلند کرنے کے لیے لڑتا ہے۔ صرف وہی "مجاہد فی سبیل اللہ" ہے"۔

اب آیئے! دوسرے پہلو کی طرف کہ آپ ﷺ نے اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر کی جانے والی جنگی سرگرمیوں، میدان جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کے لیے ایسے قوانین، قواعد اور ضوابط تشکیل فرمائے اور ان پر سختی سے عمل کیا اور کروایا جس سے آپ ﷺ کی تمام انسانوں کے لیے شفقت و محبت واضح ہوتی ہے:

۱۔ آپ ﷺ نے دوران جہاد عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔[1]

۲۔ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ نہ لینے والے ملازموں اور مزدوروں کے قتل سے منع فرمادیا۔[2]

۳۔ جہاد کے دوران اگر کوئی کافر، اسلام قبول کرنے کا اقرار کرے تو آپ ﷺ نے اسے قتل کرنے سے منع فرمایا۔[3]

۴۔ رسول رحمت ﷺ نے دشمن سے انتقام لینے کے لیے مقتولین کی قطع و برید کرنے، چہرہ مسخ کرنے اور لاش کے ناک، کان، ہاتھ، پاؤں کاٹنے اور آنکھیں نکالنے سے منع فرمایا ہے۔[4]

۵۔ میدان کارزار میں فریقین ایک دوسرے پر غلبہ پانے اور دشمن کو شکست سے

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب قتل الصبیان فی الحرب: 3014

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی قتل النساء: 2669، قال الالبانی، حسن صحیح

(3) سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب مایقاتل المشرکون: 2643، قال الالبانی، صحیح

(4) سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی النهی عن المثلة: 2667، قال الالبانی، صحیح

دوچار کرنے کے لیے ہر حربہ آزماتے، انسانی اقدار کو پامال کرتے اور وحشیانہ حرکات کرتے ہیں اور شدت انتقام میں دشمنوں کو زندہ جلانے سے بھی گریز نہیں کرتے جبکہ ہمارے رسول ﷺ نے دشمن کو آگ میں جلانے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔(1)

۶۔ اسلامی ریاست کے پرامن غیر مسلم شہری یعنی ذمی کو نہ صرف قتل کرنے سے منع فرمایا بلکہ معاہد ذمی کو ناحق قتل کرنے والے کو جنت سے محروم قرار دیا ہے۔(2)

۷۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے دشمن کے قاصد، نمائندے اور سفیر کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔(3)

۸۔ کسی دشمن کو امان دینے کے بعد قتل کرنے والے کو رسول مکرم ﷺ نے غدار قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ "وہ قیامت کے دن غداری کا جھنڈا اٹھائے ہوئے حاضر ہوگا۔"(4)

۹۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے دشمنوں پر رات کے آخری پہر حملہ آور ہوتے اور سوتے ہوئے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے مگر ہمارے محبوب ﷺ نے اس انداز کو ناپسند فرمایا اور آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ:

"آپ ﷺ جب کسی دشمن قوم کے علاقے میں رات کے وقت پہنچتے تو صبح ہونے سے قبل دشمن پر حملہ نہیں کرتے تھے۔"(5)

---

(1) صحیح بخاری ، کتاب الجهاد ، باب لا یعذب بعذاب الله : 3017

(2) سنن ابی داؤد ، کتاب الجهاد،باب فی الوفاء للمعاهد:2760،قال الالبانی ،صحیح

(3) سنن ابی داؤد ، کتاب الجهاد،باب فی الرسل:2761،قال الالبانی ، صحیح

(4) سنن ابن ماجه ، ابو اب الجهاد ،باب من امن رجلاً علیٰ دمه: 2688،قال الالبانی ، صحیح

(5) صحیح بخاری ،کتاب الجهاد والسیر ، باب دعاء النبی ﷺ الی الاسلام والنبوة:2945

۱۰۔ یہ رسول شفیق ﷺ کی شفقت بھری تعلیمات اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ خلافت راشدہ میں جب مجاہدین اسلام کے لشکر جہاد کے لیے روانہ کیے جاتے تو خلیفہ کی طرف سے انہیں جو ہدایات دی جاتیں وہ بھی انہیں اصول و قواعد پر مشتمل ہوتی تھیں۔ چنانچہ جب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف لشکر روانہ فرمایا تو اسلامی فوج کے چوتھائی حصہ کے کمانڈر جناب یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ:

"تم شام میں کچھ ایسے لوگ دیکھو گے جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے دنیا سے الگ کر رکھا ہے یعنی وہ تارک الدنیا راہب ہیں، ایسے لوگوں کو کچھ نہ کہنا اور بعض ایسے لوگ ہوں گے جنہوں نے درمیان سے سر منڈوائے ہوں گے یعنی مجوسیوں کے مذہبی رہنما انہیں بھی تہہ تیغ نہ کرنا"۔

پھر خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں تمہیں دس چیزوں کی تاکیدی نصیحت کرتا ہوں۔ میدان جہاد و قتال میں ان پر سختی سے عمل کرنا:

۱۔ عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ ۲۔ بچوں کو نہ مارنا

۳۔ بوڑھوں کو قتل نہ کرنا۔ ۴۔ پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا

۵۔ بستیوں کو نہ اجاڑنا۔

۶۔ بکریوں اور اونٹوں کو کھانے کی ضرورت کے علاوہ ذبح نہ کرنا۔

۷۔ شہد کی مکھیوں کو نہ اڑانا۔ ۸۔ نہ انہیں ڈبونا۔

۹۔ خیانت نہ کرنا ۱۰۔ بزدلی نہ دکھانا۔[1]

آپ ان ہدایات و تعلیمات اور احادیث کا ایک بار پھر غور سے مطالعہ کریں اور دشمنوں، مخالفوں اور کافروں کے ساتھ رسول کریم ﷺ کی شفقت و محبت اور رافت و مودت کا اندازہ فرمائیں کہ آپ ﷺ نے جہاد و قتال کے میدان میں بھی کیسی مشفقانہ

[1] المؤطا امام مالک، کتاب الجهاد، باب النهی عن قتل النساء والولدان فی الغزو: 10

ہدایات جاری فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے ہمارے اور اپنے محبوب پر لاتعداد رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ آمین

قیدیوں کے ساتھ شفقت:

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفقت و محبت سے ہر خاص وعام، ہر اپنا اور بے گانہ اور ہر واقف اور ناواقف فیض یاب ہوتا تھا، آپ ﷺ دوسرے مظلوم و مجبور طبقات کی طرح جنگی قیدیوں، اسیروں اور زیردستوں کے لیے بھی انتہائی شفیق و مہربان تھے، رسول مقبول ﷺ کے غزوات و قتال کا مقصد انسانوں کی تحقیر و تذلیل نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ نے اسیروں اور قیدیوں کے ساتھ ایسی محبت و شفقت فرمائی کہ آپ کی قید سے رہائی پانے والے کافر بھی یہ اقرار واعتراف کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے:

- ہمارے ساتھ حسن سلوک کیا۔
- ہماری سہولیات کا پورا خیال رکھا۔
- ہمیں کسی قسم کی اذیتوں سے دوچار نہیں۔
- مہمانوں کی طرح ہماری خاطر مدارات کی۔
- ہماری خوردونوش کا اعلیٰ انتظام کیا۔
- ہمیں موسم کے مطابق لباس مہیا کیا۔

رسول کریم ﷺ کی قید میں رہنے والے متعدد افراد و اشخاص ایسے تھے جو آپ ﷺ کی شفقت، محبت اور مہربانی سے ایسے متاثر ہوئے کہ رہائی کے بعد کلمہ پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے جبکہ دوران اسیری کسی قیدی کو قبول اسلام پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ آپ ﷺ نے دین کے معاملے میں زبردستی اور جبر کو ناپسند فرمایا۔[1]

اگر جنگی قیدیوں میں عورتیں اور ان کے نابالغ بچے بھی ہوں تو آپ ﷺ نے اپنی

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الاسیر یکرہ علی الاسلام :2682،قال الالبانی ، صحیح

شفقت و مہربانی کے باعث ان کے درمیان جدائی ڈالنے اور الگ الگ رکھنے سے منع فرمایا اور ماں اور بچوں کو جیل میں اکٹھے رکھنے کا حکم فرمایا اور اس حکم پر عمل نہ کرنے والے کو ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[1]

"جس نے ماں اور اس کے نابالغ بیٹے کے درمیان جدائی ڈالی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے اور اس کے پیاروں کے درمیان جدائی ڈال دے گا"۔

رسول محترم ﷺ جنگی قیدیوں کی خوراک، آرام حتی کہ انہیں موسمی اثرات سے بچانے کے لیے ان کے لباس کا بھی خیال رکھتے جیسا کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

"غزوہ بدر کے موقع پر جو قیدی دربارِ رسالت میں پیش کیے گئے ان میں ایک (آپ ﷺ کے تایا جناب) عباس بھی تھے (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ کفار کی طرف سے شریک جنگ تھے یا مسلمان تو ہو چکے تھے مگر مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اور غزوہ بدر میں مجبوراً شریک ہوئے تھے) اور ان کے جسم پر کوئی کپڑا (کرتا) نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے قمیص تلاش کروائی تو دراز قد ہونے کے باعث صرف (رئیس المنافقین) عبد اللہ بن ابی کی قمیص ہی انہیں پوری آئی۔ تو نبی کریم ﷺ نے وہی قمیص جناب عباس کو پہنا دی، جب عبد اللہ بن ابی فوت ہوا تو آپ ﷺ نے (اس کے احسان کا بدلہ چکانے کے لیے) اپنی قمیص اسے (بطور کفن) پہنا دی۔"[2]

---

[1] جامع ترمذی، کتاب البیوع ، باب ما جاء فی کراھیۃ ان یفرق: 1283،قال الالبانی ، حسن

[2] صحیح بخاری ، کتاب الجھاد ، باب الکسوۃ للاساری:3008

یعنی رسول محترم ﷺ نے ایسے تمام قیدیوں کے لیے جن کا لباس دوران قتال پھٹ گیا تھا۔ ان کے لیے لباس کا بندوبست فرمایا جن میں آپ ﷺ کے چچا جناب عباس بھی تھے۔ دوسرے اسیروں کی طرح انہیں بھی قمیص مہیا فرمائی گئی۔

اسیران بدر کو جب مدینہ طیبہ لایا گیا تو وہ رسیوں کے ساتھ بندھے اور جکڑے ہوئے تھے۔ اس رات کے ابتدائی حصے میں رسول اللہ ﷺ بڑے بے قرار تھے اور آپ کو نیند نہیں آرہی تھی، آپ کی حفاظت پر مامور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اندازہ ہو گیا کہ آپ ﷺ پریشان، بے چین اور بے قرار ہیں۔ انہوں نے نہایت ادب سے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول !مَا لَكَ لَا تَنَامُ ؟ آپ کو نیند کیوں نہیں آرہی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: سَمِعْتُ أَنِينَ عَمِّيَ الْعَبَّاسِ فِي وَثَاقِهِ مجھے رسیوں میں جکڑے ہوئے اپنے چچا عباس کے رونے اور کراہنے کی آواز سنائی دے رہی۔ جبکہ وہ ایک انصاری کی قید میں ہیں اور انہیں رسیوں سے باندھا گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی قیدیوں کے ساتھ شفقت و محبت اور ان کی تکلیف کے باعث آپ ﷺ کی بے قراری کو دیکھ کر صحابہ کرام ﷺ نے جناب عباس سمیت قیدیوں کی رسیاں کھول دیں، جب قیدیوں کے کراھنے کی آوازیں بند ہو گئیں تو آپ ﷺ سکون کی نیند سو گئے۔[1]

پیارے رسول ﷺ شرکاء بدر اور قیدیوں سے ایک دن قبل مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تھے جب اسیران بدر کو خدمت رسول میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیا اور اپنے رفقاء کو قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

«اِسْتَوْصُوْا بِالْأُسَارٰى خَيْرًا »

”میں تمہیں قیدیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی نصیحت کرتا ہوں“۔

---

(1) دلائل النبوة للبیهقی، 3/141

رسول محترم ﷺ کے فدا کار و جان نثار صحابی سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی ابو عزیز اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں بھی اسیران بدر میں شامل تھا۔

"جب ہمیں قیدی بنا کر مدینہ لایا گیا تو مجھے ایک انصاری کی تحویل میں دے دیا گیا وہ انصاری اور اس کے گھر والے جب صبح و شام کھانا کھاتے تو مجھے روٹی پیش کرتے اور خود کھجوروں پر گزارا کرتے تھے (واضح رہے کہ مدینہ طیبہ میں روٹی خاصی گراں قیمت چیز تھی اور کھجوریں عام دستیاب تھیں) ابو عزیز کہتے ہیں کہ ان میں سے جب بھی کسی کو روٹی میسر آتی تو وہ اسے خود کھانے کی بجائے مجھے دیتے، بسااوقات مجھے شرم محسوس ہوتی تو میں روٹی لینے سے انکار کر دیتا مگر جب وہ اصرار کرتے تو قبول کر لیتا۔ ہمارے ساتھ یہ حسن سلوک اور خدمت ان ہدایات کا نتیجہ تھا جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو قیدیوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے بارے میں فرما رکھی تھیں"۔[1]

حبیب مکرم ﷺ کا اسیران بدر کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا اور بعض کو دس، دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کے عوض رہا کر دینا بھی آپ کی قیدیوں کے ساتھ شفقت و محبت کی واضح دلیل ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کا یہ فرمان تو اسیروں کے ساتھ حسن سلوک اور محبت و شفقت کا بے مثال نمونہ ہے کہ:

«لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا، ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى، لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ»[2]

"اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان گندے مشرکوں کے متعلق مجھ سے سفارش کرتا تو میں اس کی خاطر ان لوگوں کو رہا کر دیتا"۔

یہ مطعم بن عدی اگرچہ مسلمان نہیں ہوا تھا مگر آپ ﷺ اور مسلمانوں کے بارے

---

(1) السيرة النبوية لابن هشام، 1/645

(2) صحيح بخاري ، كتاب المغازي : 4024

میں نرم گوشہ رکھتا تھا، طائف سے واپسی پر اسی مطعم نے ہی آپ کو پناہ دی تھی اور شعب ابی طالب کے دوران رسول اللہ، صحابہ کرام اور بنو ہاشم کے ساتھ قریش مکہ کے سوشل بائیکاٹ کے معاہدے کو ختم کروانے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

عجیب قیدی... انوکھا سلوک:

جنگی قیدیوں کے ساتھ رسول رحمت ﷺ کی شفقت، محبت اور حسن سلوک کا ذکر خیر آیا ہے تو مجھے مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی کے ستون سے بندھا ہوا ایک عجیب قیدی اور اس کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کا انوکھا سلوک یاد آ رہا ہے، وہ قیدی جناب ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ اپنے علاقے "یمامہ" کے معزز سردار اور معتبر شخصیت تھے اور یمامہ سے مکہ مکرمہ کی طرف عمرہ کی نیت سے سفر کر رہے تھے کہ راستہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک دفاعی دستہ نے انہیں گرفتار کر کے مدینہ طیبہ پہنچا دیا اور آپ ﷺ کے حکم سے مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا (تاکہ وہ اہل ایمان کا طریقہ عبادت، باہمی اخوت و محبت اور معاملات کا بچشم خود مشاہدہ کریں اور دوران نماز آپ ﷺ کی زبان نبوت سے قرآنی آیات کی تلاوت سن سکیں)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

«فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟»، فَقَالَ: عِنْدِي خَيْرٌ يَا مُحَمَّدُ، إِنْ تَقْتُلْنِي تَقْتُلْ ذَا دَمٍ، وَإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ، وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ مِنْهُ مَا شِئْتَ»

"نبی اکرم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور (انتہائی نرمی، اخلاق اور محبت سے) فرمایا: اے ثمامہ تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے (بڑی تلخی، ترشی اور سختی کے ساتھ) جواب دیا۔ اے محمد (ﷺ) میرے ہاں ہر طرح خیر ہے۔ (اور یاد رکھو) اگر تم نے مجھے قتل کرواؤ گے تو ایسے شخص کو قتل کرواؤ گے

جس کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ (بلکہ میری قوم کے لوگ آپ سے میرے قتل کا بدلہ لے لیں گے) اور اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ایسے شخص پر نیکی کریں گے جو احسان کا قدر دان ہے اور اگر آپ کو مال مطلوب ہے تو جتنا چاہیں مطالبہ کریں میں ادا کر دوں گا"۔

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے کمال شفقت، محبت اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی کڑوی کسیلی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا اور اس کی حفاظت پر مامور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسے کھانا کھلانے اور آرام پہنچانے کا حکم فرما کر واپس تشریف لے گئے۔

دوسرے دن آپ ﷺ پھر مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ بندھے ہوئے قیدی "ثمامہ" کے پاس تشریف لائے اور اس کی خیریت دریافت کی تو اس نے پھر بڑے سخت لہجے میں وہی جواب دیا جو کل دیا تھا۔ پیارے حبیب ﷺ پھر اس کے خورد و نوش کا خیال رکھنے کا حکم فرما کر گھر تشریف لے گئے تیسرے دن آپ ﷺ جب مسجد میں تشریف لائے تو پھر فرمایا:

«مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟» ثمامہ کیا حال وخیال ہے؟"۔

اس نے پھر روایتی تلخی اور سختی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ "میرا جواب وہی ہے جو میں کل اور پرسوں کہہ چکا ہوں"۔

شاعر اسلام مولانا محمد صمصام رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو شعری جامہ پہنایا ہے کہ:

تیسرے دن سرور بہندے آ، کول نے کیویں ثمامہ تیرے کوڑے جئے بول نے
اتاں تے ویکھ، کیتیاں اکھیں ان بھول نے ایہہ شہر مدینہ جتھے رحمت غفار دی
جھوک حبیب والی سینے نوں ٹھار دی

کہندا ثمامہ جیہڑا شہر مدینہ ایں سناں جاں ناں میرا سٹر جاندا سینہ ایں
نام تیرے تھیں مینوں ڈاہڈا ای کہہ ایں شکل نہ بھاوے تیری کالجہ ساڑ دی
جھوک حبیب والی سینے نوں ٹھار دی

رحمت عالم ﷺ نے ثمامہ کے درشت انداز، نازیبا کلمات اور سخت الفاظ پر کسی قسم کی گرفت کرنے، سزا دینے اور اسی لہجے میں جواب دینے کی بجائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا:

أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ "ثمامہ کو رہا کر دو"۔

حکم رسول ﷺ پر عمل کرتے ہوئے اس کی رسیاں کھول دی گئیں۔ یہاں لمحہ بھر کے لیے رکیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبہ اطاعت رسول، محبت رسول اور عقیدت رسول پر غور فرمائیے کہ ان مقدس ہستیوں میں سے کسی نے نہیں کہا حضور! یہ تو مشرک ہے ___ آپ کا گستاخ و بے ادب ہے ___ تین دن سے آپ کے ساتھ مسلسل بد تمیزی کر رہا ہے ___ اسے رہا کرنے کی بجائے سر قلم کرنے کا حکم صادر فرمائیں ___ اس کافر کی ٹانگیں توڑ دی جائیں۔ ___ یہ تو اس لائق ہے کہ اس کی زبان کاٹ دی جائے ___ نہیں ___ ہرگز نہیں ___ بلکہ ___ جونہی آپ ﷺ نے اسے رہا کرنے کا حکم فرمایا تو رفقاء رسول نے فوراً اس کی رسیاں کھول کر اسے آزاد کر دیا۔ سواری کے لیے تیز رفتار اونٹ مہیا کر دیا اور اس کا سارا ساز و سامان بحفاظت واپس لوٹا دیا۔

یہی اسلام ہے، یہی شیوہ مسلمانی ہے۔ اسی کو اطاعت رسول کہتے ہیں۔ اسی کا نام محبت رسول ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی طرز حیات اور انداز زیست تھا کہ

مصور کھینچ وہ نقشہ، جس میں یہ صفائی ہو
ادھر فرمان محمد ہو، ادھر گردن جھکائی ہو

اگر ہم دنیا اور آخرت کی کامیابی چاہتے ہیں تو ہمیں بھی یہی کرنا ہوگا کہ:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر:7)

"اور رسول ﷺ جو تمہیں عطا فرمائیں، اسے لے لو۔ اور جس سے تمہیں منع کریں، اس سے رک جاؤ"۔

ثمامہ، رسول رحمت ﷺ کے اس اچانک اور غیر متوقع فیصلے پر بڑا حیران ہوا اور مسجد سے تھوڑے فاصلے پر کھجوروں کے ایک باغ میں رک گیا۔ بقول مولانا صمصام رحمۃ اللہ علیہ

اوتھے کھلو کے دل وچ سوچا دوڑا وندا دشمن نے انج نئیں کوئی رحم کماوندا
میں کردار ہیا سختی پر اوہ نرمی وکھاوندا ایہہ خلق گواہی دیندا احمد سچیار دی

جھوک حبیب والی سینے نوں ٹھار دی

کتب احادیث میں سب سے معتبر، مستند اوراہم کتاب صحیح بخاری میں ہے کہ ثمامہ نے کھجوروں کے باغ میں کنویں سے غسل کر کے اپنا جسم پاک و صاف کیا (کپڑے دھوئے) اورواپس آکر مسجد نبوی میں داخل ہو گیا۔

یہاں قابل توجہ امر یہ ہے کہ اس قیدی کو رہائی نصیب ہو چکی ہے یہ آزاد کر دیا گیا ہے۔ اس کا سازوسامان اسے لوٹا دیا گیا ہے اور اب اس کے اپنے وطن جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ مگر یہ "عجیب قیدی" ہے کہ جو اپنے گھر جانے کی بجائے نہا دھو کر واپس قید خانہ کی طرف آرہا ہے۔ دراصل یہ رحمت مجسم ﷺ کی شفقت، محبت اور لطف و مہربانی ہے جو اسے خدمت رسول میں حاضری اور واپسی پر مجبور رہی ہے صحیح بخاری کے الفاظ ہیں۔

" ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ"

"پھر وہ (ثمامہ) مسجد نبوی میں داخل ہوا اور داخل ہوتے ہی بلند آواز سے پکار اٹھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں"۔

یہ آزاد کردہ عجیب قیدی دربار رسالت میں حاضر ہو کر نہایت ادب سے عرض کرتا ہے۔

کلمہ پڑھاؤ مینوں کر لئو مرید جی اللہ سچے دی مناں سچی توحید جی
تسیں سچے رسول ہو گئی دلوں تائید جی قسم خدا دی نئیں گنجائش انکار دی

جھوک حبیب والی سینے نوں ٹھار دی

نجد کا یہ سردار شفقت نبوی سے ایسا متاثر ہوا کہ اقرار توحید و رسالت کے بعد آپ ﷺ کی

خدمت میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہے، اے محمد ﷺ!

"وَاللهِ مَا كَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ. فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ إِلَيَّ. وَ اللهِ مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ. فَأَصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيَّ. وَ اللهِ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضُ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ. فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَيَّ"[1]

"اللہ کی قسم! تھوڑی دیر پہلے تک میرے لیے روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ ناپسندیدہ نہیں تھا۔ مگر اب (آپ کی شفقت والفت کے باعث) مجھے کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے سب سے زیادہ آپ کا دین برا لگتا تھا مگر اب (آپ کی محبت کی وجہ سے) آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے اور اللہ کی قسم آپ کا شہر (مدینہ) مجھے سب شہروں سے برا محسوس ہوتا تھا مگر اب (آپ کی مہربانی اور حسن سلوک کے سبب) آپ کا شہر (مدینہ) مجھے سب شہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے"۔

مجھے اس واقعہ سے جو بات آپ کی خدمت میں عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے رسول ﷺ قیدیوں پر بھی بڑے مہربان، شفیق اور ان کے از حد ہمدرد تھے اور ثمامہ جیسے اکھڑ مزاج قیدی کے اندر یہ روحانی انقلاب آپ ﷺ کی اسی نرمی، حسن اخلاق اور شفقت و محبت کا نتیجہ ہے۔

بوڑھوں پر شفقت:

بڑھاپا انسانی زندگی کا ایک لازمہ اور لابدی حقیقت ہے، عمر گزرنے کے ساتھ انسان کے اعضاء مضمحل، صحت خراب اور سوچ کے زاویے تبدیل ہو جاتے ہیں، کبر سنی اور ضعیف العمری میں اسے کسی سہارے کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ تعاون کا طلب گار

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفه وحدیث ثمامة بن اثال :4372

ہوتا ہے، اس کی قوت، طاقت اور ہمت کمزور ہو جاتی ہے، طبیعت میں چڑچڑاپن آجاتا ہے، محبوب چیزی مبغوض ہو جاتی اور بچوں جیسی حرکات سرزد ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ عمر رسیدگی کے اس دور میں اولاد ہی بوڑھے والدین کی امیدوں کا مرکز اور ان کا مضبوط سہارا ہوتی ہے۔

ہمارے محبوب ﷺ نے جہاں معاشرے کے دیگر طبقات پر شفقت و مہربانی فرمائی ہے وہاں ضعیف، کمزور اور بوڑھے افراد کے حقوق بیان فرما کر بلکہ عملی مظاہرہ کر کے انہیں اپنی رحمت و محبت اور شفقت والفت سے مستفیض فرمایا ہے۔ رسول معظم ﷺ کی سیرت پاک سے صرف ایک واقعہ عرض کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

> "ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اپنے بوڑھے باپ کی شکایت کرتے ہوئے عرض گزار ہوا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ میرا باپ میری کمائی ہوئی دولت میری اجازت کے بغیر خرچ دیتا ہے"۔

یعنی میں بڑی محنت و مشقت سے کماتا ہوں، مزدوری کرتا ہوں اور دن رات ایک کر کے مال جمع کرتا ہوں اور میرے والد بزرگوار مجھے پوچھے اور بتائے بغیر ہی اسے خرچ کر دیتے ہیں آپ انہیں سمجھائیں کہ میری کمائی میں سے میری اجازت کے بغیر خرچ نہ کیا کریں۔ اللہ اکبر آج معاشرے میں کتنے ہی ایسے نوجوان ہیں جن کے والدین ضعیف، کمزور اور ناتواں ہو چکے ہیں اور عمر کے اس حصے میں پہنچ چکے ہیں کہ وہ کما نہیں سکتے، مزدوری نہیں کر سکتے۔ دکان نہیں چلا سکتے، کارخانے کا حساب نہیں رکھ سکتے، بیمار ہیں، لاغر ہیں، اپاہج ہیں، معذور ہیں اور اولاد کے محتاج ہیں۔ بیٹے ان کی خوراک، علاج اور دیگر ضروریات کا خیال واحساس نہیں کرتے تو وہ اولاد کی کمائی میں سے دوائی خرید لیتے ہیں۔ ڈاکٹر کی فیس ادا کر دیتے ہیں اور اپنے لیے کوئی کھانے کی چیز لے لیتے ہیں تو بیٹے ان کو جھڑکتے، ڈانٹتے اور بسا اوقات لڑتے ہوئے بدزبانی پر اتر آتے ہیں اور ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو شرعی اعتبار سے ناجائز، منع اور حرام ہیں ایسے نوجوان یہ واقعہ دھیان اور توجہ سے سنیں اور پڑھیں۔

نبی محترم ﷺ نے اس نوجوان کی شکایات سن کر ایک شخص کو بھیجا کہ وہ اس بزرگ

کو بلا کر میرے پاس لائے۔ قاصد نے جا کر بوڑھے بزرگ کو بتایا کہ آپ کے "صاحبزادے" نے دربار رسالت میں آپ کی شکایت کی ہے اور ہادی برحق ﷺ نے آپ کو طلب فرمایا ہے۔ اسے اپنے بیٹے کی اس حرکت سے بہت افسوس ہوا اور وہ پریشانی اور حیرانی کے عالم میں دربار نبوی کی طرف چل پڑا۔ یہ بوڑھا شخص اپنے دور کا شاعر اور تجربہ کار انسان تھا۔ راستے میں چلتے اپنے بیٹے کے اس عمل اور حرکت کے بارے میں اشعار گنگنانے لگا اور دل ہی دل میں شعروں کی نوک پلک سنوارتے ہوئے رسول محترم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، آپ ﷺ نے اس بوڑھے سے فرمایا:

«إِنَّ ابْنَكَ يَزْعَمُ أَنَّكَ تَأْخُذُ مَالَهُ»

"آپ کے بیٹے کا خیال ہے کہ آپ اس کا مال اس کی اجازت کے بغیر خرچ کر دیتے ہیں"۔

اس بزرگ نے لڑکھڑاتی زبان، نمناک آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

اے اللہ کے رسول ﷺ!

" سَلْهُ هَلْ هُوَ إِلَّا عَمَّاتُهُ أَوْ قَرَابَاتُهُ أَوْ مَا أُنْفِقُهُ عَلَى نَفْسِي وَعَيَالِي "

"اس (میرے لخت جگر) سے پوچھیے کہ میں اس کی کمائی اس کی خالاؤں، قریبی عزیزوں، اپنی ذات اور اہل وعیال کے علاوہ اور تو کہیں خرچ نہیں کرتا"۔

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ اسی دوران جناب جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ ﷺ سے فرمایا کہ اس بوڑھے نے آپ کے پاس آتے ہوئے دل ہی دل میں چند اشعار کہے ہیں جو کسی نے حتی کہ اس کے اپنے کانوں نے بھی نہیں سنے۔ معاملے کی تحقیق و تفتیش سے پہلے اس بزرگ سے وہ اشعار ضرور سن لیں چنانچہ آپ ﷺ نے اس بوڑھے سے فرمایا:

«قُلْتَ فِي نَفْسِكَ شَيْئًا لَمْ تَسْمَعْهُ أُذُنَاكَ؟»

"کیا آپ نے آتے ہوئے اپنے دل میں کچھ باتیں کی ہیں جنہیں آپ کے کانوں نے بھی نہیں سنا؟"۔

اس نے نہایت ادب سے عرض کی۔ آقا! آپ کے اس فرمان سے آپ کے بارے میں میرے ایمان، یقین اور بصیرت میں اضافہ ہوا ہے کہ وہ اشعار جو میں نے کسی کے سامنے بیان ہی نہیں کیے بلکہ میرے کانوں نے بھی نہیں سنے وہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اشعار مجھے سناؤ تو اس نے کہا:

غَذَوْتُكَ مَوْلُودًا وَعُلْتُكَ يَافِعًا
تُعَلُّ بِمَا أَجْنِيْ عَلَيْكَ وَتُنْهَلُ

"پیارے بیٹے! جب تو بچہ تھا تو میں نے تجھے بڑی محبت سے پالا تھا اور بڑی محنت سے ایک ایک لقمہ کھلا کر تجھے جوان کیا تھا"۔

إِذَا لَيْلَةٌ ضَافَتْكَ بِالسُّقْمِ لَمْ أَبِتْ
لِسُقْمِكَ إِلَّا سَاهِرًا أَتَمَلْمَلُ

"جب کبھی تو، رات کو بیمار ہو جاتا تھا تو میں بے قراری اور بے چینی کی حالت میں ساری رات جاگتا رہتا تھا"۔

تَخَافُ الرَّدَى نَفْسِيْ عَلَيْكَ وَإِنَّهَا
لَتَعْلَمُ أَنَّ الْمَوْتَ حَتْمٌ مُوَكَّلُ

"اب تو میری وجہ سے کیوں پریشان ہوتا ہے میں تو چند دن کا مہمان ہوں اور تجھے معلوم ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے (وہ مجھے مقرر وقت سے پہلے تو نہیں آسکتی)"

كَأَنِّيْ أَنَا الْمَطْرُوْقُ دُوْنَكَ بِالَّذِيْ
طُرِقْتَ بِهٖ دُوْنِيْ فَعَيْنَايَ تَهْمُلُ

"بلاشبہ میں اب ناتواں اور کمزور ہو گیا ہوں، مجھے بتا کہ اب تیرے سوا میرا کون ہے؟ تو مجھے چھوڑ کر چلا جاتا ہے جبکہ میری آنکھیں تیرا انتظار کر کے تھک جاتی ہیں"۔

فَلَمَّا بَلَغْتَ السِّنَّ وَالْغَايَةَ الَّتِي
إِلَيْكَ مَدَى مَا كُنْتُ فِيكَ أُؤَمِّلُ

"پس جب تو اپنی جوانی اور عروج تک پہنچ گیا ہے جو ہر کسی کی آرزو ہوتی ہے۔ اب تو مجھے تیرے ساتھ میری بھی بڑی امیدیں وابستہ تھیں"۔

جَعَلْتَ جَزَائِي غِلْظَةً وَفَظَاظَةً
كَأَنَّكَ أَنْتَ الْمُنْعِمُ الْمُتَفَضِّلُ

"تو نے مجھے بڑا سخت اور تلخ بدلہ دیا ہے، تیرا رویہ تو ایسا ہے کہ گویا تو ہی نعمتیں بخشنے والا اور رزق دینے والا ہے"۔

فَلَيْتَكَ إِذَا لَمْ تَرْعَ حَقَّ أُبُوَّتِي
كَمَا يَفْعَلُ الْجَارُ الْمُجَاوِرُ تَفْعَلُ

"اے کاش! اگر تو میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں کر سکتا تو کم از کم اتنا تو خیال رکھتا جتنا ایک ہمسایہ اپنے ہمسائے کا خیال رکھتا ہے"۔

حضرات! یہ دردناک اشعار پڑھتے ہوئے بوڑھا رو رہا تھا اور سنتے ہوئے شفیق آقا ﷺ بھی آنسو بہا رہے تھے۔ جناب جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

فَبَكَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَأَخَذَ بِتَلْبِيبِ ابْنِهِ وَقَالَ: أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ

"بوڑھے کے اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ رو پڑے اور اس کے بیٹے کی آستین کو پکڑ کر (اسے بوڑھے کی گود میں پھینکتے ہوئے) فرمایا تو اور تیرا سارا

مال تیرے باپ کی ملکیت ہے"۔[1]

میرا اس واقعہ سے فی الوقت استدلال یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کمزوروں، ضعیفوں اور بوڑھوں کے لیے بڑے ہی رحیم، شفیق اور مہربان تھے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے بوڑھے والدین کا ادب اور خدمت کریں اور ان کے ساتھ شفقت و نرمی کا رویہ اپنائیں اور اپنے گردو نواح میں بسنے والے ضعیفوں اور بے سہاروں کا سہارا بننے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ○

نوٹ:

ہماری کتاب "خطبات سیرت مصطفیٰ ﷺ" جلد اول میں "رحمت مصطفیٰ ﷺ" کے عنوان سے دو مضامین شامل ہیں۔ مزید دلائل اور واقعات کے لیے ان کا مطالعہ فرمائیں۔

[1] دلائل النبوة للبيهقي ، باب ماجاء في اخباره من قال في نفسه شعرا...،6/304



تلاوتِ مصطفیٰ ﷺ

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

''البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے''۔

تعریف و تسبیح کے تمام کلمات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے انسان کو عدم سے وجود بخشنے کے بعد اس کی رشد و راہنمائی اور ہدایت کی خاطر انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ مبارکہ جاری فرمایا، تاکہ انسانوں کو جہنم کی راہ سے ہٹا کر جنت کے راستے پر گامزن کیا جاسکے اور تمام انبیاء و رسل نے اپنے اپنے زمانے میں اپنا فرض منصبی پوری ذمہ داری، دیانت داری اور جاں فشانی سے نبھایا اور اس راہ حق میں پیش آنے والی مشکلات، مصائب اور آلام کو خندہ پیشانی سے برداشت فرمایا اور سب سے آخر میں ہمارے آقا و مولا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے جنہوں نے توحید الٰہی کی اشاعت، سنت کی تبلیغ اور احکام خداوندی کی ترویج کے لیے بڑی محنت، جدوجہد اور کوشش و کاوش فرمائی۔ اور پوری زندگی دعوت دین کے لیے وقف فرمادی۔ لاتعداد و بے شمار اور اَن گنت و بے حساب درود و سلام کا نزول ہو محبوب کبریاء، امام الانبیاء، شافع روز جزا، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی پر جنہیں رب العالمین نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور انسانیت کی ہدایت، فلاح اور کامیابی کے لیے ان پر قرآن مجید فرقان حمید کو نازل فرمایا۔ جس کی تلاوت باعث ثواب اور اس کے احکام پر عمل ذریعہ نجات ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ، وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ، اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ o اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ، وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ، اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللہ احکم الحاکمین نے جب رسول مکرم ﷺ کو منصب رسالت سے نوازا تو انسانیت کی رشد و راہنمائی اور ہدایت کی خاطر قرآن مجید فرقان حمید جیسی معتبر، مستند اور جامع کتاب بھی آپ ﷺ کو عطا فرمائی جس کا پڑھنا کار ثواب، سمجھنا باعث ہدایت اور اس کے احکام پر عمل کرنا ذریعہ نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول ﷺ کتاب الٰہی کی تلاوت کیسے فرماتے اور آپ ﷺ کی زبان نبوت سے قرآن مجید کی تلاوت سن کر لوگ کیا اثر قبول کرتے۔ یہ ہماری معروضات کا موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب السماوات والارض ہمیں کثرت سے اپنی کتاب کی تلاوت و قراءت کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

بعثت رسول ﷺ کا مقصد:

اللہ رب العزت نے قرآن حکیم کے چار مقامات پر رسول محترم ﷺ کی بعثت و نبوت کے مقاصد کا تذکرہ فرمایا ہے اور چاروں آیات میں "تلاوت آیات" کو آپ ﷺ کی تشریف آوری کا ایک اہم مقصد قرار دیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (آل عمران:164)

"البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا کہ اس نے انہی میں سے ایک رسول ان میں مبعوث فرمایا جو ان کے سامنے اس (اللہ تعالیٰ) کی (نازل کردہ) آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں (کفر و شرک اور نجاست سے) پاک و صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب (الٰہی) کی تعلیم دیتا ہے اور ان کو

حکمت (اپنی سنت) سکھاتا ہے بے شک وہ لوگ اس (رسول کی آمد) سے پہلے صریح گمراہی میں مبتلا تھے"۔

آپ اس آیت مبارکہ کے الفاظ اور ترجمے پر غور فرمائیں تو یہ حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری اور اعطاء نبوت کا ایک اہم مقصد ہی "قرآن حکیم کی تلاوت" ہے۔ اور کتاب الٰہی کی تعلیم ،اشاعت اور تفہیم کو الگ مقصد کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے۔

کتاب الٰہی کے اٹھائیسویں پارے میں آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد کی تفصیل ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾

(الجمعہ:2)

"وہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا۔ وہ ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب (قرآن حکیم) اور حکمت (سنت) کی تعلیم دیتا ہے اور بلاشبہ اس (رسول کی بعثت) سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے"۔

اس آیت طیبہ میں بھی "قرآن مجید کی آیات کی تلاوت" کو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا ایک اہم اور بنیادی مقصد قرار دیا گیا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس امر کی بھی نشاندہی کرتی ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جس رسول برحق کی بعثت و تشریف آوری کی دعا کی تھی، اس سے مراد ہمارے محبوب آقا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی ہی ہے کیونکہ ان کی دعا میں جن اوصاف کے حامل رسول کو مکہ مکرمہ میں بھیجنے کی درخواست کی گئی تھی وہ تمام خصائص و خصائل آپ ﷺ میں بدرجہ اتم موجود ہیں اور مذکورہ بالا دو آیات میں آپ ﷺ کے ان اوصاف حمیدہ کا بطور خاص

ذکر کیا گیا ہے۔

خلیل الرحمان سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دعائیہ الفاظ پر غور فرمائیں تو ان میں بھی اس عظیم المرتبت رسول کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت "تلاوت کتاب" بیان کی گئی ہے۔

﴿ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (البقرہ:129)

"اے ہمارے پروردگار! اور بھیج ان میں ایک (عظیم) رسول انہی میں سے وہ ان کے سامنے تیری آیات کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب (قرآن مجید) اور حکمت (سنت) کی تعلیم دے اور انہیں (کفر و شرک سے) پاک کرے ،بلاشبہ تو ہی غالب، حکمت والا ہے"۔

چوتھی وہ آیت مبارکہ جس میں آپ ﷺ کی بعثت و نبوت کا ایک اہم مقصد "کتاب الٰہی کی تلاوت" کو قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر اپنے عظیم احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (البقرہ:151)

"جیسے ہم نے تمہارے لیے تمہی میں ایک (عظیم) رسول بھیجا۔ وہ تم پر ہماری آیات کو تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ (باتیں اور کام) سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے"۔

یہ چاروں آیات اس امر کی صراحت اور وضاحت کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی تشریف آوری کا ایک بنیادی مقصد "قرآنی آیات کی تلاوت" ہے۔ اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنی نبوت کے اس مقصد کو پیش نگاہ رکھا اور زندگی کے کسی حصے میں بھی قرآن حکیم کی تلاوت سے غافل نہیں ہوئے۔

قرآن کریم میں آپ ﷺ اور آپ کی امت کو قرآن مجید کی تلاوت کا حکم دیتے

ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ﴾ (العنکبوت:45)

"(اے رسول ﷺ) اس کتاب کی تلاوت کیجیے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم کیجیے"۔

حقیقتاً قرآن مجید کی تلاوت بہت بڑی نیکی، عظیم سعادت اور خوش بختی کی علامت ہے اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو تلاوت قرآن حکیم کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

تلاوت قرآن حکیم کی فضیلت:

قرآن مجید فرقان حمید ایسی باکمال، لاجواب اور بے مثال کتاب ہے جس کی تلاوت کرنا اجر و ثواب اور سعادت دارین کا سبب ہے، اس کتاب عظیم کے قاری پر رحمت باری تعالیٰ کا نزول ہوتا ہے اور کلام الٰہی کی تلاوت والی مجلس کو اللہ تعالیٰ کے خاص فرشتے گھیر لیتے ہیں اور مساجد میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی قراءت کرنے والے سعادت مندوں کا ذکر خیر ملائکہ مقربین کے روبرو فرماتے ہیں جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ »[1]

"اور جب لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر (مسجد) میں جمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں اس کا درس دیتے ہیں تو ان پر سکون نازل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسے لوگوں کو ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے انہیں اپنے محاصرے میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الذکر و الدعاء، باب فضل الاجتماع علیٰ تلاوت القرآن :2699

فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر خیر فرماتا ہے"۔

کتاب الٰہی کی تلاوت کرنے والے خوش نصیب کے نامہ اعمال میں ایک ایک حرف کے بدلے دس ،دس نیکیوں کا اجر و ثواب درج کیا جاتا ہے جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ. وَالحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا. لَا أَقُولُ آلمٓ حَرْفٌ. وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ» [1]

"جو شخص (مسلمان) قرآن مجید کا ایک حرف پڑھتا ہے تو اسے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں عطا کی جاتی ہیں اور میں (محمد ﷺ) یہ نہیں کہتا کہ آلمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے،لام ایک حرف ہے اور میم بھی ایک حرف ہے"۔

یعنی جو مومن حصول ثواب کی نیت کے ساتھ اپنی زبان سے "آلمٓ" ادا کرتا ہے تو اسے تیس نیکیوں کا اجر وثواب عطا فرمایا جاتا ہے ۔ خطیب پاکستان مولانا محمد حسین شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ نے محبوب مکرم ﷺ کی زبان اقدس سے نکلنے والے ان خوبصورت الفاظ کا کیا دل نشین ترجمہ کیا ہے:

الف تے لام ،میم حرف ایہہ تین نے
شروع قرآن پڑھ دے صاحب یقین نے
کہیا اے سانوں کملی والے امین نے
نیکیاں تیہ(30) دفتر لکھ دا الٰہی آ
چٹھی آسمانوں احمد سرور نوں آئی ہے

[1] جامع ترمذی، کتاب ثواب القرآن ،باب ما جاء من قرء حرف من کتاب الله .... : 2910،قال الالبانی ، صحیح

اِک اِک حرفوں دس دس نیکیاں نے مل دیاں
ہنڈیاں نے دور جو سیاہیاں نے دل دیاں
جنت دیاں حوراں نالے ویکھ نے کھل دیاں

مولا نے قسمت تیری چنگی بنائی آ
چٹھی آسمانوں احمد سرور نوں آئی ہے

پیارے رسول ﷺ نہ صرف یہ کہ خود، قرآن عزیز کو بکثرت تلاوت فرماتے اور اس کے معانی پر غور و فکر کرتے بلکہ آپ ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو قرآن کریم کی تلاوت کا حکم فرماتے ہوئے اپنی زبان حق ترجمان سے قرآن مجید کی تلاوت کے اثرات و ثمرات اور فوائد و برکات کو بیان فرمایا۔ چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ، لَهُ أَجْرَانِ»[1]

"قرآن مجید میں مہارت حاصل کرنے والا، لکھنے والے معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور قرآن حکیم تلاوت کرتے ہوئے اٹکنے والا یعنی تلاوت میں مشکل پیش آنے کے باوجود پڑھنے والا دوہرے اجر و ثواب کا مستحق ہے"۔

اگرچہ ہر کلمہ گو کے لیے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید کا سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا بھی ضروری ہے مگر کائنات ہست و بود میں یہ واحد کتاب ہے جسے سمجھے بغیر پڑھنا بھی کار ثواب اور نیکی کا کام ہے اور اللہ رب العزت نے اس بابرکت کتاب کی تلاوت کو نفع بخش تجارت، اجر و ثواب میں اضافے کا سبب، گناہوں کی معافی کا ذریعہ اور بلندی درجات کا باعث قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

---

(1) صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب فضل الماهر فی القرآن:798

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝ لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ ﴾ (الفاطر:29-30)

"بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور جو کچھ ہم انہیں عطا فرمایا ہے اس میں پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں ہر گز کوئی خسارہ (نقصان) نہیں ہو گا، اللہ تعالیٰ انہیں پورے پورے اجر عطا فرمائے گا اور اپنے (خاص) فضل سے ان کے اجر میں اضافہ فرمائے گا۔ بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا ،بڑا قدر دان ہے"۔

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ان فرامین اور عمل کی روشنی میں ہم میں سے ہر شخص کو اپنے اعمال و کردار کا جائزہ لینا اور غور کرنا چاہیے کہ کیا ہم روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس کا ترجمہ پڑھتے اور معانی کو سمجھنے اور احکام پر عمل کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ رب العالمین ہمیں اس کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

قیام اللیل میں تلاوت رسول ﷺ:

نفلی نمازوں میں سب سے افضل، اعلیٰ اور بہتر نماز "تہجد" یعنی قیام اللیل ہے جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ صَلَاةُ اللَّيْلِ» [1]

"فرض نمازوں کے بعد افضل نماز، رات کی نماز ہے"۔

ہمارے محبوب ﷺ تہجد کی نماز اور اس میں قرآن حکیم کی طویل تلاوت کا ایسا اہتمام فرماتے کہ آپ کے پاؤں مبارک متورم ہو جاتے جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ

---

[1] صحيح مسلم ، كتاب الصيام ،باب فضل صوم المحرم: 1163

عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

«أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا يَا رَسُولَ اللهِ، وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ: «أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا»[1]

”بے شک نبی اکرم ﷺ رات کو اتنا طویل قیام فرماتے کہ آپ کے پاؤں پھٹنا شروع ہو جاتے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ یہ (نماز تہجد میں لمبا قیام) کیوں کرتے ہیں اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کی پہلی پچھلی تمام کوتاہیاں معاف فرما دی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں پسند نہ کروں کہ میں (اللہ تعالیٰ کا) شکر گزار بندہ بنوں“۔

آیئے! آپ ﷺ کے عمل مبارک سے معلوم کرتے ہیں کہ آپ ﷺ قیام اللیل، صلاۃ اللیل اور نماز تہجد میں قرآن مجید کی تلاوت کیسے کرتے تھے اور کیا پڑھتے تھے؟ رازدانِ رسول سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَافْتَتَحَ الْبَقَرَةَ، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَةِ، ثُمَّ مَضَى، فَقُلْتُ: يُصَلِّي بِهَا فِي رَكْعَةٍ، فَمَضَى، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ بِهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ النِّسَاءَ، فَقَرَأَهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ آلَ عِمْرَانَ، فَقَرَأَهَا، يَقْرَأُ مُتَرَسِّلًا، إِذَا مَرَّ بِآيَةٍ فِيهَا تَسْبِيحٌ سَبَّحَ، وَإِذَا مَرَّ بِسُؤَالٍ سَأَلَ، وَإِذَا مَرَّ بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ، ثُمَّ رَكَعَ»[2]

”میں نے ایک رات نبی محترم ﷺ کے ساتھ نماز (تہجد) پڑھی تو آپ ﷺ نے (سورۃ فاتحہ کے بعد) سورۃ بقرہ کی تلاوت شروع فرمائی تو میں

---

(1) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الفتح: 4837

(2) صحیح مسلم، کتاب المسافرین، باب الاستحباب تطویل القراءۃ فی صلاۃ اللیل: 772

نے سوچا کہ آپ ﷺ سو آیات پڑھ کر رکوع کریں گے۔ مگر آپ تلاوت کرتے رہے پھر میں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ دو رکعتوں میں پوری سورت بقرہ پڑھیں گے، لیکن آپ مسلسل قراءت کرتے رہے۔ پھر میں نے دل ہی دل میں کہا کہ شائد آپ ایک رکعت میں سورت بقرہ پوری پڑھ کر رکوع کریں گے لیکن آپ ﷺ نے پوری سورۃ بقرہ پڑھنے کے بعد سورۃ نساء کی تلاوت شروع کر دی اوراسے بھی (پہلی رکعت میں ہی) تلاوت کر دیا۔ پھر آپ ﷺ سورۃ آل عمران پڑھنا شروع ہو گئے اور اسے بھی مکمل کر دیا اور آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت فرمارہے تھے۔ جب کوئی تسبیح والی آیت پڑھتے تو "سبحان اللہ" کہتے۔ جب کسی سوال والی آیت کو تلاوت کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اس چیز کا سوال کرتے اور جب کوئی پناہ مانگنے والی آیت پڑھتے تو اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے (جب آپ ﷺ نے نماز تہجد کی ایک رکعت میں سورۃ بقرہ، سورۃ نساء اور سورۃ آل عمران کی اس طرح تلاوت مکمل کر لی تو) پھر رکوع میں گئے"۔

شائد آپ کو معلوم ہو کہ سورۃ بقرہ چالیس، سورۃ آل عمران بیس اور سورۃ نساء چوبیس رکوعات پر مشتمل ہیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے قیام اللیل کی ایک رکعت میں قرآن حکیم کے چوراسی (84) رکوعوں کی تلاوت فرمائی اور تلاوت بھی ہماری تراویح کے اکثر اماموں کی طرح تیز تیز نہیں کہ سوائے یعلمون اور تعلمون کے کوئی لفظ سمجھ ہی نہ آئے بلکہ آرام آرام سے۔ ٹھہر ٹھہر کر بلکہ سمجھ سمجھ کر تلاوت فرمائی کہ دوران تلاوت تسبیحات بھی پڑھتے رہے، دعا و مناجات اور سوال بھی کرتے رہے اور بعض چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ بھی طلب کرتے رہے۔ اللہ اکبر

پیارے رسول ﷺ نماز تہجد اور دیگر نمازوں میں قرآن مجید فرقان حمید کی تلاوت گہرے غور و خوض پوری توجہ اور بڑے انہماک کے ساتھ کرتے تھے اور بعض اوقات

قرآن مجید پڑھتے ہوئے رونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ہنڈیا کے ابلنے جیسی آواز آتی تھی جیسا کہ جناب مطرف رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ:

«رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَفِي صَدْرِهِ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الرَّحَى مِنَ الْبُكَاءِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»[1]

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ مبارکہ سے ہنڈیا کے ابلنے جیسی آواز آرہی تھی"۔

کبھی ہم نے اپنی نمازوں کے خشوع، خضوع اور قرآن کریم کی تلاوت کے انداز پر غور کیا ہے کہ ہمارا انداز تلاوت کیا ہے؟ نمازوں میں ہماری توجہ کہاں ہوتی ہے؟ قرآن عزیز کی تلاوت کے وقت ہم پر رقت طاری کیوں نہیں ہوتی؟ اس لیے کہ ہمیں قرآنی آیات کے معانی، ترجمے اور مفاہیم کی خبر نہیں ہے بلکہ ہم طوطے کی طرح رٹے رٹائے الفاظ و آیات پڑھنے کو ہی کافی ووافی سمجھتے ہیں۔

حضرات! ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کتاب الٰہی کا ترجمہ پڑھے، اس کے مفہوم کو سمجھے اور تلاوت کرتے ہوئے اس کے معانی پر غور کرے تاکہ ہماری نمازوں میں انکساری اور تواضع پیدا ہو سکے۔

ہمارے محبوب ﷺ کی قیام اللیل میں تلاوت کے انہماک اور کامل توجہ کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز تہجد میں ایک ہی آیت بار بار پڑھتے رہے حتی کہ فجر کی اذان ہو گئی جیسا کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا أَصْبَحَ بِآيَةٍ، وَالْآيَةُ ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾»[2]

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ ،باب البکاء فی الصلاۃ: 904، قال الالبانی، صحیح

(2) سنن نسائی ، کتاب الافتتاح ، باب تردید الآیۃ:1010، قال الالبانی، حسن

"نبی اکرم ﷺ نماز تہجد کے لیے کھڑے ہوئے اور صبح تک ایک ہی آیت کی بار بار تلاوت کرتے رہے اور وہ آیت یہ تھی "اگر تُو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے (معاف فرمادے) تو تُو غالب حکمت والا ہے"۔[1]

یاد رکھیے! یہ کیفیت اور حالت بھی اسی صورت پیدا ہو سکتی ہے جب قرآنی الفاظ کے ترجے پر دسترس حاصل ہو، ورنہ ہر نماز کی ہر رکعت میں "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" پڑھنے والے غیر اللہ کی پوجا اور فوت شدگان سے مافوق الاسباب مدد طلب کرتے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

نبی محترم ﷺ ویسے تو سارا سال، سارے مہینے، ہر دن اور ہر رات قرآن کریم کی تلاوت فرماتے مگر ماہ قرآن یعنی رمضان المبارک میں عام مہینوں کی نسبت زیادہ تلاوت فرماتے اور جناب جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید سناتے اور ان سے سنا کرتے تھے۔[2]

دوران سفر تلاوت قرآن مجید:

رسول مکرم ﷺ کو قرآن حکیم کی تلاوت سے ایسا شغف، لگاؤ اور تعلق تھا کہ آپ ﷺ مسجد، گھر اور حضر کے علاوہ دوران سفر بھی کتاب الٰہی کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ صحابی رسول سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے،

«رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ وَهُوَ عَلَى نَاقَتِهِ أَوْ جَمَلِهِ وَهِيَ تَسِيرُ بِهِ، وَهُوَ يَقْرَأُ سُورَةَ الفَتْحِ - أَوْ مِنْ سُورَةِ الفَتْحِ - قِرَاءَةً لَيِّنَةً يَقْرَأُ وَهُوَ يُرَجِّعُ»[3]

---

(1) المائدہ:118

(2) صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن ،باب کان جبرائیل.....:4998

(3) صحیح بخاری ، کتاب فضائل القرآن ، باب الترجیع: 5048

"میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنی اونٹنی یا اونٹ پر سوار سورۃ فتح یا اس کے کچھ حصے کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ نرمی کے ساتھ تلاوت کر رہے اور (خوبصورت آواز کے ساتھ) آیات کو دہرا رہے تھے"۔

افسوس صد افسوس کہ ہمارے معاشرے میں اکثر لوگ دوران سفر بے ہودہ گانے، شرکیہ قوالیاں اور عشقیہ غزلیں سننا پسند کرتے ہیں۔ عام بسوں، ویگنوں اور فلائنگ کوچوں میں ڈرائیوروں نے ایسی حیا باختہ موسیقی لگائی ہوتی ہے کہ جسے خواتین تو درکنار کوئی سلیم الفطرت مرد بھی سننا گوارا نہیں کرتا اور اگر کوئی شریف آدمی اس فعل شنیع سے منع کرے تو اسے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ بس سے نیچے اتار دیا جاتا ہے۔ **استغفر الله**

یہ سورت فتح جو قرآن مجید کے چھبیسویں پارے میں چار رکوعات اور انیتس آیات پر مشتمل ہے۔ آپ ﷺ اسے دوران سفر بڑے شوق اور محبت سے تلاوت فرماتے اور اسے دنیا اور دنیا میں موجود تمام اشیاء سے بہتر قرار دیتے تھے۔ چنانچہ رسول محترم ﷺ کے ایک صحابی جناب اسلم رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ ایک رات (غالباً حدیبیہ سے واپسی پر) سفر میں تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا مگر آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب دوسری اور تیسری بار بھی جناب عمر رضی اللہ عنہ کو سوال کا جواب نہ ملا تو وہ اپنا اونٹ تیز چلا کر آگے نکل گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں اپنے پاس بلوا کر فرمایا:

« لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ سُورَةٌ لَهِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا﴾ »[1]

"آج رات مجھ پر ایسی سورۃ نازل کی گئی ہے جو مجھے ہر اس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے پھر آپ ﷺ نے سورت فتح کی پہلی آیت

(1) صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ الفتح: 5012

تلاوت فرمائی"۔

حضرات! دیکھیے ہمارے رسول ﷺ کا اسوہ، طریقہ اور سلیقہ کیا ہے؟ اور آپ ﷺ قرآن مجید سے کس قدر محبت کرنے والے تھے؟ کہ آپ ﷺ دورانِ سفر بھی کتاب الٰہی کی تلاوت فرماتے اور کئی آیات کو بار بار پڑھ کر لطف و سرور حاصل کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے حقیقی اور سچی محبت کرنے والے مسلمانوں سے میری درخواست ہے کہ وہ سفر کے دوران قرآن حکیم کی تلاوت کریں اور بالفرض پڑھ نہیں سکتے تو کتاب الٰہی کی تلاوت کو سننے کی سعادت حاصل کر کے اپنی دنیا اور آخرت بہتر بنائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

رسول محترم ﷺ کا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کا سفر ہجرت انتہائی تکلیف دہ، اذیت ناک اور پریشانی کن سفر تھا مگر صحیح بخاری کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس خوف ناک سفر کے دوران بھی قرآن حکیم کی تلاوت و قراءت میں مصروف و مشغول تھے۔ چنانچہ سو اونٹ انعام کے لالچ میں آپ ﷺ کے قافلے کا تعاقب کرنے والے سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"میں ان کے قریب پہنچ گیا اور انہیں پہچان بھی لیا کہ اچانک میرا گھوڑا پھسلا اور میں زمین پر گر گیا، میں فوراً اٹھا (زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق) فال کا تیر نکالا اور یہ جائزہ لینا شروع کیا کہ میں انہیں کوئی نقصان پہنچا بھی سکتا ہوں یا نہیں؟ فال میری خواہش کے خلاف نکلی، لیکن میں نے تیر کی بات تسلیم نہ کی اور رسول اللہ ﷺ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑا دیا۔ اب پہلے سے بھی زیادہ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا (جس نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا) کہ یک دم میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، میں پھر زمین پر گر گیا مگر جلدی سے اٹھا، سنبھلا، کپڑے جھاڑے اور گھوڑے کو ڈانٹنے لگا۔ اس نے زور لگا کر بڑی مشکل سے اپنے پاؤں زمین سے نکالے جس

کی وجہ سے دھویں جیسا گردو غبار زمین سے بلند ہوا۔

میں نے پھر تیر کے ذریعے فال نکالی مگر افسوس کہ فال اب بھی میری خواہشات کے برعکس تھی مگر میں اونٹوں کے لالچ میں پھر گھوڑے پر سوار ہوا اور رسول اکرم ﷺ کا پیچھا کرنے لگا۔ اب میں قافلے کے اتنا قریب پہنچ گیا کہ:

«سَمِعْتُ قِرَاءَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ لَا يَلْتَفِتُ، وَأَبُو بَكْرٍ يُكْثِرُ الِالْتِفَاتَ» (1)

"مجھے رسول اللہ ﷺ کے قرآن مجید پڑھنے کی آواز سنائی دی۔ آپ ﷺ قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھے اور ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ بے قراری اور بے چینی سے مڑ مڑ کر مجھے دیکھ رہے تھے"۔

واقعہ ہجرت کی تفصیلات اور اس سے حاصل ہونے والے اسباق فی الوقت ہمارا موضوع نہیں ہے بلکہ ہم تو صرف یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو قرآن حکیم کی تلاوت اتنی محبوب و مرغوب تھی کہ آپ ﷺ دوران سفر بھی اکثر قرآن کریم کی تلاوت ہی فرمایا کرتے تھے آپ ﷺ کے اس عمل مبارک سے اس امر کی بھی نشاندہی ہوتی ہے کہ گھبراہٹ، پریشانی اور غم کو دور کرنے کا نبوی طریقہ اور مدنی نسخہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت کی جائے کیونکہ قرآن مجید کی تلاوت کی برکت سے اللہ تعالیٰ دشمن سے حفاظت فرماتا، مخالفین کو ناکام بناتا اور نیک مقاصد میں کامیاب فرماتا ہے۔

بعض لوگ اپنے غم غلط کرنے کے لیے موسیقی سنتے، ناول پڑھتے اور فحاشی و عریانی پر مبنی فلمیں دیکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قرآن کریم کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط بنانا چاہیے، اس کی تلاوت کو حرز جان بنانا چاہیے اور کتاب الٰہی کا ترجمہ پڑھنا چاہیے۔ اس بابرکت عمل سے

---

(1) صحیح بخاری: کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی ﷺ.....: 3906

ان شاء اللہ العزیز حزن و غم سے نجات حاصل ہو گی، دلی اطمینان و سکون نصیب ہو گا اور گھر، رزق اور کاروبار میں خیر و برکت ہو گی اور سنت رسول پر عمل کرنے کا اجر و ثواب بھی حاصل ہو گا۔

بسا اوقات حالت سفر میں ناپسندیدہ صورت حال پیش آ جاتی ہے گاڑی ہچکولے کھانے لگتی، تیز بارش، آندھی اور ژالہ باری شروع ہو جاتی ہے جس سے گاڑی کا چلنا مشکل ہو جاتا ہے یا مسافر کسی ناگہانی آفت کا شکار ہو جاتا ہے تو ایسی صورت حال میں ہمارے نبی ﷺ کی سنت اور طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید بالخصوص سورۃ فلق اور ناس کی تلاوت کی جائے۔ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

«بَيْنَا أَنَا أَسِيرُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْجُحْفَةِ، وَالْأَبْوَاءِ، إِذْ غَشِيَتْنَا رِيحٌ، وَظُلْمَةٌ شَدِيدَةٌ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ بِأَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَأَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ، وَيَقُولُ: «يَا عُقْبَةُ، تَعَوَّذْ بِهِمَا فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِهِمَا»، قَالَ: وَسَمِعْتُهُ يَؤُمُّنَا بِهِمَا فِي الصَّلَاةِ»[1]

"ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جحفہ اور ابواء (دونوں جگہ کے نام ہیں) کے درمیان سفر کر رہے تھے کہ اچانک تیز آندھی آئی اور تاریکی نے ہمیں ڈھانپ لیا تو رسول اللہ ﷺ نے سورۃ فلق اور سورۃ ناس کی تلاوت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا شروع کر دی اور مجھ سے فرمایا: اے عقبہ! ان دونوں سورتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو کیونکہ کسی پناہ مانگنے والے کے لیے ان دونوں سورتوں سے بہتر کوئی سورت نہیں ہے"۔

ہمارے ہاں شیطانی وساوس، جادو کے اثرات، نظر بد سے بچاؤ اور مصائب و آلام سے حفاظت کے لیے کئی ٹوٹکے، تعویذ اور اوٹ پٹانگ وظیفے کیے جاتے ہیں جبکہ ہمارے محبوب

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، ابواب قیام اللیل، باب فی المعوذتین: 1463، قال الالبانی، صحیح

ﷺ نے ہر قسم کے شر ور و فتن سے محفوظ رہنے کے لیے سورت اخلاص، فلق اور ناس پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ:

"ایک غزوہ کے موقع پر سفر کے دوران میں رسول اللہ ﷺ کی سواری پر آپ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عقبہ! کہو، تو میں پوری طرح آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: اے عقبہ! پڑھو، میں نے اپنے کان آپ کی طرف لگا دیے کہ سنوں آپ کیا فرماتے ہیں؟ اسی دوران آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا: اے عقبہ! کہو، میں نے عرض کی "" آقا، فرمائیے! میں کیا کہوں یا کیا پڑھوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ» فَقَرَأَ السُّورَةَ حَتَّى خَتَمَهَا. ثُمَّ قَرَأَ: «قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ» وَقَرَأْتُ مَعَهُ حَتَّى خَتَمَهَا. ثُمَّ قَرَأَ «قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ» فَقَرَأْتُ مَعَهُ حَتَّى خَتَمَهَا. ثُمَّ قَالَ: «مَا تَعَوَّذَ بِمِثْلِهِنَّ أَحَدٌ»[1]

"تم " قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ "پڑھو، پھر آپ ﷺ نے پوری سورۃ (اخلاص) تلاوت فرمائی ۔ پھر قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ پڑھی تو میں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ مکمل سورۃ فلق تلاوت کی ، پھر آپ ﷺ نے قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ تلاوت فرمائی تو میں نے بھی آپ کے ساتھ مکمل سورت ناس پڑھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کسی پناہ مانگنے والے کے لیے ان تین سورتوں جیسی کوئی سورت نہیں جس کے ذریعے پناہ طلب کی جا سکے"۔

اس واقعہ کی روشنی میں ہم دو امور کی طرف آپ کی خصوصی توجہ مبذول کروانا چاہیں گے۔

ا۔ سفر کے دوران موسیقی سننے ، گپیں ہانکنے اور فضول گفتگو کرنے کی بجائے قرآن

(1) سنن نسائی ، کتاب الاستعاذہ : 5430،قال الالبانی ، صحیح

مجید کی تلاوت و قراءت کرنی چاہیے۔ اس سے سفر باعث رحمت و برکت بھی ہو گا اور نامہ اعمال میں اجر و ثواب بھی لکھا جائے گا۔

۲۔ جادو، ٹونے کی اثرات کو زائل کرنے، شیطانی وساوس اور فتنوں سے بچنے کے لیے اور نظر بد سے حفاظت کے لیے قرآن مجید کی آخری تین سورتوں کو بکثرت پڑھا کریں۔ خصوصاً ہر فرض نماز کے بعد ایک ایک بار اور صبح و شام تین تین بار ان معوذات (اخلاص، فلق اور ناس) کی تلاوت کیا کریں تو ان شاء اللہ العزیز آپ ہر قسم کے مصائب و آلام اور شرور و فتن سے محفوظ رہیں گے۔

سونے سے قبل تلاوت:

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اکثر اوقات قرآن مجید کی تلاوت و قراءت میں مشغول و مصروف رہا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ رات کو سونے سے پہلے بھی متعدد قرآنی سورتوں کی تلاوت کرنا، آپ ﷺ کا مستقل معمول تھا۔ آیئے! اس بارے میں عمل رسول ﷺ کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتّٰى يَقْرَأَ الٓمٓ تَنْزِيلُ، وَتَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ»[1]

"بلاشبہ نبی کریم ﷺ (رات کو) سورت سجدہ اور سورۃ ملک پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے"۔

اس فعل رسول ﷺ کی روشنی میں ہم میں سے ہر شخص کو اپنے معمولات اور معاملات کا جائزہ لینا چاہیے۔ میں نے اپنی خطابت کے ابتدائی ایام میں نماز عشاء کے بعد کئی نمازیوں کو مسجد میں بیٹھ کر ان دو سورتوں کی تلاوت کرتے سنا اور دیکھا ہے مگر افسوس کہ

---

[1] جامع ترمذی، ابو اب فضائل القرآن ،باب ما جاء فی سورۃ الملک : 2892، قال الالبانی، صحیح

اب لوگوں میں قرآن مجید کی تلاوت کا رجحان آہستہ آہستہ کم بلکہ ختم ہوتا جارہا ہے۔ اب تو دن کا آغاز T.V دیکھنے سے اور اختتام بھی اسی کام پر ہوتا ہے۔ رات کو لوگ T.V دیکھتے دیکھتے سو جاتے ہیں اور صبح بیدار ہوتے ہی سب سے پہلا کام ٹی وی آن کرنا ہی ہوتا ہے۔ إِلَّا مَاشَاءَ اللهُ۔ حالانکہ رات کو سونے سے قبل سورۃ ملک کی تلاوت کرنا عذاب قبر سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جناب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۃ ملک کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«فَهِيَ الْمَانِعَةُ تَمْنَعُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ»[1]

"پس یہ تو عذاب القبر کو روکنے والی ہے"۔

اور اسی سورت کو محبوب مکرم ﷺ نے روز حشر اپنے پڑھنے والے کی سفارشی قرار دیا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ سُورَةً مِنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَ لَهُ، وَهِيَ سُورَةُ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ»[2]

"قرآن مجید میں تیس آیات پر مشتمل ایک سورت ہے جس نے (اپنے پڑھنے والے کے لیے) سفارش کی حتی کہ اسے بخشش دیا گیا اور وہ سورت " تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ" یعنی سورت ملک ہے"۔

حضرات! اگر آپ عذاب قبر سے محفوظ رہنا، اپنے گناہ بخشوانا اور اسوۂ رسول پر عمل کا ثواب کمانا چاہتے ہیں تو روزانہ رات کو سونے سے قبل سورہ ملک پڑھ لیا کریں بلکہ اپنی بیوی ، بچوں ، بھائیوں ، بہنوں ، دوستوں ، والدین ، اعزہ واقارب اور ہمسایوں کو بھی ہر روز رات کو یہ سورۃ مبارکہ پڑھنے کی تلقین کریں تاکہ وہ بھی اس کے فوائد و ثمرات اور ثواب و

(1) المستدرک للحاکم، کتاب التفسیر ،تفسیر سورۃ الملک : 3839،قال المحقق مصطفیٰ عبد القادر عطا،صحیح

(2) جامع ترمذی، ابو اب فضائل القرآن ،باب ما جاء فی سورۃ الملک : 2891، قال الالبانی، حسن

برکات حاصل کریں اور آپ کی تبلیغ و نصیحت کی بدولت جب تک وہ اس بابرکت سورت کی تلاوت کرتے رہیں گے آپ کو اپنے حصے کا اجر و ثواب ملتا رہے گا۔

اسی طرح ہر روز رات کو سورت "السجدہ" بھی پڑھا کریں اور اگر اللہ تعالیٰ ہمت اور توفیق نصیب فرمائے تو سونے سے قبل سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ زمر کی بھی تلاوت کر لیا کریں۔

۲۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رات کو سونے سے قبل آپ ﷺ کے معمولات اور قرآن مجید کی تلاوت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

«كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَأَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَالزُّمَرَ»[1]

"نبی مکرم ﷺ (رات کو) سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ زمر پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے"۔

۳۔ سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ الْمُسَبِّحَاتِ قَبْلَ أَنْ يَرْقُدَ وَيَقُولُ: إِنَّ فِيهِنَّ آيَةً خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ آيَةٍ»[2]

"بے شک نبی اکرم ﷺ سونے سے پہلے مسبحات (وہ سورتیں جو لفظ سبحان، سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ سے شروع ہوتی ہیں) کی تلاوت کیا کرتے تھے اور فرماتے: ان سورتوں میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیات سے بہتر ہے"۔

قرآن حکیم کی وہ سورتیں جنہیں مسبحات کہا جاتا ہے یہ ہیں۔

۱۔	بنی اسرائیل	۲۔	الحدید	۳۔	الحشر
۴۔	الصف	۵۔	الجمعۃ	۶۔	التغابن
۷۔	الاعلیٰ				

[1] جامع ترمذی، کتاب ثواب القرآن : 2920،قال الالبانی ، صحیح

[2] جامع ترمذی، کتاب ثواب القرآن : 2921،قال الحافظ زبیر علی زئی ،حسن ؛المشکاۃ: 2151

یعنی رسول محترم ﷺ رات کو آرام فرما ہونے سے پہلے ان سات سورتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ سُبْحَانَ اللهِ

۴۔ معروف تابعی جناب فروہ بن نوفل رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتادیں جسے میں (رات کو) بستر پر لیٹتے ہوئے پڑھ لوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اقْرَأْ: قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ فَإِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْكِ»[1]

"سورۃ کافرون پڑھا کرو کیونکہ وہ شرک سے بری کرنی والی سورۃ ہے"۔

۵۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيهِمَا فَقَرَأَ فِيهِمَا: قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ، ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ يَبْدَأُ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ يَفْعَلُ ذَالِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ»[2]

"نبی اکرم ﷺ روزانہ رات کے وقت جب آرام فرمانے کے لیے بستر پر تشریف لاتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اکٹھا کر کے ان پر پھونک مارتے ہوئے سورۃ اخلاص، فلق اور ناس کی تلاوت فرماتے، پھر جہاں تک دونوں ہتھیلیاں جا سکتیں، انہیں اپنے جسم مبارک پر پھیرتے، یہ کام اپنے سر مبارک سے شروع کرتے، پھر اپنے چہرہ مبارکہ اور جسم کے سامنے والے حصے پر پھیرتے اور یہ عمل تین مرتبہ کرتے تھے"۔

---

[1] جامع ترمذی، ابواب الدعوات ، باب ما جاء فی من یقرء القرآن عند المنام: 3403،قال الالبانی ،صحیح

[2] صحیح بخاری ، کتاب فضل القرآن ،باب فی فضل المعوذات :5016

حضرات! سونے سے قبل ہمارے رسول ﷺ جو دعائیں، آیات اور وظائف پڑھتے، ان سب کا احصاء فی الوقت ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ ہم تو صرف یہ بات عرض کر رہے ہیں کہ محبوب مکرم ﷺ کا سونے سے پہلے قرآن حکیم کی تلاوت کے حوالے سے معمول کیا تھا۔ اب تک کی گزارشات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ نبی محترم ﷺ عام طور پر رات کو آرام فرما ہونے سے پہلے قرآن کریم کی ان سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

- سورت الملک
- سورۃ السجدہ
- سورت بنی اسرائیل
- سورت الزمر
- سورت الحدید
- سورت الحشر
- سورت الصف
- سورت الجمعہ
- سورت التغابن
- سورت الاعلیٰ
- سورت الکافرون
- سورت الاخلاص
- سورت الفلق
- سورت الناس

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ مسنون عمل کرنے اور قرآن حکیم کی کثرت کے ساتھ تلاوت کرنے کی سعادت نصیب فرمائے آمین

بیدار ہوتے ہی تلاوت:

نبی اکرم، رسول معظم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ کیسا شغف، شوق اور تعلق تھا کہ دن کے مختلف اوقات میں اس کی تلاوت فرمانے کے علاوہ رات کو سونے سے قبل آخری کام بھی قرآن کریم کی تلاوت ہوتا تھا۔ اور آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ تہجد کے وقت بیدار ہو کر آپ ﷺ جو پہلا کام کرتے وہ قرآن کریم کی تلاوت ہی ہوتا تھا۔

آپ ﷺ کے چچازاد بھائی اور امت میں پہلے مفسر قرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں نے ایک مرتبہ اپنی خالہ ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات بسر

کی تو دیکھا کہ آپ ﷺ (عشاء کے بعد) کچھ دیر اپنے اہل خانہ کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد استراحت فرما ہو گئے۔ جب رات کا آخری پہر ہوا تو آپ اپنی آنکھیں ملتے ہوئے بیدار ہوئے، اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھائیں اور سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے وضو کیا، مسواک کی اور (وتروں سمیت) گیارہ رکعت نماز تہجد پڑھی"۔[1]

آپ نے غور فرمایا کہ محسن عالم ﷺ نے وضو اور مسواک بھی بعد میں کی۔ سحری کے وقت آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے قرآنی آیات کی تلاوت فرمائی۔ ہمارے آقا ﷺ نے علی الصبح بیدار ہوتے ہی قرآن عزیز کی جو دس آیات پڑھیں۔ ان میں سے پہلی پانچ آیات اور ان کا ترجمہ پڑھیے تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ سحری کے وقت نیند سے بیدار ہوتے ہی ان آیات کو پڑھنے میں کیا حکمت ہے۔ کیسی جامع، مانع اور خوبصورت دعائیں ان آیات میں ذکر کی گئی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴾

(آل عمران:190-194)

"بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، اور رات اور دن کے باری باری آنے جانے میں اہل عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جو اٹھتے، بیٹھتے اور

---

(1) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ آل عمران، باب قوله ان فی خلق السماوات...: 4569

لیٹتے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ بچار کرتے (اور پکار اٹھتے) ہیں۔ "اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا، تیری ذات اس سے پاک ہے۔ پس (اے پروردگار)! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ کیونکہ جسے تو نے دوزخ میں ڈالا تو گویا اسے بڑی رسوائی میں ڈال دیا اور (وہاں) ظالموں کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا، جو ایمان کی طرف دعوت دیتا اور کہتا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لے آئے، پس ہمارے گناہ معاف کردے اور ہماری برائیاں دور فرما اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔ اے ہمارے رب! تو نے اپنے رسولوں (کی زبان) پر ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا، بیشک تو اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا"۔

تلاوت مصطفیٰ ﷺ کا انداز:

اللہ تعالیٰ نے نبی محترم ﷺ کو حسن صوت کے اعلیٰ وصف سے متصف فرمایا تھا۔ اور آپ ﷺ جب بڑی خوبصورت اور شیرینی آواز میں قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے تو سننے والے خوش ہو جاتے اور خواہش کرتے کہ آپ ﷺ قرآن حکیم پڑھتے رہیں اور ہم سنتے رہیں۔

سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مَیں نے خادم رسول جناب انس رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کی قراءت و تلاوت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"كَانَتْ مَدًّا ثُمَّ قَرَأَ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ يَمُدُّ بِبِسْمِ اللهِ، وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ، وَيَمُدُّ بِالرَّحِيمِ "(1)

"آپ ﷺ مد کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے۔ پھر جناب انس رضی اللہ عنہ نے

(1) صحیح بخاری، کتاب فضائل بالقرآن، باب مد القراءۃ: 5046

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ پڑھی اور بِسْمِ اللهِ اور الرَّحْمٰنِ اور الرَّحِيمِ کو لمبا کر کے پڑھا"۔

آپ ﷺ جب خوش الحانی، ترنم اور ٹھہراؤ کے ساتھ کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے خاص لطف و کرم اور مہربانی کے ساتھ خصوصی توجہ سے آپ کی تلاوت سنتا تھا۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

« مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ »[1]

"اللہ تعالیٰ نے اتنی توجہ سے کسی چیز کو نہیں سنا جتنی توجہ سے اس نے نبی کریم ﷺ کو خوش الحانی کے ساتھ بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا"۔

نبی مکرم ﷺ قرآن مجید کے ہر لفظ کو الگ الگ کر کے ترنم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی زبان نبوت سے قرآن کریم کی تلاوت سن کر لوگ مزید سننے کی تمنا کرتے تھے۔ مشہور تابعی جناب یعلیٰ بن مملک رحمۃ اللہ علیہ نے جب ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی نماز تہجد کی تفصیل اور قرآن مجید کی قراءت و تلاوت کے انداز کے بارے میں سوال کیا تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نماز تہجد کی رکعات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

"فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا"[2]

"آپ ﷺ کی قراءت واضح اور حرف حرف یعنی بالکل الگ الگ ہوتی تھی"۔

---

(1) صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول النبی ﷺ الماهر القرآن...:7544

(2) جامع ترمذی، کتاب ثواب القرآن، باب ما جاء کیف کانت قراءة النبی ﷺ:2923، قال الحافظ زبیر علی زئی، صحیح، المشکاۃ: 2204

ہماری مساجد کے ائمہ کرام خصوصاً رمضان المبارک میں نماز تراویح کے اماموں کو نبی مکرم ﷺ کی تلاوت قرآن مجید کے انداز اور طریقے پر خاص توجہ دینی چاہیے کہ ہمارا قرآن مجید پڑھنے کا انداز کیا ہے کہ سوائے معروف الفاظ و کلمات کے کسی لفظ کی سمجھ ہی نہیں آتی۔ الا ماشاء اللہ۔ مگر وہ ذات گرامی جس کے قلب اطہر پر رب العالمین کی طرف سے قرآن حکیم کو نازل فرمایا گیا۔ ان کا طریقہ تلاوت کیا تھا؟ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ. فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا»[1]

"اپنی آوازوں کے ساتھ قرآن مجید کو حسین بناؤ کیونکہ اچھی آواز قرآن مجید کے حسن میں اضافہ کرتی ہے"۔

محبوب مکرم ﷺ کے انداز تلاوت کو ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یوں بھی بیان فرمایا ہے:

« كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهُ يَقْرَأُ: {اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ} ثُمَّ يَقِفُ، {اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ} ثُمَّ يَقِفُ وَكَانَ يَقْرَؤُهَا: (مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ)»[2]

"رسول اللہ ﷺ قرآن حکیم کی قراءت ٹھہر ٹھہر کر الگ الگ کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ پڑھ کر وقف کرتے۔ پھر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ پڑھتے، پھر ٹھہر جاتے اور پھر مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پڑھتے"۔

آپ ﷺ کے اس عمل اور ارشادات کی روشنی میں ہم میں سے ہر شخص کو قرآن

---

(1) سنن دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب التغنی بالقرآن: 3544، قال المحقق سلیم اسد الدارانی، صحیح

(2) جامع ترمذی، کتاب القراءت عن رسول اللہ، باب فی فاتحة الکتاب: 2927، قال الالبانی، صحیح

حکیم کی تلاوت کرتے ہوئے جلد بازی کرنے اور افراتفری سے کام لینے کی بجائے بڑے اطمینان، وقار، سکون اور ٹھہر ٹھہر کر آرام سے اسے پڑھنا چاہیے۔ تلاوت کے آداب، قواعد اور شرائط کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اسے پڑھنے کے کچھ آداب ہیں جن کا خیال رکھنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

تلاوت مصطفیٰ کی تاثیر:

نبی اکرم ﷺ کی تلاوت میں اتنا سوز، گداز، خلوص، ٹھہراؤ، رِقت اور تاثیر تھی کہ اپنے تو درکنار آپ ﷺ کے جانی دشمن، مشن رسول کے بدترین مخالف اور لوگوں کو آپ ﷺ کے پاس آنے سے روکنے والے بھی آپ ﷺ کی پرسوز تلاوت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے حتی کہ آپ ﷺ کے کئی دشمن بھی لوگوں سے چھپ کر آپ ﷺ کی زبان رسالت سے قرآن مجید کی تلاوت سنا کرتے تھے۔ اس حوالے سے آپ ﷺ کی مکی زندگی کے ایک واقعہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ رات کو اپنے گھر میں قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے...... جس کی کچھ تفصیل ہم نے قیام اللیل میں تلاوت اور سونے سے قبل تلاوت کے ضمن میں بیان کی ہے..... قرآن مجید کا یہ اعزاز اور اعجاز ہے کہ جو شخص بھی اسے توجہ، غور اور انہماک سے سنے تو وہ اس کا اثر قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا بشرطیکہ قرآنی الفاظ کے معانی کو جانتا اور مفہوم کو سمجھتا ہو۔

قریش مکہ عربی زبان کے ماہر تھے اس لیے وہ برملا اعتراف اور اقرار کیا کرتے تھے کہ یہ کسی انسان یا جن کا کلام نہیں۔ مَا هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ۔ محسن عالم ﷺ کے قرآن پڑھنے میں ایسی تاثیر تھی کہ بعض سرداران قریش آپ ﷺ کی مخالفت، تعصب اور ہٹ دھرمی کے باوجود عام لوگوں سے چھپ کر آپ ﷺ کی تلاوت سنتے اور سر دھنتے تھے۔ ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریق۔ مکی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمنوں میں

سے تھے۔ لیکن یہ تینوں آپ ﷺ کی تلاوت قرآن مجید سننے کے شائق اور گرویدہ تھے۔ اور ایک دوسرے کو آگاہ کیے اور اطلاع دیے بغیر رات کی تاریکی میں آپ ﷺ کے درِ اقدس کے باہر کھڑے ہو کر زبان رسالت سے قرآن کریم کی تلاوت سُننا ان کا معمول تھا۔

''ایک مرتبہ یہ تینوں رات کے اندھیرے میں رسول اکرم ﷺ کے گھر کے باہر سحری کے وقت الگ الگ جگہ کھڑے ہو کر قرآن مجید کی تلاوت سننے کے بعد جب صبح کے قریب اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں اچانک ان تینوں کی ملاقات ہو گئی، ہر ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ ایمانداری سے بتاؤ، منہ اندھیرے کہاں سے آئے ہو؟ حقیقت حال معلوم ہونے کے بعد بڑے نادم، شرمندہ اور پشیمان ہوئے اور باہمی معاہدہ کیا کہ ہم میں سے کوئی آئندہ یہ حرکت نہیں کرے گا۔

جب رات ہوئی اور آپ ﷺ کی تلاوت کا وقت ہوا تو تینوں اپنی اپنی جگہ پر بے تاب و بے قرار ہو گئے اور ان میں سے ہر ایک نے یہ خیال کیا کہ معاہدے کے مطابق آج ان میں سے کوئی قرآن مجید کی تلاوت سننے کے لیے نہیں آئے گا۔ لہٰذا اگر میں آپ ﷺ کی تلاوت سے سکون حاصل کرنے کے لیے چلا جاؤں تو کسی کو علم نہیں ہو سکے گا۔ یہ سوچ کر تینوں اپنے گھروں سے نکلے اور کاشانہ رسول کے باہر اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ کر قرآن حکیم کی تلاوت سننے میں مشغول ہو گئے۔ علی الصبح جب گھروں کی طرف لوٹے تو پھر آپس میں ملاقات ہو گئی۔ اب پھر ایک دوسرے کو طعن ملامت کی اور پختہ عہد کیا کہ آئندہ کوئی اس ''جرم'' کا ارتکاب نہیں کرے''۔

حضرات! قرآن مجید کی تاثیر دیکھیے، کفار قریش کی دلچسپی پر غور فرمایئے اور اپنے عمل اور کردار کا جائزہ لیجیے۔ یہ مشرک، کافر، بے ایمان اور دشمن رسول ہیں مگر قرآن مجید کے الفاظ و کلمات اور رسول محترم ﷺ کے انداز تلاوت، حسن صوت اور خوش الحانی سے ایسے متاثر ہیں کہ اگلی رات رسول پاک سے قرآن حکیم کی تلاوت سننے کے لیے پھر

آپ ﷺ کے گھر کے باہر حاضر ہو جاتے ہیں۔ رات کو آیات ربانی کی تلاوت سے لطف اندوز ہونے کے بعد وقت واپسی راستے میں پھر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور خجالت وندامت کے باعث ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کا حوصلہ نہیں پاتے۔ آخر کار پھر پختہ معاہدہ کرتے ہیں کہ آئندہ کبھی آپ ﷺ کی زبان رسالت سے کلام الٰہی کی تلاوت نہیں سنیں گے۔

ابو جہل، ابو سفیان اور اخنس کا مکالمہ:

جب صبح ہوئی تو تاثیر قرآن کی وجہ سے تینوں اپنی اپنی جگہ بے چین، بے قرار اور پریشان تھے۔ آخر اخنس بن شریق نے ہمت کی اور لاٹھی ٹیکتا ہوا قریشی سردار ابو سفیان کے گھر پہنچ گیا اور اسے اس کی کنیت کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے ابو حنظلہ!

أَخْبِرْنِي يَا أَبَا حَنْظَلَةَ عَنْ رَأْيِكَ فِيمَا سَمِعْتَ مِنْ مُحَمَّدٍ؟

"مجھے بتاؤ کہ جو کلام تم نے محمد (ﷺ) سے سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"۔

ابو سفیان جو بڑا ذہین، دانا اور سمجھدار سردار تھا، اس نے بھی اخنس کو اس کی کنیت سے پکارا اور جواب دیا۔ اے ابو ثعلبہ!

وَ اللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْتُ أَشْيَاءَ أَعْرِفُهَا وَأَعْرِفُ مَا يُرَادُ بِهَا، وَسَمِعْتُ أَشْيَاءَ مَا عَرَفْتُ مَعْنَاهَا

"اللہ کی قسم! میں نے (زبان رسالت سے قرآنی الفاظ میں) بعض ایسی چیزیں سنی ہیں جنہیں میں جانتا ہوں اور ان کی مراد و مقصود کو سمجھتا ہوں اور میں نے کچھ چیزیں ایسی بھی سنی ہیں جن کے مفہوم کو میں نہیں جانتا"۔

ابو سفیان کی رائے سن کر اخنس پکار اٹھا۔

وَأَنَا الَّذِي حَلَفْتُ بِهِ كَذَالِكَ

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا بھی یہی خیال ہے"۔

ابو سفیان سے ملاقات اور اس کی رائے معلوم کرنے کے بعد اخنس بن شریق سیدھا ابو جہل کے گھر پہنچ گیا اور اس سے بھی یہی سوال کیا کہ اے ابو الحکم!

مَا رَأْيُكَ فِيمَا سَمِعْتَ مِنْ مُحَمَّدٍ؟

"جو کچھ تم نے محمد (ﷺ) سے سنا ہے اس کے متعلق تمہارا خیال کیا ہے؟"۔

ابو جہل نے اخنس کے سوال کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے کہا:

"میں نے کیا سنا ہے؟ اصل صورت حال یہ ہے کہ ہمارا اور بنو عبد مناف (رسول اکرم ﷺ کے خاندان) کے درمیان سرداری اور سربراہی کا جھگڑا تھا۔ وہ لوگوں کو کھانا کھلاتے تو ہم بھی عوام کی ضیافت کا اہتمام کرتے، وہ لوگوں کو سواریاں فراہم کرتے تو ہم بھی سواریاں مہیا کر دیتے، وہ لوگوں کو دولت سے نوازتے تو ہم بھی لوگوں میں مال تقسیم کر دیتے، وہ سخاوت کرتے تو ہم بھی فیاض بن جاتے۔ الغرض! دوڑ میں مقابلہ کرنے والے دو گھوڑوں کی طرح ہم ایک دوسرے سے مسابقت یعنی آگے بڑھ جانے کی کوشش کرتے۔ ہمارا آپس میں سخت مقابلہ جاری تھا کہ بنو عبد مناف نے اعلان کر دیا کہ ہم میں سے ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اس بات میں ہم ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟۔ اللہ کی قسم! ہم اس نبی پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے اور اس کی تصدیق بھی نہیں کریں گے"۔[1]

میں فی الوقت اس واقعہ سے یہ نتیجہ آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ رب العالمین نے رسول محترم ﷺ کو ایسی خوبصورت آواز سے نوازا اور تلاوت میں ایسی تاثیر رکھی تھی کہ رؤسائے قریش آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کے مخالف اور آپ کی دعوت کے دشمن ہو جانے کے باوجود آپ کی زبان حق ترجمان سے قرآن حکیم کی تلاوت سنتے اور سر دھنتے تھے۔

---

[1] السيرة لابن هشام، قصه إستماع قريش الىٰ قراءة النبى ﷺ، 1/315-316

طفیل بن عمرو دوسی اور تلاوت مصطفےٰ ﷺ:

رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں یمن کے علاقے ''جبل السراۃ'' کے قریب ایک قبیلہ آباد تھا جسے قبیلہ دوس کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ حافظ حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور جناب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔

جناب طفیل رضی اللہ عنہ ایک شریف النفس، مہمان نواز، انتہائی ذہین و فطین اور قادر الکلام شاعر تھے۔ وہ قبول اسلام سے قبل کسی کام کی غرض سے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو قریش کے کچھ لوگوں نے ان سے بطور خاص ملاقات کی اور ان سے ہمدردی اور خیر خواہی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اے طفیل! آپ ہمارے شہر میں بطور مہمان تشریف لائے ہیں اس لیے آپ کو مقامی حالات سے آگاہ کرنا ہماری اخلاقی ذمہ داری ہے لہٰذا آگاہ رہیے کہ:

> ''یہاں محمد (ﷺ) نامی ایک شخص رہتا ہے جس نے ہمیں از حد پریشان کر رکھا ہے اس نے ہماری اجتماعیت کو منتشر اور ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ اس کی باتوں میں جادو جیسی تاثیر ہے اور اس نے یہاں ایک نیا دین ایجاد کر رکھا ہے ۔ ہم آپ اور آپ کی قوم کے بارے میں بڑے فکر مند ہیں کہ کہیں آپ اس مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں، اس لیے ہمارا مخلصانہ اور ہمدردانہ مشورہ ہے کہ آپ اس شخص (محمد ﷺ) سے قطعاً ملاقات نہ کریں، اس سے ہم کلام نہ ہوں اور اس کی باتیں ہرگز نہ سنیں''۔

جناب طفیل رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! وہ مجھے مسلسل یہی باتیں سمجھاتے رہے حتیٰ کہ میں نے پختہ عزم کر لیا کہ میں آپ ﷺ سے کسی صورت ملاقات نہیں کروں گا اور کبھی بھی آپ کی باتیں نہیں سنوں گا۔ میری بدگمانی یہاں تک پہنچ گئی کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ اگر ''اس شخص'' سے اتفاقاً آمنا سامنا ہو جائے تو ''اس کی آواز'' نہ سن سکوں۔ دوسرے دن جب میں حرم شریف میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کے قریب کھڑے نماز پڑھ رہے تھے میں بھی ان کے پاس جا کر کھڑا ہو

گیا۔ کانوں میں روئی ٹھونسنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ ﷺ کی باتیں سنوانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ میں نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے (قرآن حکیم کے) چند خوبصورت کلمات اور جملے سن کر اپنے آپ سے کہا:

أَنِّي لَرَجُلٌ لَبِيبٌ شَاعِرٌ مَا يَخْفٰى عَلَيَّ الْحَسَنُ مِنَ الْقَبِيحِ فَمَا يَمْنَعُنِي مِنْ أَنْ أَسْمَعَ مِنْ هٰذَا الرَّجُلِ مَا يَقُولُ فَإِنْ كَانَ الَّذِي يَأْتِي بِهِ حَسَنًا قَبِلْتُ وَإِنْ كَانَ قَبِيحًا تَرَكْتُ

"میں ایک دانا اور باشعور شاعر ہوں۔ اچھائی اور برائی میں بخوبی تمیز اور فرق کر سکتا ہوں، میرے لیے اس شخص کی بات سننے میں کیا رکاوٹ ہے؟ مجھے اس کا کلام سننا چاہیے، اگر اچھا معلوم ہوا تو قبول کر لوں گا اور اگر برا ہوا تو چھوڑ دوں گا"۔

چنانچہ دل ہی دل میں یہ فیصلہ کرنے کے بعد جناب طفیل کانوں سے روئی نکال کر وہاں کھڑے رسول محترم ﷺ کی زبان نبوت سے کلام الٰہی سنتے رہے تا آنکہ جب آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو جناب طفیل بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ جب رسول اکرم ﷺ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو جناب طفیل بھی اجازت لے کر اندر داخل ہو گئے۔ جناب طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خدمت نبوی میں عرض کی:

إِنَّ قَوْمَكَ قَدْ قَالُوا لِي كَذَا وَ كَذَا، وَإِنِّي شَاعِرٌ فَاسْمَعْ مَا أَقُولُ

"آپ کی قوم نے آپ کے بارے میں مجھے یہ یہ باتیں بتائی تھیں اور میں ایک شاعر ہوں، آپ میری بات بغور سماعت فرمائیں"۔

پھر انہوں نے کفار قریش کی "سمجھائی" ہوئی ساری باتیں آپ ﷺ کے روبرو بیان کر دیں اور آخر میں کہا کہ اس سب کچھ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی بات سنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا، میں نے آپ سے کلام ربانی کے چند جملے سنے جو مجھے پسند آئے ہیں۔ ازراہ کرام، ذرا وضاحت سے میرے سامنے اپنا دین پیش فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں قرآن مجید پڑھنے لگا ہوں، توجہ سے سنو"۔

اب طفیل پوری طرح متوجہ ہو کر باادب بیٹھ جاتے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ قرآن حکیم کی تلاوت شروع فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا:

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ، اِلٰى آخِرِهَا..... وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اِلٰى آخِرِهَا...... وقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ......

"میں شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو از حد رحم کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ پھر آپ ﷺ نی سورۃ اخلاص، فلق اور ناس کی مکمل تلاوت فرمائی"۔

جناب رسول اکرم ﷺ اپنی خوبصورت آواز میں قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے اور طفیل بن عمرو پوری توجہ سے سماعت کر رہے تھے، جب آپ ﷺ ان تینوں سورتوں کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو جناب طفیل پکار اٹھے۔

فَلَا وَاللهِ مَا سَمِعْتُ قَوْلًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ وَلَا أَمْرًا أَعْدَلَ مِنْهُ

"اللہ کی قسم! میں نے آج تک اس سے زیادہ خوبصورت کلام نہیں سنا اور نہ کبھی اس سے زیادہ عدل وانصاف والے دین سے آگاہ ہوا ہوں"۔

جناب طفیل رضی اللہ عنہ زبان رسالت مآب سے قرآن مجید کی تلاوت سن کر ایسے متاثر ہوئے کہ اسی وقت کلمہ پڑھ کر مومن اور مسلمان ہو گئے۔ سبحان اللہ [1]

تلاوت مصطفیٰ کا جنّات پر اثر:

اللہ رب العزت نے ہمارے آقا ﷺ کی تلاوت قرآن مجید میں ایسی تاثیر پیدا فرمائی تھی کہ انسان تو انسان اگر جنات آپ ﷺ کی زبان اقدس سے قرآن مجید سن لیتے تو وہ بھی

---

[1] سبل الهدى والرشاد فى سيرة خير العباد، الباب الثانى والعشرون فى اسلام الطفيل...، 1/417

مسلمان ہو جاتے اور آپ ﷺ کے امتی ہونے کا اعزاز حاصل کر لیتے۔ آپ ﷺ کی مکی زندگی میں جنات کے قرآن مجید سننے کے تین واقعات پیش آئے، ایک آغاز بعثت کے ایام میں اور دوسرا طائف سے واپسی پر۔ اور تیسرا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہمراہ۔

آیئے! زبان رسالت سے جنات کے قرآن حکیم سننے اور تلاوت مصطفیٰ ﷺ سے متاثر ہو کر قبول اسلام کی سعادت حاصل کرنے کے واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ترجمان القرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ اپنے چند رفقاء کے ہمراہ سوق عکاظ (مکہ مکرمہ سے طائف کی طرف جاتے ہوئے ایک میدان جہاں عربوں کا مشہور میلہ لگتا تھا) کی طرف جا رہے تھے تو اس وقت شیاطین اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی اور شیاطین پر آسمان سے انگارے برسائے جانے لگے۔ (اس سے پہلے جنات آسمان کی طرف جاتے تھے اور وحی کی بعض باتیں سن لیا کرتے تھے۔ کوئی ایک کلمہ سن کر اس میں نُو باتوں کا اپنی طرف سے اضافہ کر لیتے تھے۔ جو بات وہ آسمان سے سنتے وہ تو حق ہوتی لیکن ان کی اپنی طرف سے شامل شدہ باتیں سراسر جھوٹ اور باطل ہوتی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد ان کے راستے مسدود کر دیے گئے، اگر کوئی شیطان آسمان کی طرف چڑھنے کی کوشش کرتا تو اس پر آگ کے انگارے پھینکے جاتے تھے۔[1] جب آسمانی باتیں سننے کے لیے جانے والے شیاطین ناکام و نامراد واپس لوٹے تو اپنے ساتھیوں کے سوال کے جواب میں انہیں آگاہ کیا کہ اب آسمان کی خبروں اور ہمارے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ہے اور اگر ہم آگے بڑھنے کی کوشش کریں تو ہم پر آسمان سے آگ کے انگارے برسائے جاتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ یہ رکاوٹ کسی اہم واقعہ کی وجہ سے کھڑی کی گئی ہے۔ لہٰذا تم

---

(1) جامع ترمذی، حدیث: 3224 قال الالبانی، صحیح

زمین کے مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ اور معلوم کر کے آؤ کہ کیا واقعہ رونما ہوا ہے۔ چنانچہ شیاطین کے مختلف گروہ مشرق و مغرب کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ کسی اہم اور نئے حادثے کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔ جنات کا ایک گروہ تہامہ کے پہاڑوں کی طرف بھی آیا۔ یہ جگہ مکہ معظمہ سے ایک دن کی مسافت پر ہے جہاں رسول اکرم ﷺ عکاظ کی طرف جاتے ہوئے کھجوروں کے باغ کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ یہاں "وادی نخلہ" میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز فجر پڑھا رہے تھے۔ (سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ ان جنات کی تعداد نو(9) تھی۔)[1] جب جنات نے نماز فجر پڑھاتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کی زبان حق ترجمان سے قرآن حکیم کی تلاوت سنی تو کلام الٰہی سے متاثر ہو کر پکار اٹھے کہ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے تمہارے اور آسمانی چیزوں کے درمیان رکاوٹ ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد جب وہ اپنی قوم کی طرف واپس گئے تو انہیں بتایا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ پس ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے"۔[2]

آپ نے غور فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کی تلاوت قرآن مجید نے یہ اثر دکھایا کہ جنات بھی تلاوت مصطفیٰ کو سن کر مسلمان ہو گئے اور انہوں نے اپنے ساتھیوں کو اپنے سفر کی جو رپورٹ پیش کی، اللہ رب العزت نے اس کا قرآن بنا کر محبوب مکرم ﷺ پر نازل فرما دیا۔ ارشاد ہوا:

﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا

---

(1) المستدرک للحاکم: 3701،قال المحقق مصطفیٰ عبدالقادر عطا،صحیح

(2) صحیح بخاری ، کتاب التفسیر ، سورۃ قل اوحی الی....: 4921

عَجَبًا ۙ یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَ لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا ۙ وَّ اَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴾ (الجن: 1-4)

''کہہ دیجیے (اے نبی ﷺ) میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن مجید کو) غور سے سنا تو انہوں نے کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے، وہ تو رشد وہدایت کا راستہ دکھاتا ہے۔ ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم آئندہ کسی کو بھی اپنے پروردگار کا شریک نہیں بنائیں گے۔ اور ہمارے رب کی شان تو بڑی بلند ہے۔ اس نے نہ تو اپنی بیوی بنائی ہے اور نہ اولاد، اور یہ کہ ہمارا بے وقوف شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق جھوٹی باتیں بناتا رہتا ہے''۔

طائف سے واپسی پر جنات کا تلاوت سننا:

اعلان نبوت کے دسویں سال رسول محترم ﷺ کے ہمدرد چچا ابو طالب اور آپ کی رفیقہ حیات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد جب مشرکین مکہ کے ظلم وستم میں اضافہ ہو گیا تو آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو خیر باد کہہ کر کسی دوسرے شہر کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ آپ ﷺ توحید الٰہی کی تبلیغ کی خاطر شوال 10 نبوی میں طائف تشریف لے گئے۔ اس تبلیغی سفر میں آپ کے آزاد کردہ غلام اور صحابی سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔

آپ ﷺ ایک مہینہ یا دس دن طائف میں مقیم رہے اور وہاں کے سرداروں اور عوام کو پیغام الٰہی سناتے رہے مگر کوئی شخص بھی دعوت حق کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوا بلکہ طائف کے باشندوں نے پتھر مار مار کر آپ ﷺ کو لہولہان کر دیا۔ آخر آپ ﷺ نے اہل طائف کے وحشیانہ سلوک سے تنگ آکر مکہ کی راہ لی اور ''وادی نخلہ'' میں پہنچ کر چند دن

یہاں قیام فرمایا۔

وادی نخلہ میں ہی ایک رات آپ ﷺ نماز پڑھ رہے اور نماز میں حسن صوت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے کہ وہاں سے "نصیبین" (یہ شہر جنوبی ترکی میں شامی سرحد پر واقع ہے۔) کے سات (7) جنات کا گزر ہوا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی تلاوت کو غور اور توجہ سے سنا تو تاثیر تلاوت کے باعث سعادت اندوز اسلام ہو گئے۔ اور اپنی جماعت میں جا کر توحید کے مبلغ اور دین کے داعی بن گئے۔ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی جنات کی آمد، سماعت و تاثیر قرآن، ان کے قبول اسلام اور دعوتی سرگرمیوں سے آگاہ کیا گیا۔

ارشاد ہوا:

﴿وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝﴾

(الاحقاف:29-32)

"اور یاد کیجیے وہ واقعہ جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف پھیر دیا یعنی متوجہ کر دیا جب وہ غور سے قرآن مجید سن رہے تھے، پھر جب وہ اس (قرآن مجید) کی تلاوت سننے کی خاطر حاضر ہوئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ خاموش رہو۔ چنانچہ جب (تلاوت) ختم ہو گئی تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹ گئے۔ انہوں نے (اپنی قوم سے) کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے۔ وہ کتاب اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف اور

صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کی بات قبول و تسلیم کرلو اور اس پر ایمان لے آؤ تو وہ (اللہ تعالیٰ) تمہارے لیے تمہارے سارے گناہ معاف فرما دے گا۔ اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے داعی کی بات قبول نہیں کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حمایتی (معاون و مددگار) نہیں ہوں گے۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں"۔[1]

حضرات! اگر ہم اپنے معاشرے کی اصلاح اور پاکیزہ اور خوش گوار زندگی کے خواہش مند ہیں تو ہمیں قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اس کی تلاوت کو حرز جان بنانا ہوگا۔ اس کے مطالب اور معانی کو سمجھنا ہو گا اور اس کے احکام پر پوری طرح عمل کرنا ہو گا۔ دعوت دین کا نبوی فریضہ انجام دینے والے علماء کرام، خطباء عظام اور مبلغین کرام کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید کا مطالعہ بڑی گہرائی کے ساتھ کریں اور اپنی تقاریر و خطابات میں قرآنی آیات کی بکثرت تلاوت کریں اور عوام کو تفسیری نکات سے آگاہ کر کے ان کے عقائد و اعمال کو درست کرنے کی سنجیدہ کوشش کریں۔ اللہ رب العزت ہمیں قرآن مجید سے تعلق مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

مسجد جن کی حقیقت:

ہمارے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ طائف سے واپسی پر جہاں جنات نے نبی مکرم ﷺ کی زبان اقدس سے قرآن مجید کی تلاوت سن کر اسلام قبول کیا تھا، وہاں مسجد تعمیر کر دی گئی ہے جس کا نام "مسجد جن" ہے۔ جبکہ تاریخی اعتبار سے یہ بات درست نہیں ہے۔ مسجد جن جس جگہ واقع ہے وہاں آپ ﷺ نے جنوں کو قرآن حکیم سنایا تھا مگر یہ واقعہ طائف سے واپسی کا نہیں ہے بلکہ اس وقت آپ کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

[1] السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلداول، امرا لجن الذین استمعوا لہ و آمنو بہ، ص:421

تھے۔ گویا آپ ﷺ کی زبان رسالت سے جنات کے قرآن عزیز سننے کا یہ تیسرا واقعہ ہے۔ جسے جناب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یوں بیان فرمایا ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی اور میرا ہاتھ پکڑ کر بطحاء مکہ کی طرف چل پڑے۔ آپ ﷺ نے مجھے وہاں بٹھا دیا اور میرے چاروں طرف لکیر کھینچتے ہوئے فرمایا:

لَا تَبْرَحَنَّ خَطَّكَ فَإِنَّهُ سَيَنْتَهِي إِلَيْكَ رِجَالٌ فَلَا تُكَلِّمْهُمْ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَلِّمُونَكَ

"اپنی اس لکیر سے باہر نہ نکلنا، تیرے پاس کچھ لوگ آئیں گے، تم ان سے کوئی بات نہ کرنا تو وہ تجھے کچھ نہیں کہیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے جہاں جانا تھا وہاں تشریف لے گئے اور میں اپنے گرد کھینچی ہوئی لکیر کے اندر بیٹھا تھا کہ اچانک میرے پاس کچھ لوگ آئے جو شکل وصورت، بالوں اور جسمانی لحاظ سے جاٹوں کی طرح تھے۔ مجھے نہ تو ان کا ستر نظر آتا تھا اور نہ چمڑا۔ وہ میری طرف آتے تھے لیکن لکیر سے آگے نہیں بڑھتے تھے، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے گئے۔ جب رات کا آخری پہر ہوا تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میں لکیر کے اندر ہی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَقَدْ أَرَانِي مُنْذُ اللَّيْلَةَ انہوں (جنات) نے مجھے ساری رات جگائے رکھا (اور مجھ سے قرآن مجید سنتے رہے) پھر آپ ﷺ لکیر کے اندر داخل ہو گئے اور میری ران پر سر رکھ کر لیٹ گئے.... الیٰ آخرہ"۔[1]

حضرات! تلاوت مصطفیٰ ﷺ کی تاثیر کے باعث مسلمان ہونے والوں کی ایک طویل فہرست ہے جس کا احاطہ ایک مضمون میں ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، بس آخری گزارش یہی ہے کہ رسول محترم ﷺ کی سیرت اور سنت پر عمل کرتے ہوئے کتاب الٰہی

---

[1] جامع ترمذی، کتاب الامثال، باب ما جاء فی مثل اللہ لعبادۃ: 2861،قال الالبانی ، حسن صحیح

کے ساتھ جڑ جایئے۔ اس کی تلاوت کیجیے۔ ترجمہ پڑھیے، تفاسیر کا مطالعہ فرمایئے اور اس بے مثل و بے مثال اور آخری کتاب کے اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہو جایئے تو ان شاء اللہ العزیز دنیا بہتر ہو جائے گی۔ قبر جنت کا باغ بن جائے گی، روز حشر شفاعت رسول نصیب ہو گی، حوض کوثر کا جام ملے گا اور جنت کا داخلہ عطا ہو جائے گا۔۔اِنْ شَآءَاللّٰہُ

سچ فرمایا، اللہ رب العالمین نے کہ:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے"۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

10

قناعتِ مصطفےٰ ﷺ

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

تعریفات وتسبیحات اور مجد و بزرگی کے تمام کلمات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لیے جو ساری کائنات کا خالق ومالک اور حاکم ورازق ہے۔ وہ اپنی ذات وصفات اور اختیارات وکمالات میں واحد، یکتا اور تنہا واکیلا ہے، وہی زندگی بخشنے والا اور موت سے دوچار کرنے والا ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک اور بے مثل وبے مثال ہے۔ اس کی کوئی بیوی، بیٹا، بیٹی، بہن، بھائی اور ماں باپ نہیں ہے۔ وہ احد، صمد اور وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ہے۔

لاتعداد وبے شمار اور ان گنت وبے حساب درود وسلام سید الرسل، خاتم الرسل اور امام الرسل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات کے لیے جنہیں رب العالمین نے رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا اور انہیں پوری انسانیت کے لیے رہبر ورہنما اور مطاع ومقتدا بنایا۔ جن پر اللہ رب العزت اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور تمام اہل ایمان کو ان پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قارئین کرام کو معلوم ہے کہ ہم قرآن حکیم کی سورۃ الاحزاب سے آیت اکیس کی روشنی میں محبوب مکرم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ کے مختلف

پہلوؤں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ اور اس سے ہمارا مقصد مسلمانوں کو بالعموم اور اپنے سامعین و قارئین کو بالخصوص آپ ﷺ کی سیرت پاک اور اسوہ حسنہ پر عمل کی رغبت دلانا اور زندگی کے تمام معاملات و معمولات کو رسول کریم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق بنانے کی تلقین و تاکید کرنا ہے۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی اور کامرانی آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو اپنانے اور آپ ﷺ کے فرامین و احکام پر عمل کرنے میں ہے۔ آج امت کی زبوں حالی بے کسی اور بے بسی کی ایک بہت بڑی وجہ سیرت سے بے اعتنائی اور احادیث رسول کی نافرمانی اور حکم عدولی ہے۔ اللہ تعالیٰ پوری امت کو اسوہ رسول پر عمل کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

قناعت کا معنی اور مفہوم:

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ محسن عالم، رہبر کامل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت میں دنیا کے ہر فرد و بشر کے لیے رہنمائی، سبق اور درس موجود ہے۔ اور از اول تا آخر صرف اور صرف آپ ﷺ کی ذات ہی وہ واحد شخصیت ہیں جن کی سیرت سے ہر انسان اپنے حالات و ظروف کے مطابق رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: 21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے"۔

ہمارے رسول ﷺ کی سیرت مقدسہ جس طرح دوسرے معاملات میں ہمارے لیے قدوہ، اسوہ اور نمونہ ہے اسی طرح "قناعت و سادگی" میں بھی ہمارے آقا علیہ السلام کی سیرت ہمارے لیے اسوہ حسنہ اور نمونہ کاملہ ہے۔ آیئے! معلوم کرتے ہیں کہ "قناعت" کیا ہوتی ہے؟

"بغیر حرص و طمع اور لالچ کے، اللہ تعالی کی طرف سے جو کچھ حاصل ہو جائے، اس پر راضی رہنے، اسی پر گزارا کرنے اور دنیوی مال و دولت اور منصب سے بے رغبتی کا نام "قناعت" ہے"۔

قرآن مجید میں قربانی کے گوشت کی تقسیم کا اصول بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ﴾ (الحج:36)

"پس تم اس (قربانی کے گوشت) میں سے خود کھاؤ اور قناعت پسند اور سوالی کو بھی کھلاؤ"۔

اس آیت کریمہ میں "قانع" یعنی قناعت پسند کی تعریف کرتے ہوئے ترجمان القرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"الْقَانِعُ: الْمُسْتَغْنِي بِمَا أَعْطَيْتَهُ، وَهُوَ فِي بَيْتِهِ...الْقَانِعُ: الْمُتَعَفِّفُ"[1]

"قناعت پسند سے مراد وہ شخص ہے جسے گھر بیٹھے آپ جو کچھ دے دیں وہ اسی سے مستغنی ہو جائے........ اور "القانع" سے مراد سوال نہ کرنے والا ہے"۔

بعض اہل علم نے قناعت کی حقیقت یوں بیان فرمائی ہے کہ:

"بندہ مومن کے لیے اللہ تعالی کے پاس جو ابدی نعمتیں اور سرمدی راحتیں ہیں، انہیں حاصل کرنے کی خاطر دنیا کے سامان عیش و عشرت سے دستبردار ہو جانے کو زہد و قناعت کہا جاتا ہے اور اس دشوار ترین راہ کے مسافر کو زاہد و قانع کہتے ہیں"۔

ان تعریفات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قناعت کا اسلامی مفہوم یہ ہے کہ:

"اللہ تعالی کی تقسیم و عطا پر راضی رہا جائے اور دوسروں کے مال و متاع پر نظر

---

(1) تفسیر ابن کثیر، سورۃ الحج، آیت: 36

نہ رکھی جائے"۔

ایسی قناعت، صداقت ایمان کی علامت، عزت نفس کی ضامن اور کبھی ختم نہ ہونے والا خزانہ ہے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ» (1)

"مال و متاع کی کثرت تونگری نہیں ہے بلکہ دل کا غنی ہونا اصل مال داری ہے"۔

قناعت، اختیاری تھی یا اضطراری:

ہمارے محبوب جناب محمد مصطفیٰ ﷺ دوسری صفات حمیدہ کی طرح قناعت و زہد، ورع و تقویٰ اور سادگی و کفایت شعاری کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے بلکہ زاہدین و قانعین اور متقین کے امام اور پیشوا تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منصب نبوت و رسالت کے ساتھ دنیا کی ہر نعمت سے نوازا تھا، دنیا کی خزانے آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دیے گئے تھے اور مال و دولت کی فراوانی تھی مگر آپ ﷺ نے رضائے الٰہی اور خوشنودی خدا کی خاطر قناعت و زہد اور سادگی کی زندگی اختیار کی اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔ اگر آپ چاہتے تو لاکھوں، کروڑوں کے مالک ہو سکتے تھے۔ عیش و عشرت اور آسودگی والی زندگی گزار سکتے تھے مگر آپ ﷺ نے ایسا طریقہ اور طرز عمل اختیار نہیں کیا بلکہ قدرت و طاقت اور صلاحیت و استطاعت کے باوجود عسرت و تنگ دستی کو پسند فرمایا اور ہمیشہ قناعت و سادگی کو وطیرہ بنایا۔

یہاں اس امر کی وضاحت از حد ضروری ہے اور یہ بات ہمیشہ کے لیے قلب و ذہن میں محفوظ رہنی چاہیے کہ نبی محترم ﷺ نعوذ باللہ فقر و فاقہ، تنگ دستی اور غربت و افلاس کی زندگی پر مجبور نہیں تھے بلکہ آپ ﷺ نے عمداً، قصداً اور ارادۃً عیش و آرام کی بجائے

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الغنی غنی النفس: 6446

زہد و قناعت کو اختیار اور پسند فرمایا تاکہ قربِ الٰہی سے مالا مال اور اخروی نعمتوں سے سرفراز ہوں۔ چنانچہ خادمِ رسول جناب انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ بارگاہ الٰہی میں یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِينًا وَأَمِتْنِي مِسْكِينًا وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

"اے میرے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھنا، مسکین ہی فوت کرنا اور روز قیامت مجھے مسکینوں کی جماعت میں ہی اٹھانا"۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اس دعا کی وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّهُمْ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِأَرْبَعِينَ خَرِيفًا. يَا عَائِشَةُ لَا تَرُدِّي الْمِسْكِينَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ. يَا عَائِشَةُ أَحِبِّي الْمَسَاكِينَ وَقَرِّبِيهِمْ فَإِنَّ اللهَ يُقَرِّبُكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[1]

"کیونکہ وہ (مساکین) مال داروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اے عائشہ! کسی مسکین کو خالی ہاتھ نہ لوٹانا، اگر کھجور کا ایک ٹکڑا میسر ہو تو وہی اسے دے دینا، اے عائشہ! مساکین سے محبت کیا کرو۔ اور انہیں اپنے قریب رکھا کرو۔ پس اللہ تعالیٰ (اس کے بدلے میں) قیامت کے روز تمہیں اپنا قرب نصیب فرمائے گا"۔

یہ حدیث مبارکہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی قناعت پسندی اور فقر اضطراری نہیں بلکہ اختیاری تھا اور آپ ﷺ نے جان بوجھ کر دنیاوی عیش و آرام کو رضائے الٰہی کی خاطر پائے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ اگر آپ ﷺ پسند فرماتے تو عرب کے پہاڑوں کو آپ کے لیے سونا بنایا جا سکتا تھا، مگر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اتنے ہی رزق کا

---

(1) جامع ترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء ان فقراء المھاجرین ....:2352، قال الالبانی، صحیح

مطالبہ کیا جس سے زندگی کی گاڑی چلتی رہے اور محض گزارہ ہوتا رہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوتًا»[1]

"اے اللہ! آل محمد ﷺ کو صرف گزارے مطابق ہی رزق عطا فرما"۔

معروف مصنف، محقق اور سیرت نگار قاضی سید محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف "رحمۃ للعالمین" جلد اول کے آخر میں ایک قصیدہ بزبان فارسی تحریر فرمایا ہے۔ اس کے ایک شعر میں بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا قناعت و فقر کو پسند کرنا کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی مرضی سے تھا۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

گزید فقر کہ فرماں روائے مُلکِ ابد
بمشت خاک ندارد ہوائے سلطانی

"آپ ﷺ نے اپنی مرضی سے دولت و ثروت کو ٹھکرا کر فقر کو اختیار فرمایا کیونکہ آپ ایسے ملک کے بادشاہ ہیں جو ہمیشہ رہے گا۔ جس کی بادشاہی کا یہ عالم ہو، وہ ایک مشت خاک پر حکومت کرنے کا خیال کیسے کر سکتا ہے؟"۔

اس کے علاوہ کتبِ احادیث میں ایسے متعدد واقعات بھی موجود ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب آپ کے عیش و آرام کے لیے اسباب فراہم کرنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ایسی ہر پیش کش کا انکار کر دیا اور اپنی سہولت کی خاطر سامان راحت مہیا کرنے کی اجازت نہیں دی جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

«نَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حَصِيرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِي جَنْبِهِ. فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ لَوِ اتَّخَذْنَا لَكَ وِطَاءً. فَقَالَ: مَا لِي وَلِلدُّنْيَا. مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب في الكفاف والقناعة: 1055

رَاحَ وَتَرَكَهَا»[1]

”رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر سوئے ہوئے تھے، جب آپ ﷺ اٹھے تو آپ کے جسم پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے تھے۔ تو ہم نے عرض کی، اے اللہ رسول ﷺ! اگر آپ اجازت فرمائیں تو ہم آپ کے لیے نرم بستر کا انتظام کر دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرا دنیا سے کیا تعلق ہے؟ میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی مسافر کسی درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر کے لیے رکتا ہے اور پھر کوچ کر جاتا ہے اور اس درخت کو وہیں چھوڑ جاتا ہے“۔

زہد و قناعت کی اعلیٰ مثال:

ہمارے رسول ﷺ کی ذاتی زندگی زہد، قناعت اور سادگی کا اعلیٰ نمونہ اور بہترین مثال تھی۔ آپ ﷺ ہر طرح کے ناز و نخرے، فخر و غرور اور تکلفات و تصنعات سے پاک بلکہ بیزار تھے، سرکار دو عالم ﷺ کی خوراک انتہائی سادہ اور مختصر ہوتی تھی، جو کچھ بآسانی میسر آتا، تناول فرمالیتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے بلکہ بسا اوقات آپ ﷺ اور آپ کے اہل خانہ کئی کئی دن صرف کھجوروں پر گزارا کرتے تھے جیسا کہ زوجہ رسول ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے جناب عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ”قناعت رسول“ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”اے میری بہن کے بیٹے! آپ ﷺ کے عہد مبارک میں ہمارے خورد و نوش کی کیفیت یہ تھی کہ بعض اوقات دو دو مہینے گزر جاتے اور رسول اکرم ﷺ (کی ازواج) کے گھروں میں کھانا پکانے کے لیے آگ نہیں جلتی تھی“۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے جناب عروہ رحمۃ اللہ علیہ آپ ﷺ کے فقر، زہد اور قناعت کی یہ حالت جان کر بڑے افسردہ ہوئے اور حیران ہو کر اپنی خالہ محترمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا:

---

[1] جامع ترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی اخذ المال: 2377، قال الالبانی، صحیح

«يَا خَالَةُ: مَا كَانَ يُعِيشُكُمْ ؟»

"اے خالہ جان! پھر آپ لوگوں کا گزارہ کیسے ہوتا تھا؟"۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

«الأَسْوَدَانِ: التَّمْرُ وَالمَاءُ، إِلَّا أَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِيرَانٌ مِنَ الأَنْصَارِ، كَانَتْ لَهُمْ مَنَائِحُ، وَكَانُوا يَمْنَحُونَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَلْبَانِهِمْ، فَيَسْقِينَا» [1]

"دو کالی چیزوں یعنی کھجور اور پانی پر گزارہ کرتے تھے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کے چند پڑوسی انصاری تھے جن کے پاس دودھ دینے والی بکریاں تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ کا تحفہ بھیجا کرتے تو آپ ﷺ ہمیں بھی پلا دیا کرتے تھے"۔

آپ غور فرمائیں یہ اس رسول ﷺ کی سیرت ہے جنہیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے تمام انسانوں میں سب سے افضل، اعلیٰ اور اشرف بنا کر ایسی قناعت، صبر اور توکل عطا فرمایا کہ مسجد نبوی میں مال غنیمت کے ڈھیر لگے ہوتے اور اسے لوگوں میں دھڑا دھڑ تقسیم کیا جا رہا ہوتا مگر خود کئی کئی دن بھوک برداشت کرتے ہیں اور خاندان رسول بھی فقر اور تنگ دستی کی زندگی گزارتا ہے۔ ماہر القادری نے کیا خوب کہا ہے:

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دست گیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الھبة و فضلھا: 2567

سلام اس پر جو سچائی کی خاطر دکھ اٹھاتا تھا
سلام اس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا

سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی

رسول اکرم ﷺ کی زندگی قناعت و سادگی کا بہترین نمونہ تھی۔ اشیاء خورد و نوش کی قلت عام معمول تھا اور کئی کئی دن کھانے کے لیے کوئی چیز موجود نہیں ہوتی تھی مگر آپ ﷺ صابر، قانع اور شاکر رہتے تھے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا وَأَهْلُهُ لَا يَجِدُونَ عَشَاءً وَكَانَ أَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيرِ»[1]

"رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل خانہ کئی کئی دن مسلسل بھوکے رہتے تھے، انہیں شام کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا اور اکثر جو کی روٹی پر گزارہ کرتے تھے"۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«لَقَدْ مَاتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَمَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَزَيْتٍ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ»[2]

"رسول اللہ ﷺ نے وفات تک ساری زندگی کبھی دن میں دو بار روٹی اور تیل نہیں کھایا"۔

آپ ﷺ کے خادم انس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے زہد و قناعت اور کھانے پینے میں سادگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

«مَا أَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا مُرَقَّقًا. وَلَا شَاةً

---

(1) جامع ترمذي، كتاب الزهد، باب ما جاء في معيشة النبي ﷺ و اهله: 2360، قال الالباني: حسن
(2) صحيح مسلم، كتاب الزهد: 2974

مَسْمُوطَةً حَتَّى لَقِيَ اللّٰهَ»[1]

"نبی اکرم ﷺ نے کبھی میدے کی باریک چپاتی اور بھنی ہوئی بکری تناول نہیں فرمائی، یہاں تک کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے دنیا سے رخصت ہو گئے"۔

نہ سوال، نہ رغبت، نہ حرص:

عقیدے اور عقیدت کی یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ کائنات ہست و بود میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بعد سب سے بلند وبالا ہستی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ طبقہ انسانی کے ہر فرد و بشر کے لیے بہترین نمونہ اور اسوہ حسنہ ہے۔ زہد و قناعت اور فقر و سادگی کے حوالے سے آپ ﷺ کی سیرت پاک سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی میں عیش و آرام، مال داری اور تونگری کا کوئی نام و نشان نہیں ہے اور حیران کن امر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے کسی دور میں ایسا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نظر نہیں آتا کہ آپ ﷺ نے زندگی کی سہولت اور آرام کی خاطر کسی سے کسی چیز کا سوال کیا ہو، کسی کے مال کو حریصانہ نظر سے دیکھا ہو یا تقسیم الٰہی پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہو۔

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح سے قبل آپ ﷺ ان کا کثیر مال لے کر تجارت کے لیے شام تشریف لے جاتے، آپ ﷺ کی صداقت، امانت، عہد کی پاسداری اور دیگر تجارتی اصولوں کے باعث اللہ تعالیٰ بہت زیادہ نفع عطا فرماتا مگر آپ ﷺ نے اس مال کی طرف کبھی رغبت اور توجہ نہیں فرمائی۔ اسی طرح مدنی زندگی میں فتوحات کے بعد مال غنیمت کے خزانے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے جاتے مگر آپ ان خزانوں کو اپنے پاس رکھنے کی بجائے غرباء، مساکین، محتاجوں، ضرورت مندوں اور عام مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاطعمة، باب الخبز المرقق:5385

رسول مکرم ﷺ کی سیرت پاک کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ اور ازواج مطہرات کے گھروں میں خورد و نوش اور کھانے پینے کا معاملہ صرف زندہ رہنے کی حد تک ہی تھا۔ اعلیٰ قسم کے ماکولات و مشروبات سے آپ ﷺ کا دستر خوان خالی ہی ہوتا تھا بلکہ اکثر اوقات کئی کئی دن پیٹ بھر کر کھانا میسر نہیں آتا تھا۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے:

«مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ، مِنْ طَعَامِ بُرٍّ ثَلَاثَ لَيَالٍ تِبَاعًا، حَتَّى قُبِضَ»(1)

"جب سے رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے ان کے اہل خانہ نے تین دن مسلسل گندم کی روٹی نہیں کھائی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی روح مبارک کو قبض کر لیا گیا"۔

گندم کی روٹی مسلسل تین دن میسر آنا تو دور کی بات ہے، آپ ﷺ اور آپ کے گھر والوں کی قناعت اور زہد کا تو یہ عالم تھا کہ مسلسل تین دن پیٹ بھر کر کھانے کی کوئی چیز بھی گھر میں موجود نہیں ہوتی تھی۔ حافظ الحدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ طَعَامٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ حَتَّى قُبِضَ»(2)

"جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے تک ان کے گھر والوں نے کبھی مسلسل تین دن پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا"۔

اللہ اکبر۔ یہ اس نبی، رسول، پیغمبر اور ان کے اہل خانہ کا حال ہے جن کی سخاوت، فیاضی اور جود و کرم کی یہ کیفیت کہ ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور کچھ عطا فرمانے کا تقاضا کیا تو آپ ﷺ نے اسے اتنی بکریاں عطا فرما دیں کہ ان سے دو پہاڑوں کے درمیان کی

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی ﷺ: 6454

(2) صحیح بخاری، کتاب الاطعمة: 5374

وسیع وادی بھر گئی۔ وہ بکریوں کا ریوڑ لے کر اپنی قوم اور قبیلے کے پاس گیا تو ان سے کہنے لگا:

«يَاقَوْمِ أَسْلِمُوا فَإِنَّ مُحَمَّدًا يُعْطِي عَطَاءً لَا يَخْشَى الْفَاقَةَ»[1]

"اے میری قوم کے لوگو! اسلام قبول کر لو، کیونکہ محمد ﷺ جب سخاوت کرتے ہیں تو اتنا کچھ عطا فرما دیتے ہیں کہ فقر و فاقہ کا کوئی اندیشہ نہیں رہتا"۔

حضرات! میں اس محبوب کبریا، سید الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے فقر، زہد اور قناعت کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ جو سخاوت و فیاضی کے بادشاہ، غریبوں کے ہمدرد، مساکین کے معاون اور محتاجوں کے خیر خواہ ہیں۔ لوگوں کو کھلانے والا، خود بھوکا رہ رہا ہے۔ عوام کی ضروریات پوری کرنے والا، اپنی ضروریات سے بے پرواہ ہے اور اپنے احباب کے گھروں میں اشیاء خورد و نوش پہنچانے والے کو اپنے اہل خانہ کی خوراک کا کوئی فکر اور غم نہیں ہے۔ وہ امام الرسل ﷺ جنہوں نے ساری زندگی جان بوجھ کر فقر و زہد کو اختیار فرمایا۔ جو ساری عمر مال و دولت کی کثرت سے متنفر رہے۔ وہ محسن عالم ﷺ جن کے پاس بے حساب غنائم کا مال آیا مگر سارے کا سارا غرباء میں تقسیم کر دیا اور اپنے لیے فقر و قناعت کو پسند فرمایا:

قدموں میں ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا
اور تین دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا
ہیں دوسروں کے واسطے سیم و زر و گہر
اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولہا بجھا ہوا
کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں کے تلے
اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا

آپ ﷺ اور شیخین کا زہد و قناعت:

رسول مکرم ﷺ نہ صرف ذاتی طور قانع، متوکل اور صابر شخصیت تھے بلکہ آپ ﷺ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی سخائه ﷺ: 2312

کے قریبی رفقاء اور خاص احباب بھی ان صفات حمیدہ سے متصف تھے۔ ان کے نزدیک بھی دنیا اور اس میں موجود اشیاء ایک حقیر اور بے حقیقت چیزیں تھیں اور آپ ﷺ کی طرح آپ کے اصحاب بھی زہد و قناعت اور سادگی کا عمدہ نمونہ تھے۔

آیئے! اس موضوع پر صحیح مسلم شریف سے ایک حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

> ''ایک دن عین دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو اچانک جناب ابو بکر صدیق اور جناب عمر رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہو گئی۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سے پوچھا:
> مَا أَخْرَجَكُمَا مِنْ بُيُوتِكُمَا هٰذِهِ السَّاعَةَ؟۔ تم دونوں اس وقت شدید گرمی میں گھر سے کیوں نکلے ہو؟ دونوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ سخت بھوک نے پریشان کر رکھا تھا (تو سوچا چلو مسجد میں چلتے ہیں شائد وہاں طبیعت کو قرار حاصل ہو جائے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَأَخْرَجَنِي الَّذِي أَخْرَجَكُمَا۔ اس ذات الٰہی کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے میرے اس لمحے گھر سے باہر آنے کی وجہ بھی یہی ہے''۔

آپ رسول مکرم ﷺ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فقر و زہد کا اندازہ فرمائیں کہ کئی دن کے مسلسل فاقہ کی وجہ سے اپنے اپنے گھروں سے نکل کر تینوں مسجد نبوی کا رخ کرتے ہیں کہ وہاں جا کر نوافل پڑھیں، تلاوت قرآن مجید کریں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں تا کہ بھوک سے توجہ ہٹ جائے اور مسجد میں بیٹھنے کا ثواب بھی حاصل ہو جائیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے محسوس فرمایا کہ میرے رفقاء بھوک کی وجہ سے نڈھال ہو رہے ہے اور ان کی حالت غیر ہو رہی ہے تو ارشاد ہوا۔ اے ابو بکر و عمر! ''میرے ساتھ آؤ''۔

چنانچہ دونوں اصحاب آپ ﷺ کے ہمراہ چل پڑے اور ایک انصاری صحابی سیدنا ابوالھیثم مالک بن تیہان رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ جوان کے باغ کے اندر ہی تھا۔ دروازے پر دستک دینے سے معلوم ہوا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔ آپ ﷺ اپنے رفقاء سمیت واپس ہونے لگے تو جناب مالک رضی اللہ عنہ کی بیوی نے عرض کی۔ آقا! تشریف لائیے، خوش آمدید مرحباً و اھلاً۔ آپ ﷺ نے پوچھا تمہارا خاوند کہاں ہے؟ تو اس نے عرض کی، میٹھا پانی لینے گئے ہیں، ابھی آجاتے ہیں آپ تشریف رکھیں۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ جناب مالک بن تیہان رضی اللہ عنہ بھی آگئے۔ انہوں نے جب رسول اکرم ﷺ اور آپ کے رفقا کو اپنے گھر کے باہر دیکھا تو بڑے خوش ہوئے اور بے ساختہ پکار اٹھے۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مَا أَحَدٌ الْيَوْمَ أَكْرَمَ أَضْيَافًا مِنِّي"

"اللہ کا شکر ہے آج روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے پاس میرے مہمانوں سے زیادہ باعزت مہمان آئے ہوں"۔

جناب مالک رضی اللہ عنہ خوشی سے بھاگ کر گئے اور باغ سے کھجوروں کا گچھا توڑ کر لے آئے۔ اس میں پختہ اور نیم پختہ اور تر کھجوریں تھیں۔ وہ گچھا معزز و مکرم مہمانوں کے آگے رکھتے ہوئے نہایت ادب سے درخواست کی۔

"كُلُوا مِنْ هٰذِهٖ"

"اس میں سے جو پسند ہو، تناول فرمائیے"۔

پھر انہوں نے بکری ذبح کرنے کے لیے چھری پکڑی تاکہ ضیوف کرام کے لیے "گوشت روٹی" کا بندوبست کر سکیں تو رسول رحمت ﷺ نے کمال شفقت سے فرمایا:

«إِيَّاكَ وَالْحَلُوبَ»

"دودھ دینے والی بکری ذبح نہ کرنا"۔

یہاں لمحہ بھر کے لیے رک کر رسول اکرم ﷺ کی شفقت، رحمت اور مہربانی کا اندازہ فرمائیں کہ شدید بھوک اور ضرورت کے باوجود میزبان کو حکم فرما رہے ہیں کہ "دودھ

دینے والی بکری ذبح نہ کرنا" کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم تو گوشت کھا کر چلے جائیں اور آپ کے بچے دودھ سے محروم ہو جائیں۔ سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ ایسے شفیق و مہربان اور مخلص و ہمدرد رسول پر ہماری طرف سے لاتعداد و بے شمار اور ان گنت بے حساب درود و سلام نازل فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

میزبان رسول جناب مالک رضی اللہ عنہ نے حکم رسول پر عمل کرتے ہوئے دودھ نہ دینے والی بکری ذبح کی، جلدی سے اس کا گوشت بنایا، پکوایا اور ذی وقار مہمان کی خدمت میں پیش کیا۔ معزز مہمانوں نے گوشت تناول فرمایا، کھجوریں کھائیں اور ٹھنڈا پانی پی کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ جب پیٹ بھر گئے اور انتڑیاں تر ہو گئیں تو پیارے رسول ﷺ نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَتُسْأَلُنَّ عَنْ هٰذَا النَّعِيمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمُ الْجُوعُ، ثُمَّ لَمْ تَرْجِعُوا حَتّٰى أَصَابَكُمْ هٰذَا النَّعِيمُ»[1]

"اس ذات اقدس کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ قیامت کے دن ان نعمتوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی۔ بھوک نے تمہیں گھروں سے نکالا اور اب تم ان نعمتوں سے فیض یاب ہو کر واپس جا رہے ہو"۔

طعام رسول ﷺ:

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی خوراک، رہن سہن، نشست و برخاست، اور لباس وغیرہ سادگی کا اعلیٰ ترین نمونہ تھا۔ اشیاء کی قلت اور بھوک آپ ﷺ کی زندگی کا لازمی حصہ تھا، سرکار دوعالم ﷺ کو کئی کئی دن کھانے کے لیے کوئی چیز میسر نہیں ہوتی تھی۔ مگر اس کے باوجود آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے اور اس کے انعامات و

(1) صحيح مسلم، باب جواز استتباعة غيره الى:2038

احسانات کے قدر دان تھے۔ آپ ﷺ کی غذا بھی انتہائی سادہ ہوتی، جو مل جاتا کھا لیتے اور کسی چیز کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی خوراک، غذا اور طعام کے حوالے سے ایک واقعہ کا مطالعہ کرتے ہیں: صحابی رسول سیدنا عابس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"میں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ کیا نبی مکرم ﷺ نے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ دنوں تک کھانے سے منع فرمایا ہے؟ تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے کہا: ہاں صرف ایک سال منع کیا تھا۔ اس سال لوگ (قحط سالی کی وجہ سے) بھوک و افلاس کا شکار تھے تو آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ صاحب حیثیت لوگ فقیروں اور غریبوں کو گوشت کھلا دیں (اس لیے آپ ﷺ نے اس سال یہ پابندی لگائی) ورنہ عام دنوں میں ہم قربانی کے جانور کے پائے رکھ لیتے تھے اور انہیں پندرہ دنوں کے بعد کھایا کرتے تھے"۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ایسا کرنے کی کیا مجبوری ہوتی تھی؟ تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا یہ سوال سن کر ہنس پڑیں اور فرمایا:

«مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ بُرٍّ مَأْدُومٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ حَتَّى لَحِقَ بِاللهِ»[1]

"آپ ﷺ کی وفات تک محمد ﷺ (اور آپ) کے گھر والوں نے مسلسل تین دن کبھی گندم کی روٹی سالن کے ساتھ نہیں کھائی"۔

ہمارے پیارے محبوب ﷺ نے زندگی بھر مال واسباب اور دولت دنیا کو جمع نہیں فرمایا بلکہ جو آتا آپ ﷺ غرباء، مساکین، حاجت مندوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی دنیا سے رخصتی کے وقت آپ کے گھر کی جو حالت آپ ﷺ کے برادر نسبتی نے بیان فرمائی ہے وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔

(1) صحیح بخاری، کتاب الاطعمة، باب ما کان السلف یدخرون فی بیوتہم: 5423

آپ ﷺ کی زوجہ ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

«مَا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهِ دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا وَلَا عَبْدًا وَلَا أَمَةً وَلَا شَيْئًا، إِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ، وَسِلَاحَهُ وَأَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً»[1]

"رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت کوئی درہم، کوئی دینار، کوئی غلام، کوئی لونڈی اور کوئی چیز بطور ترکہ نہیں چھوڑی، سوائے سفید خچر، اپنے ہتھیار اور اپنی زمین کے، جسے آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں صدقہ کر دیا تھا"۔

اب ذرا ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان بھی پڑھیے اور رسول اکرم ﷺ کے زہد، توکل، صبر اور قناعت کا اندازہ فرمائیے، آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

«تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا فِي بَيْتِي مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ، إِلَّا شَطْرُ شَعِيرٍ فِي رَفٍّ لِي، فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ، فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ»[2]

"رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت میرے گھر میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جو کسی جگر والے جان دار کی غذا بن سکتی ہو مگر تھوڑے سے جو، تھے جو طاق میں رکھے ہوئے تھے میں (وفات رسول کے بعد) انہیں وہاں سے نکال کر کھاتی رہی، یہاں تک کہ کافی عرصہ گزر گیا پھر میں نے انہیں ناپ لیا تو وہ جلدی ہی ختم ہو گئے"۔

یہ قناعت تھی میرے اور آپ کے آقا جناب محمد کریم ﷺ کی اور یہ ترکہ تھا محبوب مکرم ﷺ کا ______ اور ہمارا جو حال ہے وہ آپ سے قطعاً مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔ اپنے حکمرانوں کے اندرون اور بیرون ملک اثاثوں کی تفصیلات آپ اخبارات میں پڑھتے رہتے

(1) صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصایا:2739

(2) صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب نفقة نساء النبی ﷺ:3097

ہیں، ہمارے معاشرے کا عام کاروباری فرد بھی کروڑ پتی اور ارب پتی ہے اور افسوس ناک صورت یہ ہے کہ آج کے مسلمان کو حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی کوئی تمیز نہیں ہے اِلَّا مَاشَاءَاللہ۔ ہم اپنی اولاد، ان کی اولاد اور ان کی اولاد کی اولاد کے لیے دولت جمع کر رہے ہیں اور اپنی آخرت کی تیاری، صدقات جاریہ اور راہ للہ خرچ کرنے کی کوئی لگن، تمنا اور شوق نہیں ہے۔

یاد رکھیے! کفن میں کوئی جیب اور قبر میں کوئی الماری نہیں ہے۔ حلال اور جائز ذرائع سے کمائیے، حسب ضرورت کھائیے اور صدقات و خیرات کر کے نیکیاں کمائیے۔ سردار انبیا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی خواہش اور کوشش رہی ہے کہ میری امت مال کے فتنے میں مبتلا نہ ہو بلکہ آخرت کی فکر، جہنم سے آزادی اور جنت میں داخلے کے لیے محنت اور کوشش کرے۔ عام انسانوں کی مال سے محبت، قبر اور آخرت سے لاپرواہی اور صدقات و خیرات سے بے اعتنائی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ جب انسان کو موت آجاتی ہے تو تین چیزیں قبرستان تک اس کے ساتھ جاتی ہیں۔

۱۔ اس کا مال

۲۔ اہل و عیال

۳۔ اس کے اعمال

میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد دو چیزیں واپس آجاتی ہیں اور صرف ایک چیز ساتھ رہتی ہے یعنی اہل و عیال، اعزہ و اقارب، دوست و احباب اور مال واپس آجاتے ہیں جبکہ انسان کے اعمال بعد از وفات بھی اس کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ پس اگر نیک اعمال کی کثرت ہوئی، عقیدہ اور عمل درست ہوا تو اس کی قبر اس کے لیے جنت کا باغ، بصورت دیگر جہنم کا گڑھا بن جائے گی۔ آپ ﷺ کے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ. فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقٰى وَاحِدٌ. يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ

وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ»[1]

"میت کے پیچھے تین چیزیں جاتی ہیں، ان میں سے دو تو واپس آ جاتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ رہ جاتی ہے۔ اس کے پیچھے اس کے اہل و عیال اور اس کا مال اور اعمال جاتے ہیں پس اس کے اہل و عیال اور مال تو واپس آ جاتے ہیں اور اس کے عمل اس کے ساتھ رہ جاتے ہیں"۔

حضرات! جس دولت، مال، رقم، روپے، پیسے، درہم، دینار اور سونا چاندی کے لیے ہم دن رات، صبح و شام، شب و روز اور لیل و نہار محنت، کوشش اور تگ و دو کرتے ہیں اور اس کے حصول کے لیے ہم اپنے آرام، نیند اور خوراک کا بھی خیال نہیں رکھتے۔ یاد رکھیے! مرنے کے بعد یہ تمام چیزیں ہم سے چھن جائیں گی اور صرف اور صرف نیک اعمال اور صالح عقیدہ ہی ہمارے کام آئے گا۔ اس لیے قناعت اختیار کیجیے۔ اللہ کی تقسیم پر راضی ہو جایئے۔ دولت کی کثرت کی ہوس کو ترک کر دیجیے۔ آخرت کی فکر کیجیے۔ قبر کی تیاری کیجیے۔ اور رسول اکرم ﷺ کی قناعت و سادگی کو اپنا شعار بنایئے کیونکہ ہمارے لیے نمونہ اور اسوہ صرف اور صرف رسول پاک ﷺ ہی کی ذات ہے۔

آپ ﷺ کی مال سے بے رغبتی:

امام الرسل، ختم الرسل اور ہادی سبل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو مال کی کثرت اور دولت کی فراوانی پسند نہ تھی بلکہ آپ قوت لایموت کو پسند فرماتے اور جب بھی آپ کے پاس مال آتا تو آپ اسے غرباء و مساکین میں تقسیم فرما دیتے اور جب تک غنیمت کے ڈھیر ختم نہ ہو جاتے آپ ﷺ کو سکون و قرار اور اطمینان نہیں ہوتا تھا۔

رسول اکرم ﷺ کے مشہور صحابی سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"ایک مرتبہ میں عشاء کی نماز کے بعد نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الزهد: 2960

باہر احد پہاڑ کی طرف جارہا تھا جب ہمیں احد نظر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:
اے ابوذر! اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے پسند نہیں کہ ایک رات یا تین راتوں سے زیادہ ایک دینار بھی میرے پاس رہے۔ تا آنکہ میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں۔ سوائے اس کے جو میں قرض ادا کرنے کے لیے محفوظ کر لوں۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے آواز دی۔ ابو ذر! میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حاضر ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:
اَلْأَكْثَرُوْنَ هُمُ الْأَقَلُّوْنَ، إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا۔ زیادہ مال جمع کرنے والے ہی (روز قیامت، ثواب کے اعتبار سے) کمی کا شکار ہوں گے سوائے ان سعادت مندوں کے جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کے بندوں پر کثرت سے خرچ کرنے والے ہیں"۔[1]

پنجابی زبان کے معروف اسلامی شاعر شیخ محمد سعید الفت رحمۃ اللہ علیہ نے اس فرمان رسول کا کیا خوب صورت ترجمہ کیا ہے۔

بخاری کے اندر ہے واقعہ آیا
ابوذر نوں ایک دن نبی نے سنایا
جے اللہ تعالیٰ کوئی ڈھوایسا ڈھودے
جو احد پہاڑ اے اوہ سونے دا ہوجے
اوہ سوناں مناں جو کروڑاں تے لکھاں
اوہدے وچوں ایک تولہ نہ کول رکھاں
میں تناں دناں وچ کراں ونڈ ایداں
کہ سارے دا سارا مریداں نوں دے داں

(1) صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، باب من اجاب بلبیک وسعدیک:6268

مریدی پیری دیاں پے گیاں ڈھاں
ایسے پیر دیاں میں جتیاں نوں چھاں

بنیادی ضروریات:

ہمارے آقا ﷺ کی نظر میں دنیا اور اس کی عیش و عشرت ہمیشہ بے قدر، حقیر اور قابل نفرین ہی رہی ہے۔ آپ ﷺ ساری عمر کثرت مال و منال اور دنیاوی جاہ و جلال سے بے رغبت ہی رہے اور اعلیٰ درجہ کے مشروبات و ماکولات اور قیمتی ملبوسات آپ ﷺ نے کبھی پسند نہیں فرمائے۔ البتہ انسان کی بنیادی ضروریات کا خیال فرمایا اور مناسب حد تک ضروری سہولیات کو اختیار کرنے کی اجازت فرمائی۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِي سِوَى هٰذِهِ الْخِصَالِ، بَيْتٌ يَسْكُنُهُ وَثَوْبٌ يُوَارِي عَوْرَتَهُ وَجِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ»[1]

"ان ضروری چیزوں کے علاوہ (دنیا میں) آدم کے بیٹے کا کوئی حق نہیں ہے۔

۱۔ رہائش کے لیے مکان ۲۔ تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا
۳۔ کھانے کے لئے روٹی ۴۔ پینے کے لئے پانی"۔

قرآن حکیم میں بھی ان چار اشیاء کو انسان کی بنیادی ضروریات قرار دیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا تو فرمایا:

﴿إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ﴾

(طٰہٰ:118-119)

"بلاشبہ تمہارے لیے جنت میں یہ سہولت ہے کہ یہاں تمہیں بھوک نہیں لگے گی اور نہ ہی تم ننگے ہو گے اور اس میں تمہیں پیاس بھی نہیں لگے گی اور

(1) جامع ترمذی، کتاب الزهد، باب ما جاء في الزيادة في الدنيا: 2341، قال الحافظ زبیر علی زئی: حسن

دھوپ بھی نہیں ستائے گی"۔

ان چار ضروریات زندگی پر ہر انسان کو مناسب حد تک خرچ کرنے کی اجازت دی گئی ہے مگر اس میں اسراف، فضول خرچی اور بے جا اخراجات سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں دو مزید ضروریات کا اضافہ بھی منقول ہے۔ آپ ﷺ نے ابو ہاشم رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّمَا يَكْفِيكَ مِنْ جَمْعِ الْمَالِ خَادِمٌ وَمَرْكَبٌ فِي سَبِيلِ اللهِ» [1]

"تمہارے لیے اتنا مال جمع کرنا ہی کافی ہے کہ ایک خادم ہو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک سواری ہو"۔

اسلام دین اعتدال اور یہ امت معتدل امت ہے اس لیے امت کے ہر فرد کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ ہر قسم کی افراط و تفریط سے دامن بچا کر اپنی بنیادی ضروریات کا انتظام کرے اور آخرت کو سنوارنے کی کوشش کریں۔ ضرورت سے زیادہ خوراک، عشرت پسندانہ زندگی اور بلند و بالا محلات اسلام کی نظر میں اور ہمارے محبوب ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں پسندیدہ اور مرغوب نہیں ہیں۔ خادم رسول جناب انس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ:

"ایک دن رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور ہم آپ کے ساتھ تھے۔ تو آپ ﷺ نے ایک اونچا سا قُبہ (بلند گنبد والا مکان) دیکھا تو پوچھا کہ یہ قبہ کیا ہے (کس کا ہے؟) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ یہ فلاں انصاری کا مکان ہے۔ آپ خاموش رہے اور اس بات کو اپنے دل میں رکھا (رفقاء کے سامنے اس انصاری کے بارے میں کوئی تبصرہ نہ فرمایا) یہاں تک کہ جب اس کا مالک خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے لوگوں کی موجودگی میں آپ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ ایسا متعدد بار ہوا کہ وہ صحابی رخ انور کے سامنے آکر سلام عرض کرتا تو آپ رخ دوسری طرف پھیر

[1] جامع ترمذی، کتاب الزهد، باب ما جاء فی الهم فی الدنیا وحبها: 2327، قال الالبانی، حسن

لیتے۔ حتی کہ اسے احساس ہو گیا کہ آپ ﷺ مجھ سے ناراض ہیں اور عمداً اعراض فرمارہے ہیں، اس نے اپنے ساتھیوں سے اس کی وجہ دریافت کی اور کہا: اللہ کی قسم! میں آپ ﷺ کو ناراض محسوس کر رہا ہوں لیکن مجھے آپ کی ناراضی کا سبب اور وجہ معلوم نہیں ہے۔ اسے بتایا گیا کہ آپ ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے تھے اور آپ کا قبہ دیکھا تھا۔ (شائد بلند و بالا مکان کی وجہ سے نالاں ہیں) وہ اپنے قبے کی طرف آیا اسے گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ پھر ایک دن آپ ﷺ کا گزر اسی طرف سے ہوا تو آپ کو وہ قبہ نظر نہ آیا تو رفقاء سے پوچھا کہ: مَا فَعَلَتِ الْقُبَّةُ؟ وہ قبہ کہاں گیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ اس کے مالک نے آپ کی بے رخی کی وجہ پوچھی تو ہم نے اسے بتا دی تھی۔ پس اس نے اپنے قبے کو گرا دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أَمَا إِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلَى صَاحِبِهِ إِلَّا مَا لَا، إِلَّا مَا لَا ہر عمارت جس کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہو وہ اس کے مالک کے لیے وبال ہے"۔ [1]

رسول اکرم ﷺ کی سادگی:

کائنات کے سردار اور انبیاء کے امام جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ساری زندگی سادگی سے عبارت تھی۔ آپ ﷺ کی خوراک سادہ__ آپ ﷺ کا لباس سادہ__ آپ ﷺ کا بستر سادہ__ آپ ﷺ کی نشست و برخاست سادہ__ آپ ﷺ کی گفتگو سادہ__ آپ ﷺ کی رہائش سادہ__ آپ ﷺ کے حجرات مبارکات سادہ__ طرز تکلم سادہ__ چلنا پھرنا سادہ__ کھانا پینا سادہ__ اٹھنا بیٹھنا سادہ__ میل ملاپ سادہ__ الغرض آپ ﷺ کا طرز زندگی ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے سادہ تھا۔ آپ ﷺ کی عادات میں تکلف اور تصنع نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ما جاء فی البناء: 5237، قال الالبانی، صحیح

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب آپ ﷺ دنیا سے رخصت ہو گئے تو ایک دن:

أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً وَإِزَارًا غَلِيظًا. فَقَالَتْ: «قُبِضَ رُوحُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَيْنِ»[1]

''ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک چادر اور ایک موٹا تہہ بند نکال کر دکھاتے ہوئے فرمایا: نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک ان دو کپڑوں میں قبض ہوئی تھی۔ یعنی وفات کے وقت آپ ﷺ کے جسم اطہر پر یہ دو بوسیدہ اور پیوند لگے کپڑے تھے''۔

اللہ اکبر! یہ تھی ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ کی لباس کے سلسلے میں سادگی، قناعت اور زہد۔ اب خوراک اور کھانے پینے کی سادگی ملاحظہ فرمائیں (کچھ احادیث اور واقعات پچھلے صفحات میں بیان ہو چکے ہیں) خلیفہ دوئم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں فرمایا کہ جب زمانہ نبوی میں ہمارے پاس دنیا کا بہت سارا مال جمع ہو گیا تھا اس وقت بھی آپ ﷺ کی حالت یہ تھی۔

«لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَظَلُّ الْيَوْمَ يَلْتَوِي، مَا يَجِدُ دَقَلًا يَمْلَأُ بِهِ بَطْنَهُ»[2]

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ شدت بھوک سے دن کو مضطرب اور نڈھال ہو جایا کرتے اور آپ کے پاس ایسی خشک کھجوریں بھی نہیں ہوتی تھیں جن کے اپنا پیٹ بھر سکیں''۔

آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی دنیا کے لذائذ اور رنگ برنگے کھانوں سے اجتناب کرتے اور رسول اکرم ﷺ جیسی سادگی اپنانے کو ہی اپنے لیے سعادت گردانتے تھے۔ معروف تابعی جناب سعید المقبری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

---

(1) صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب الاکسیۃ والخمائص:5818

(2) صحیح مسلم، کتاب الزھد: 2987

أَنَّهُ مَرَّ بِقَوْمٍ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ شَاةٌ مَصْلِيَّةٌ، فَدَعَوْهُ، فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ وَقَالَ: «خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ»[1]

''کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے سامنے بھنی ہوئی بکری پڑی تھی۔ (یعنی بکری کا بھنا ہوا گوشت رکھا تھا) انہوں نے جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھانے کی دعوت دی تو انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ دنیا سے اس حالت میں تشریف لے گئے کہ آپ نے کبھی جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی تھی''۔

نبی محترم، رسول معظم، رحمت مجسم ﷺ کی خوراک کتنی سادہ اور قلیل تھی۔ اس بارے میں آپ ﷺ کے خادم خاص جناب انس رضی اللہ عنہ کا تبصرہ بھی سن لیجئے، آپ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

أَنَّهُ مَشَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزِ شَعِيرٍ، وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ، وَلَقَدْ «رَهَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْعًا لَهُ بِالْمَدِينَةِ عِنْدَ يَهُودِيٍّ، وَأَخَذَ مِنْهُ شَعِيرًا لِأَهْلِهِ» وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: «مَا أَمْسَى عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعُ بُرٍّ، وَلَا صَاعُ حَبٍّ، وَإِنَّ عِنْدَهُ لَتِسْعَ نِسْوَةٍ»[2]

''وہ جو کی روٹی اور بدلی ہوئی رنگت والی چیز لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ نبی کریم ﷺ کی زرہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے اس (یہودی) سے اپنے اہل خانہ کے لیے جو لیے ہوئے تھے۔ اور جناب انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شام کے وقت

(1) صحیح بخاری، کتاب الاطعمة، باب ما کان النبی ﷺ و اصحابه یاکلون: 5414

(2) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبی ﷺ بالنسیئة: 2069

محمد ﷺ کے گھر والوں کے پاس ایک صاع گندم ہوتی تھی نہ ایک صاع کوئی دوسرا اناج، جب کہ آپ ﷺ کی نو(9) ازواج مطہرات تھیں"۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں اور اس کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مال و دولت کی فروانی عطا فرمائی ہے ان پر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہے حالانکہ یہ اصول، حدیث رسول ﷺ کے خلاف اور اللہ تعالیٰ کی حکمت تقسیم کے بھی موافق نہیں ہے۔ جب کہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق کسی شخص کو دنیوی مال کی کثرت اور منصب سے بچایا جانا اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کی علامت ہے ۔ صحابی رسول سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَحَبَّ اللهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِي سَقِيمَهُ الْمَاءَ»[1]

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو پسند فرماتا ہے تو اسے دنیا (کے مال، منصب اور ذمہ داری) سے بچالیتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے مریض کو (مرض بڑھنے کے ڈر سے) پانی سے بچالیتا ہے"۔

حضرات! اگر اللہ تعالیٰ حلال، جائز اور مباح ذرائع سے رزق حلال وافر اور وسیع عطا فرمائے تو ایسے صاحب ثروت شخص کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور رب العزت کے عطا کردہ مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کر کے اپنی دنیا، قبر اور آخرت بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اگر اللہ رب العالمین اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کے مطابق کسی کو کم رزق نصیب فرمائے تو اسے صبر کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

المختصر ہمارے محبوب ﷺ کی زندگی ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے انتہائی سادہ، تکلفات سے پاک اور قناعت پسندانہ تھی۔ جو مل جاتا اور جتنا مل جاتا آپ ﷺ اسی پر ہی گزارہ فرماتے اور کثرت مال کی نہ کوشش کرتے، نہ خواہش کرتے اور نہ دعا کرتے۔

---

[1] جامع ترمذی، کتاب الطب ، باب ما جاء فی الحمية:2036، قال الالبانی، صحیح

روزمرہ کے اخراجات:

امام الرسل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی سادگی، قناعت اور زہد کی چند مثالیں آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول محترم ﷺ کے حبالہ عقد میں بیک وقت نو(9) بیویاں تھیں۔ ان کے الگ الگ حجرات اور مکانات تھے، سب کے کھانے پینے، رہنے سہنے اور پوشاک ولباس کے اخراجات آپ ﷺ کیسے پورے کرتے تھے __ آیئے! اس سوال کا جواب بھی حدیث مبارکہ سے تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ ابو عامر عبداللہ الہوزنی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

"حلب (شہر کا نام) میں میری ملاقات، رسول اکرم ﷺ کے مؤذن سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا کہ مجھے بتاؤ! رسول اللہ ﷺ کے نان و نفقہ کے روزمرہ اخراجات کی کیفیت کیا تھی؟ تو جناب بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ ﷺ کی بعثت سے لے کر یوم وفات تک روزمرہ کے اخراجات کی ادائیگی کا انتظام وانصرام میرے ذمہ تھا۔ صورت حال یہ تھی کہ جب بھی کوئی شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوتا اور آپ ﷺ خیال فرماتے کہ اسے لباس کی ضرورت ہے تو آپ ﷺ مجھے حکم فرماتے کہ اور میں کہیں سے قرض لے کر کپڑے خریدتا اور اس شخص کو پہنا دیتا اور اس کے کھانے پینے کا بھی انتظام کرتا۔ ایک دن مشرکوں میں سے ایک آدمی میرے پاس آیا اور مجھے کہنے لگا، اے بلال! میرے پاس مالی وسعت ہے اس لیے تم میرے سوا کسی سے قرض نہ لیا کرو۔ جب بھی ضرورت ہو، مجھے بتادیا کرو میں اس کا انتظام کر دیا کروں گا۔ (میں نے اس پیشکش کو قبول کر لیا اور جب بھی قرض کی ضرورت پیش آتی تو میں اسی سے لیتا تھا) ایک دن میں وضو کر کے اذان کہنے کے لیے کھڑا ہوا تو وہ مشرک بہت سارے تاجروں کے ہمراہ میرے پاس آیا اور مجھے دیکھتے ہی پکار اٹھا، اوئے حبشی! میں نے کہا جی میں حاضر ہوں۔ تو اس نے مجھے

ڈانٹتے ہوئے بڑے تلخ لہجے میں کہا: تمہیں معلوم ہے کہ تیرے اور میرے درمیان معاہدے کے مطابق قرض کی ادائیگی کے مہینے میں کتنا وقت رہ گیا ہے؟ میں نے کہا۔ ادائیگی کا معاہدہ قریب ہی ہے۔ تو اس نے کہا صرف چار دن رہ گئے ہیں۔ پھر میں تم سے اپنا سارا قرض وصول کروں گا۔ اور اگر تم ادا نہ کر سکے تو تمہیں اپنا غلام بنالوں گا، پھر تم میری بکریاں چرایا کروگے"۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے اس کی بات سے بڑا صدمہ ہوا جیسا کہ ایسے موقع پر ہر انسان کو ہوتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز پڑھا کر گھر تشریف لے گئے تو میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے چل پڑا اور حاضری کی اجازت طلب کی۔ اجازت حاصل کر کے میں دربار رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

"اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے والدین آپ پر قربان جائیں، اس مشرک قرض خواہ نے آج مجھے یہ دھمکی دی اور بڑی تلخ گفتگو کی ہے۔ آقا! آپ کے اور میرے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے ہم اس کا قرض ادا کر سکیں۔ اے اللہ کے رسول! وہ تو مجھے رسوا کر دے گا۔ لہٰذا مجھے اجازت فرمایئے کہ میں مدینہ طیبہ سے باہر کے بعض مسلمان قبائل سے قرض لے کر اس مشرک کا قرض ادا کر دوں۔ آپ ﷺ نے مجھے اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ میں نے سامان سفر تلوار، جوتا اور نیزہ وغیرہ تیار کیا اور گھر میں آ کر لیٹ گیا۔ اس مشرک کی دھمکی کے باعث مجھے نیند نہ آئی اور میں ساری رات پریشانی کی حالت میں کروٹیں بدلتا رہا۔

صبح صادق کے وقت بستر سے اٹھا اور ان مسلمان قبائل کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور میرا نام لے کر آواز دی۔ "اے بلال! اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حاضر ہو جاؤ۔ چنانچہ میں رسول محترم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہاں سامان سے لدے ہوئے چار اونٹ بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: اے بلال! أَبْشِرْ

فَقَدْ جَاءَكَ اللّٰهُ بِقَضَائِكَ۔ خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہارا قرض ادا کرنے کا انتظام فرمادیا ہے"۔

رسول رحمت ﷺ نے جناب بلال رضی اللہ عنہ کو خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا: یہ لدے ہوئے اونٹ جو تم دیکھ رہے ہو، یہ سب تمہارے لیے ہیں اور ہاں سنو:

«إِنَّ لَكَ رِقَابَهُنَّ وَمَا عَلَيْهِنَّ كِسْوَةٌ وَطَعَامٌ أَهْدَاهُنَّ إِلَيَّ عَظِيمُ فَدَكَ فَاقْبِضْهُنَّ ثُمَّ اقْضِ دَيْنَكَ»

"یہ اونٹ بھی تمہارے لیے ہیں اور ان پر لدا ہوا سارا سامان بھی تمہارے لیے ہے۔ اور بے شک اس سامان میں کپڑے اور اشیاء خوردنی ہیں۔ یہ سامان فدک کے رئیس نے مجھے تحفہ بھیجا ہے۔ اب تم انہیں قبضہ میں لے لو اور ان سے قرضہ ادا کرو"۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں نے حکم رسول پر عمل کرتے ہوئے اونٹوں سے سامان اتارا اور اعلان کر کے تمام لوگوں کا قرض ادا کر دیا۔ تمام لوگوں کے قرضے اتارنے کے بعد جب میں مسجد میں آیا تو رسول اکرم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا:

«مَا فَعَلَ مَا قِبَلَكَ؟»

"جو چیزیں تمہارے پاس تھیں ان کا کیا کیا؟"۔

میں نے عرض کی، اللہ تعالیٰ کے رسول پر جتنا قرضہ تھا وہ سارا اللہ تعالیٰ نے اتار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَفَضَلَ شَيْءٌ؟»

"کیا کوئی باقی چیز بچی ہے"۔

میں نے کہا: جی۔ تو آپ ﷺ مجھے حکم دیا۔

«أُنْظُرْ أَنْ تُرِيحَنِي مِنْهُ فَإِنِّي لَسْتُ بِدَاخِلٍ عَلَى أَحَدٍ مِنْ أَهْلِي حَتّٰى تُرِيحَنِي مِنْهُ»

"دیکھو! ان باقی ماندہ اشیاء کو مستحقین میں تقسیم کر کے مجھے آرام پہنچاؤ جب تک تم یہ تمام چیزیں حقداروں تک پہنچا کر مجھے سکون و آرام نہیں پہنچاؤ گے، میں اپنے گھر نہیں جاؤں گا"۔

جناب بلال سارا دن ضرورت مندوں کا انتظار کرتے رہے مگر کوئی طلب گار نہ آیا۔ جب رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا کر فرمایا:

«مَا فَعَلَ الَّذِي قِبَلَكَ؟»

"جو سامان تمہارے پاس تھا، اس کا کیا کیا؟"۔

جناب بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی، میں سارا دن انتظار کرتا رہا کوئی طلب گار آیا ہی نہیں۔ اس لیے وہ سب کچھ میرے پاس محفوظ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے وہ رات مسجد میں گزاری۔ اگلے دن کچھ ضرورت مند میرے پاس آئے تو وہ مال میں نے ان میں تقسیم کر دیا۔ پھر عشاء کے وقت رسول اکرم ﷺ نے مجھے طلب فرمایا اور پوچھا "تمہارے پاس جو مال تھا اس کا کیا بنا؟" میں نے عرض کی۔

"اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کی راحت کا انتظام کر دیا ہے کہ وہ سارا مال ضرورت مندوں میں بانٹ دیا گیا ہے"۔

یہ سن کر سرورِ کونین ﷺ از حد مسرور ہوئے، زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور حمد و ثنا بیان فرمائی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ آپ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سامان دنیا میرے گھر میں ہو اور مجھے موت آجائے۔ اللہ اکبر کبیرا۔

پھر آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے، جناب بلال رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے پیچھے تھے وہ فرماتے ہیں:

"آپ ﷺ تمام ازواج مطہرات کے حجرات میں تشریف لے گئے۔ اور ہر زوجہ محترمہ کو الگ الگ سلام کہا اور اپنی قیام گاہ میں آ گئے"۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے یہ سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ کی اخراجات اور نان ونفقہ کے بارے میں سوال کرنے والے ابو عامر عبد اللہ ہوزنی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

فَهٰذَا الَّذِی سَأَلْتَنِی عَنْهُ

"یہ ہے اس سوال کا جواب جو تم نے مجھ سے پوچھا تھا"۔[1]

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

خلاصہ کلام:

رسول رحمت ﷺ کی حیات مبارکہ کے ان چند واقعات سے آپ ﷺ کی قناعت، سادگی اور دنیا سے بے رغبتی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ:

- کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور اٹھنے بیٹھنے میں کوئی تکلف نہیں فرماتے تھے۔
- جو حلال طیب میسر آتا، تناول فرمالیتے۔
- زمین اور چٹائی پر جہاں جگہ ملتی تشریف فرما ہو جاتے۔
- بغیر چھنے آٹے کی روٹی کھالیتے۔
- ناز و نخرے اور عیش پرستی سے اجتناب فرماتے۔
- شدت بھوک سے مضطرب ہو جاتے مگر سوال نہ کرتے۔
- اعلیٰ درجے کے متوکل اور صابر تھے۔
- اظہار امارت و دولت مندی کو پسند نہیں فرماتے تھے۔
- مال و دولت کی کثرت کو حقیر جانتے تھے۔
- پر تکلف اور پر تعیش زندگی سے ہمیشہ دور رہے۔
- شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ اور ہٹو بچو سے زندگی بھر گریزاں رہے۔
- پیوند لگا اور بوسیدہ لباس زیب تن فرمالیتے۔
- جو مل جاتا اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے.... اور....
- جو نہ ملتا اس کی طلب و خواہش نہ فرماتے۔
- دن تبلیغ و جہاد اور رات عبادت و ریاضت میں گزارتے۔

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، باب فی الامام یقبل ھدایا المشرکین: 3055، قال الالبانی، صحیح الاسناد

◉ کئی کئی ماہ، کھانا پکانے کے لیے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔
◉ کھجور اور پانی پر گزارہ کرتے اور خوش رہتے تھے۔
◉ زہد و قناعت کا یہ عالم کہ وقت وفات بھی آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی۔[1]
◉ آرام کرنے کے لیے چمڑے کا بستر تھا جس میں روئی کی بجائے کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔[2]
◉ اپنی ضرورت پر ساتھیوں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے۔
◉ جو کی سوکھی روٹی کھا کر پانی پی لیتے اور شکر بجالاتے تھے۔
◉ دنیا اور اس کے ناز و نعم سے ہر ممکن بچتے تھے۔
◉ مال و دولت کو جمع کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔
◉ جو کچھ حاصل ہوتا محتاجوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔
◉ ذاتی زندگی ہر قسم کے تکلفات سے خالی تھی۔

اس سب کے باوجود آپ ﷺ زاہد خشک، تارک الدنیا اور راہب نہیں تھے بلکہ انتہائی ہنس مکھ، ظریف الطبع اور خوش مزاج انسان تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی کی ہر ادا اور ہر عمل اہل ایمان کے لیے اسوہ حسنہ اور بہترین نمونہ ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے"۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔
آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر: 2916

(2) صحیح بخاری، کتاب الرقاق: 6456

11

خطابتِ مصطفیٰ ﷺ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

ہر قسم کی حمد وثنا، خالق ارض وسما، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہے جس سے انسان کو عدم سے وجود بخشنے کے بعد احسن تقویم کے خوبصورت سانچے میں ڈھالا اور اسے تمام مخلوقات میں سے زیادہ مکرم اور محترم بنایا۔ وہی ذات الٰہی تمام اشیاء کا خالق ومالک، رازق وحاکم اور متصرف ومدبر ہے، وہی عبادت کے لائق اور تعریف وتحمید کے قابل ہے، کائنات کی ہر چیز اپنے اپنے انداز میں اس کی تسبیح میں مصروف ومشغول ہے جیسا کہ خود باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ۚ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾

(بنی اسرائیل: 44)

"ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اس (اللہ تعالیٰ) کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور کوئی چیز بھی نہیں ہے مگر وہ اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے، بلاشبہ وہ بڑا حلیم، بہت زیادہ بخشنے والا ہے"۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہماری طرف سے ہمارے آقا ومحبوب جناب محمد کریم ﷺ پر لاتعداد وبے شمار اور ان گنت وبے حساب درود، سلام اور برکات نازل فرمائے، جنھوں نے

کفر و شرک میں مبتلا انسانوں کو توحید الٰہی کی راہ پر چلایا، صراط مستقیم پر گامزن فرمایا اور دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی اور نجات و فلاح کا راستہ دکھایا، ان پر اللہ رب العزت اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور اہل ایمان کو نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ درود و سلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

قرآن مجید سے سورۃ احزاب کی آیت اکیس میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ تمام مسلمانوں کے لیے "اسوۂ حسنہ" یعنی بہترین نمونہ ہے، آپ ﷺ کے تمام اقوال، افعال اور احوال پر عمل کرنا امت کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت، اتباع اور پیروی سے انکار یا گریز کسی امتی کے لیے جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ہر صاحب ایمان کو اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں آپ ﷺ کی پاکیزہ سیرت سے رہنمائی حاصل کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے، اسی میں انسانیت کی فلاح و اصلاح ہے۔

﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

ان گزارشات و معروضات میں ہم ان شاء اللہ العزیز رسول مکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے جس حصے اور گوشے کو موضوع سخن بنانا چاہتے ہیں۔ اس کا عنوان "خطابت مصطفیٰ ﷺ" ہے۔

خطابت کا مفہوم اور اہمیت:

اپنے مافی الضمیر کو خوبصورت الفاظ، دل پذیر انداز اور پر تاثیر پیرائے میں بیان

کرنے، اپنے خیالات و جذبات کو مناسب ترین کلمات کے ذریعے دوسروں تک منتقل کرنے اور لوگوں کو اپنے نظریات و احساسات کا قائل بنانے کا نام "خطابت" ہے۔ ایک قادر الکلام خطیب اور بہترین مقرر حالات کا رخ تبدیل کر سکتا، معاشرے میں انقلاب برپا کر سکتا، خون گرما سکتا اور روح تڑپا سکتا ہے۔

عرب ادباء نے خطابت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اَلْخِطَابَةُ فَنٌّ مِنْ فُنُوْنِ الْكَلَامِ يُخَاطَبُ بِهِ الْجَمْهُوْرُ وَيَتَّجِهُ إِلَى الْاَقْنَاعِ وَالْاِسْتِمَالَةِ عَنْ طَرِيْقِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ مَعاً فَالْقُدْرَةُ عَلَى التَّاْثِيْرِ فِيْ كُلِّ مَا يُؤَدِّيْ إِلَى الْاَقْنَاعِ اَسَاسُ هٰذَا الْفَنِّ"[1]

"خطابت، کلام کے فنون میں سے ایک ایسا فن ہے جس سے جمہور کو خطاب کیا جاتا ہے اور یہ کان اور نظر دونوں کے ذرائع سے عوام کو اپنی بات کی قبولیت اور اس کی طرف میلان پر متوجہ کرنا ہے قبولیت کو حاصل کرنے کے ذرائع سے واقفیت فن خطابت کی اساس اور بنیاد ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے زبان جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے اور بعض انسانوں کو اس استعداد و صلاحیت سے نوازا ہے کہ وہ اپنے خیالات و افکار کو زیادہ بہتر اور مؤثر الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں۔ اسی قوت بیان و استدلال کو "خطابت" کہا جاتا ہے۔ تاریخ انسانی کے ہر دور میں خطابت نے معاشروں کو سنوارنے اور بگاڑنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ سیاسی رہنماؤں، فوجی قائدین، مذہبی پیشواؤں، بادشاہوں، انقلابی لیڈروں اور قبائل کے رؤساء نے ہمیشہ خطابت کے ذریعے اپنی بات کو منوایا اور لوگوں کو اپنا ہم نوا بنایا ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء و رسل، اولیاء و صلحاء اور علماء و فقہاء نے بھی خطابت ہی کے ذریعے انقلابات برپا کیے اور عوام کے اعتقادات و نظریات اور اعمال و افعال کی اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔

---

[1] علم الادب، 2/6؛ انسان کامل، ص: 112

خطابت کی اہمیت و حیثیت کے حوالے سے قرآنی آیات کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اس کا شدید احساس اور خیال تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت، رسالت اور معجزات عطا فرمانے کے بعد حکم دیا کہ آپ فرعون کے پاس جا کر اسے توحید کی دعوت دیں کیونکہ وہ تکبر، بغاوت اور سرکشی کی تمام حدوں کو عبور کر گیا ہے اور بندہ ہو کر۔ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۔ ”میں تمہارا سب سے اعلیٰ رب ہوں“ کا دعوے دار ہے۔
تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دربارِ الٰہی میں جو دعا فرمائی۔ وہ یہی تھی کہ پروردگار! مجھے آپ کے حکم کی تعمیل میں کوئی تردد نہیں ہے مگر صورت حال یہ ہے کہ:

﴿وَ يَضِيْقُ صَدْرِىْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِىْ﴾ (الشعراء:13)

”اور میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان چلتی نہیں ہے“۔

لہٰذا میری درخواست ہے کہ مجھے فرعون کے دربار میں گفتگو کے لیے خطابت کا ملکہ عطا فرما جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ،

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ ۙ وَ يَسِّرْ لِىْٓ اَمْرِىْ ۙ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِىْ ۙ يَفْقَهُوْا قَوْلِىْ ۪ وَ اجْعَلْ لِّىْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِىْ ۙ هٰرُوْنَ اَخِى ۙ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِىْ ۙ وَ اَشْرِكْهُ فِىْٓ اَمْرِىْ ۙ كَىْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۙ وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۭ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا﴾ (طٰہٰ:25-35)

”اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے اور میرے لیے میرا کام آسان فرما دے اور میری زبان کی کچھ گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔ اور میرے لیے میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر بنا دے، ہارون کو۔ جو میرا بھائی ہے۔ اس کی وجہ سے میری پشت مضبوط فرما دے اور اسے میرے کام (تبلیغ توحید) میں شریک کر دے تاکہ ہم تیری بہت تسبیح کریں اور تیرا بہت زیادہ ذکر کریں۔ بلاشبہ تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے“۔

قرآن حکیم کے بیسویں پارے میں ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دربار الٰہی میں اپنے

بھائی جناب ہارون کی نبوت کے لیے جو دعا کی، اس میں اس امر کا بھی تذکرہ فرمایا کہ وہ "مجھ سے زیادہ فصیح ہیں"۔ یعنی انہیں مجھ سے زیادہ خطابت کا ملکہ حاصل ہے اور وہ اپنی بات زیادہ واضح انداز میں سمجھا سکتے ہیں۔ قرآنی الفاظ ہیں۔

﴿وَ اَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ ۫ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ﴾ (القصص:34)

"اور میرے بھائی ہارون، وہ زبان کے اعتبار سے مجھ سے زیادہ فصیح ہیں، تو آپ انہیں میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دیں۔ بے شک میں ڈرتا ہوں کہ وہ (فرعونی) مجھے جھٹلا دیں گے"۔

خطابت وفصاحت اور زبان کی روانی کی اہمیت وافادیت سے فرعون بھی پوری طرح آگاہ تھا۔ چنانچہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں اعلان توحید فرمایا تو اس نے اپنے وزیروں، مشیروں اور حمایتیوں سے کہا:

﴿اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ ۬ۙ وَّ لَا یَكَادُ یُبِیْنُ﴾ (الزخرف:52)

"کیا میں اس سے بہتر نہیں ہوں جو حقیر ہے اور جو اپنی بات بھی واضح نہیں کر سکتا"۔

حقیقت یہ ہے کہ خطابت انسانیت کا حسین ترین زیور اور مضبوط ترین ہتھیار ہے۔ تاریخ انسانی ایسے کرداروں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے اپنی سحر انگیز خطابت، استدلال کی قوت اور فصاحت کے زور سے حالات کا رخ تبدیل کر دیا اور یہ خطابت ہی کی تاثیر اور زبان ہی کا جادو تھا جس نے انسانوں کو جانوں کا نذرانہ پیش کرنے پر تیار کیا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

جَاءَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَخَطَبَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا»[1]

"مشرق سے دو آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الخطبة: 5146

اسلام قبول کر کے آپ ﷺ کے سامنے تقریریں کیں تو آپ نے (ان کی تقاریر سن کر) فرمایا: بعض تقریریں جادو کی طرح اثر کرتی ہیں"۔

خطابت رسول کی خصوصیات:

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمارے محبوب ﷺ کو ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے ممتاز واعلیٰ مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ آپ ﷺ حسن وجمال ___ سیرت وکردار ___ اخلاق واطوار ___ اقوال و اعمال ___ افعال وگفتار ___ نشست وبرخاست ___ اور ___ تقریر وخطاب میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ ﷺ اسلامی تہذیب کے اولین مبلغ، خطیب اور داعی تھے، اس لیے اللہ رب العزت نے آپ کو خطابت و تقریر کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ»[1]

"مجھے جامع کلمات عطا فرمائے گئے ہیں"۔

جامع کلمات کی وضاحت کرتے ہوئے معروف سیرت نگار قاضی سید محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"بعض اہل علم نے "جوامع الکلم" سے مراد قرآن مجید کو سمجھا ہے، کون ہے جو قرآن مجید کے جامع ہونے سے انکار کر سکے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ وہ کلام قدسی نظام مراد ہے جسے "حدیث نبوی" علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کہا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص ان الفاظ پر غور کرے گا جو حضور ﷺ پر نور کے دل وزبان سے گوش عالمیاں تک پہنچے، اسے یقین ہو جائے گا کہ بے شک یہ کلام "کلام نبوت" ہے۔ مختصر، سادہ، صاف، پر صدق، معانی کا خزینہ، ہدایت کا گنجینہ"۔[2]

---

(1) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد و مواضع الصلاۃ: 523

(2) رحمۃ للعالمین، جلد 3، خصوصیات از احادیث مصطفویہ ﷺ

زندگی کے باقی معاملات و معمولات کی طرح رسول اکرم ﷺ کی خطابت بھی امت کے لیے اسوہ حسنہ اور بہترین نمونہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

آپ ﷺ کی خطابت حد درجہ پر اثر اور دل پذیر تھی، وحی الٰہی اور دانش نبوی نے "خطابت مصطفیٰ ﷺ" میں بڑا حسن، نفاست اور تاثیر پیدا فرمادی تھی، آپ ﷺ انتہائی سادہ، عام فہم اور آسان خطاب فرماتے تھے۔ جمعہ اور عیدین کے خطبوں کے علاوہ خطاب کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ آپ ﷺ جب مناسب خیال کرتے تو حالات و ظروف کے عین مطابق فی البدیہہ خطاب فرماتے تھے۔ موقع اور محل کی مناسبت سے آپ ﷺ کا خطاب کبھی مختصر اور کبھی طویل ہوتا تھا۔ عام طور پر آپ ﷺ ناصحانہ گفتگو کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے فقرات استعمال فرماتے تھے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان فرمودہ ایک خطاب رسول کا مطالعہ فرمائیں۔ ارشاد ہوا:

«لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوَى هَاهُنَا» وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ «بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ»[1]

"تم آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اور دھوکے سے ایک دوسرے کے لیے قیمتیں نہ بڑھاؤ، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، اور ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو، اور تم میں سے کوئی دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے،

[1] صحیح مسلم ، کتاب البر والصلة ،باب تحریم الظلم المسلم ....:2564

اور اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اور نہ اس کا ساتھ چھوڑتا ہے، نہ اس کی تحقیر کرتا ہے، تقویٰ یہاں ہے، اور آپ ﷺ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف تین مرتبہ اشارہ کیا، کسی آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے"۔

آیئے! اپنے پیارے رسول ﷺ کی خطابت کی چند نمایاں خصوصیات کے تذکرے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

ا۔ خوبصورت آواز:

اللہ رب العزت نے ہمارے محبوب ﷺ کو دوسرے اوصاف حمیدہ کی طرح حسن صوت یعنی خوبصورت آواز کی نعمت سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا، کسی بھی کامیاب اور مؤثر خطیب کے لیے اس کی آواز میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۱) خوش الحانی (۲) آواز کی بلندی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی خطابت کو ان دونوں خصوصیات سے متصف فرمایا تھا۔ صحابی رسول سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

«مَا بَعَثَ اللهُ نَبِيًّا إِلَّا حَسَنَ الْوَجْهِ، حَسَنَ الصَّوْتِ، وَكَانَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسَنَ الْوَجْهِ، حَسَنَ الصَّوْتِ، وَكَانَ لَا يُرَجِّعُ»[1]

"اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا مگر اسے خوبصورت چہرہ اور خوبصورت آواز دے کر بھیجا اور تمہارے نبی ﷺ بڑے ہی حسین چہرے والے اور بڑی خوبصورت اور پیاری آواز والے تھے مگر آپ ﷺ گانے کی طرز پر الفاظ کو دہرا دہرا کر نہیں پڑھتے تھے"۔

---

[1] مختصر الشمائل، حدیث: 274، قال الالبانی، حسن

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب آپ ﷺ کی زبان نبوت سے قراءت و خطاب سماعت فرماتے تو آپ ﷺ کی خوبصورت آواز پر خاص توجہ کر کے لطف و سرور حاصل کرتے تھے۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سفر کے دوران:

«سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ فِي العِشَاءِ بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ فَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِّنْهُ»[1]

"میں نے نبی کریم ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورۃ "والتین والزیتون" پڑھتے ہوئے سنا، (حقیقت یہ ہے کہ) میں نے آپ ﷺ سے زیادہ خوبصورت آواز والا کوئی نہیں سنا"۔

آپ ﷺ کی آواز کی خوبصورتی، شیرینی اور دلکشی کا تذکرہ کرتے ہوئے جناب عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ عَلَى نَاقَتِهِ وَهُوَ يَقْرَأُ سُورَةَ الفَتْحِ يُرَجِّعُ» وَقَالَ: لَوْلَا أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ حَوْلِي لَرَجَّعْتُ كَمَا رَجَّعَ»[2]

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے دن اپنی اونٹنی پر سوار خوبصورت آواز میں سورۃ الفتح کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا۔ اگر مجھے خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ میرے گرد جمع ہو جائیں تو میں بھی آپ ﷺ کی طرح خوش الحانی سے تلاوت کرتا"۔

نبی اکرم ﷺ جب خطبہ میں اپنی مترنم اور خوبصورت آواز سے قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے تو اس میں اللہ تعالیٰ اتنی تاثیر، حلاوت اور شیرینی پیدا فرما دیتا کہ بہت سارے لوگ دوران خطبہ پڑھی گئی آیات اور سورتوں کو زبانی یاد کر لیتے تھے۔ جیسا کہ سیدنا

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ فی العشاء: 464

(2) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی ﷺ یوم الفتح: 4281

حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام ھشام رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

«وَمَا أَخَذْتُ قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ إِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقْرَؤُهَا كُلَّ يَوْمِ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ، إِذَا خَطَبَ النَّاسَ» [1]

"میں نے قرآن مجید کی سورۃ ق والقرآن المجید، رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر یاد کی، کیونکہ آپ ﷺ ہر جمعہ کے دن جب لوگوں کو خطبہ دیتے تو اس سورت کو منبر پر (خوش الحانی کے ساتھ) تلاوت فرمایا کرتے تھے"۔

رسول اکرم ﷺ بذات خود بھی بڑی خوبصورت آواز میں قرآن حکیم تلاوت فرماتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی تحسین صوت کے ساتھ کتاب الٰہی کی تلاوت کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

«حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ، فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا» [2].

"اپنی آوازوں سے قرآن مجید کو حسین بناؤ یعنی خوبصورت آواز سے قرآن حکیم کی تلاوت کرو۔ کیونکہ اچھی آواز قرآن مجید کے حسن میں اضافہ کرتی ہے"۔

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

"آپ ﷺ کی قراءت واضح اور حرف بحرف الگ الگ ہوتی تھی"۔ [3]

نبی محترم ﷺ قرآن مجید کی قراءت و تلاوت بڑے آرام سے ٹھہر ٹھہر کر کرتے اور

---

(1) صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة: 872

(2) سنن الدارمی، كتاب فضائل القرآن، باب التغنی بالقرآن: 3544، قال المحقق حسين سليم اسد الدرانی، اسناده صحيح

(3) جامع ترمذی، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء كيف قراءة النبی ﷺ: 2923، قال الحافظ زبير علی زئی فی تخريج المشكاة: 2204، صحيح

ہر آیت پر وقف کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھ کر رک جاتے، پھر الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتے اور وقف کرتے پھر مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ پڑھتے تھے۔[1]

ہمارے آقا ﷺ دوران خطاب جب خوش الحانی سے قرآنی آیات کی تلاوت فرماتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوری توجہ، ذوق وشوق اور محبت سے سماعت فرماتے بلکہ باری تعالیٰ بھی آپ ﷺ کی خوبصورت آواز، حسن صوت اور خوش الحانی کی طرف خاص توجہ فرماتے جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهٖ»[2]

"اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنا جتنا اس نے اپنے نبی ﷺ کو خوبصورت آواز کے ساتھ بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا"۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن حکیم کو خوش الحانی اور خوبصورت آواز کے ساتھ پڑھنے کی رغبت دلاتے ہوئے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ»[3]

"جو شخص قرآن مجید کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں یعنی ہمارے طریقے پر نہیں ہے"۔

ان احادیث سے یہ بات بالکل واضح اور عیاں ہوگئی کہ رسول محترم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی پیاری، خوبصورت اور پرتاثیر آواز سے نوازا تھا اور آپ ﷺ اپنے خطابات وتقاریر کے دوران اپنی خداداد حسن صوت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرکے سامعین کو مسحور اور متاثر کرتے تھے۔

---

(1) جامع ترمذی، کتاب القراءات عن رسول اللہ ﷺ، باب فی فاتحۃ الکتاب: 2927، قال الالبانی: صحیح

(2) صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول النبی ﷺ الماھر القرآن مع الکرام البررۃ: 7544

(3) صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: واسروا قولکم او اجھروا بہ: 7527

۲۔ فصاحت وبلاغت:

فصاحت کا لغوی معنیٰ "وضاحت اور ظاہر کرنا" ہے۔ اصطلاح میں فصاحت، کلام کی اس صفت کا نام ہے جس میں تنافر حروف، لغوی غرابت اور شذوذ موجود نہ ہوں۔ مختصر الفاظ ہیں:

"اجزائے کلام میں حسن ترتیب کا نام فصاعت ہے"۔

بلاغت کا مطلب، کلام کا حالات، ماحول اور مقام کے مطابق ہونا ہے اور کلام بلیغ میں فصاحت کا ہونا بھی ضروری ہے۔

ہمارے آقا و مولا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی خطابت، فصاعت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ آپ ﷺ کو زبان و بیان پر ایسی دسترس اور قدرت حاصل تھی کہ آپ ہر قبیلے کے لہجے اور انداز میں گفتگو فرماتے تھے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ!

"قَدْ طُفْتُ فِي الْعَرَبِ وَسَمِعْتُ فُصَحَاءَهُمْ فَمَا سَمِعْتُ أَفْصَحَ مِنْكَ فَمَنْ أَدَّبَكَ؟ قَالَ: أَدَّبَنِي رَبِّي وَنَشَأْتُ فِي بَنِي سَعْدٍ"[1]

"میں نے سارا عرب پھرا ہے اور ان کے فصیح و بلیغ لوگوں کی گفتگو اور خطابات سنے ہیں مگر میں نے آپ سے زیادہ فصاعت وبلاغت والا کلام کسی سے نہیں سنا، ارشاد فرمائیے، یہ ادبی گفتگو کا سلیقہ آپ کو کس نے سکھایا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے ادب سکھایا ہے اور میں نے بنو سعد میں پرورش پائی ہے"۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ کسی شخص کا انداز تکلم اس کی شخصیت، سیرت و کردار اور اخلاق وعادات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ دانائے شیراز شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا فارسی شعر ہے کہ

[1] حاشیہ تاریخ دمشق لابن عساکر: 807/4

تامرد سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

"جب تک کوئی شخص گفتگو نہ کرے تو اس کے عیب اور خوبیاں ظاہر نہیں ہوتیں"۔

نبی محترم ﷺ کی گفتگو انتہائی واضح، صاف اور ہر سامع کے لیے قابل فہم ہوتی تھی۔ آپ علیہ السلام کی زبان مبارک سے ادا ہونے والے الفاظ ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہوتے، آواز میں ٹھہراؤ اور سنجیدگی ہوتی کہ اگر کوئی شخص الفاظ کو شمار کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا اور سامعین ان منتخب اور چنیدہ الفاظ کو یاد کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ کا لہجہ دھیما، شیریں اور شفقت و محبت سے لبریز ہوتا تھا کہ کوئی دشمن بھی آپ کی بات کے انکار کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"كَانَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْصَحَ خَلْقِ اللهِ، وَأَعْذَبَهُمْ كَلَامًا، وَأَسْرَعَهُمْ أَدَاءً، وَأَحْلَاهُمْ مَنْطِقًا، حَتّٰى إِنَّ كَلَامَهُ لَيَأْخُذُ بِالْمَجَامِعِ الْقُلُوبِ......."[1]

"رسول اللہ ﷺ مخلوق میں سب سے زیادہ فصیح گفتگو کرنے والے تھے۔ آپ کے کلام میں جاذبیت، کاملیت اور جامعیت ہوتی تھی آپ ﷺ کی گفتگو نہایت واضح، پر حلاوت اور دلوں میں اتر جانے والی ہوتی تھی"۔

معروف سیرت نگار قاضی سید محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ آپ ﷺ کے سکوت و کلام کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"نبی کریم ﷺ اکثر خاموش رہا کرتے تھے، بلا ضرورت کبھی گفتگو نہ فرمایا کرتے، آنحضرت ﷺ نہایت شیریں کلام اور کمال فصیح تھے، کلام میں آورد (تلخی) ذرا نہ تھی، گفتگو ایسی دل آویز ہوتی تھی کہ سننے والے کے دل و روح پر

[1] زاد المعاد، جلد اول، فصل فی هدیه فی کلامه وسکوته...، 1/46

قبضہ کرلیتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کا یہ وصف ایسا مسلمہ تھا کہ مخالف بھی اس کی شہادت دیتے تھے اور جاہل دشمن اسی کا نام سحر و جادو رکھا کرتے تھے۔ سلسلہ سخن ایسا مرتب ہوتا تھا جس میں لفظاً معناً کوئی خلل نہ ہوتا۔ الفاظ ایسی ترتیب سے ادا فرمایا کرتے کہ اگر سننے والا چاہے تو الفاظ کو شمار کر سکتا تھا"۔ (1)

آپ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے ادا ہونے والا ایک ایک جملہ معانی اور مفاہیم کا ایک بے کنار سمندر ہوتا تھا۔ آیئے! آپ ﷺ کے جملوں کی بندش، الفاظ کے چناؤ اور زبان کی فصاحت و بلاغت کے بارے میں ایک حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے طرز زندگی کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا:

۱۔ اَلْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِيْ — معرفت، میرا اصل مال ہے۔
۲۔ وَالْعَقْلُ أَصْلُ دِيْنِيْ — عقل، میرے دین کی اساس ہے۔
۳۔ وَالْحُبُّ أَسَاسِيْ — محبت، میری بنیاد ہے۔
۴۔ وَالشَّوْقُ مَرْكَبِيْ — شوق، میری سواری ہے۔
۵۔ وَذِكْرُ اللهِ أَنِيْسِيْ — اللہ تعالیٰ کا ذکر، میرا انیس ہے۔
۶۔ وَالثِّقَةُ كَنْزِيْ — اعتماد، میرا خزانہ ہے۔
۷۔ وَالْحُزْنُ رَفِيْقِيْ — حزن، میرا رفیق ہے۔
۸۔ وَالْعِلْمُ سَلَاحِيْ — علم، میرا ہتھیار ہے۔
۹۔ وَالصَّبْرُ رِدَائِيْ — صبر، میرا لباس ہے۔
۱۰۔ وَالرِّضَاءُ غَنِيْمَتِيْ — رضائے الٰہی، میری غنیمت ہے۔
۱۱۔ وَالْعَجْزُ فَخْرِيْ — عاجزی، میرا فخر ہے۔
۱۲۔ وَالزُّهْدُ حِرْفَتِيْ — زہد، میرا پیشہ ہے۔

(1) رحمۃ للعالمین، جلد اول، باب:5

۱۳۔ وَالْيَقِيْنُ قُوْتِيْ	یقین، میری خوراک ہے۔
۱۴۔ وَالصِّدْقُ شَفِيْعِيْ	سچائی، میرا ساتھی ہے۔
۱۵۔ وَالطَّاعَةُ حَسْبِيْ	اطاعت، میرا بچاؤ ہے۔
۱۶۔ وَالْجِهَادُ خُلُقِيْ	جہاد، میری خصلت ہے۔
۱۷۔ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ	اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔
۱۸۔ وَثَمَرَةُ فُؤَادِيْ فِيْ ذِكْرِهٖ	میرے دل کا ثمر، اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔
۱۹۔ وَغَمِّيْ لِأَجْلِ أُمَّتِيْ	میرا غم، میری امت کی وجہ سے ہے۔
۲۰۔ وَشَوْقِيْ إِلَى رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ	اور میرا شوق، اپنے رب کی ملاقات ہے۔[1]

نبی محترم ﷺ کی بے مثال و باکمال فصاحت و بلاغت کا کسی امتی بلکہ کسی نبی، پیغمبر اور رسول کی زبان دانی سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا، آپ علیہ السلام کی زبان میں بلا کی سلاست اور روانی تھی، جو بات زبان رسالت سے نکلتی وہ ہر عیب سے پاک ہوتی تھی، آپ کی گفتگو میں کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کو "جوامع الکلم" کی نعمت عظمیٰ سے نوازا تھا۔ آپ ﷺ کے دہن مقدس سے نکلنے والے الفاظ قلیل ہوتے مگر ان میں مفاہیم و معانی کا ایک سمندر موجزن ہوتا تھا۔ آپ ﷺ ایک قادر الکلام خطیب، فصیح و بلیغ مقرر اور ہمدرد و خیر خواہ داعی تھے۔ آپ ﷺ کا خطاب عام طور پر فی البدیہہ ہوتا تھا۔ الفاظ و تراکیب کے انتخاب واستعمال میں آپ کا ذوق بڑا نفیس اور مثالی تھا۔ آپ نامانوس، غریب اور نادر الفاظ کی ادائیگی سے پرہیز فرماتے اور ناشائستہ، قبیح اور برے الفاظ کو زبان پر لانے سے اجتناب کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی خطابت ہر طرح کے تکلف، تصنع اور مبالغہ آرائی سے پاک ہوتی تھی۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(1) الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ، 1/146، فصل واما خوفه ربه وطاعته له ...

«إِنَّ اللهَ يَبْغَضُ الْبَلِيغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِي يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ كَمَا تَتَخَلَّلُ الْبَقَرَةُ»(1)

"بے شک اللہ تعالیٰ مبالغہ آرائی کرنے والے (خطیب) کو ناپسند کرتا ہے۔ جو اپنی زبان کو گائے کی طرح چلاتا ہے"۔

۳۔ ترتیل وتفصیل اور تسہیل:

محسن عالم، سید البشر، خاتم الرسل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی خطابت بڑی بامقصد، پاکیزہ اور اعلیٰ تھی۔ اس لیے آپ ﷺ اپنی بات کو سمجھانے کے لیے بڑا عمدہ، آسان اور عام فہم انداز اختیار فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی تقریر کا ہر لفظ واضح اور صاف ہوتا تھا۔ دوران خطاب چیخ چیخ کر بولنا، الفاظ کو چبا چبا کر ادا کرنا اور تکلفانہ گفتگو کرنا آپ ﷺ کو قطعاً پسند نہیں تھا۔ آپ دوران خطاب بڑی ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خطابت کا کمال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«كَانَ فِي كَلَامِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْتِيلٌ أَوْ تَرْسِيلٌ»(2)

"رسول اللہ ﷺ کی گفتگو میں بڑی ترتیل اور ٹھہراؤ ہوتا تھا"۔

یہ بات سو فی صد درست ہے کہ تقریر و خطاب اور وعظ کے دوران تیز بولنے والے مقرر کی بات لوگ پوری طرح سمجھ نہیں پاتے اور عام گفتگو میں بھی تیز کلامی کو معیوب ہی گردانا جاتا ہے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول مکرم ﷺ کی خطیبانہ خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

«كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامًا فَصْلًا يَفْهَمُهُ

---

(1) جامع ترمذی، کتاب الادب، باب ما جاء فی الفصاحة والبیان: 2853، قال الالبانی، صحیح

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب الهدی فی الکلام: 4838، قال الالبانی، صحیح

كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ»[1]

”رسول اللہ ﷺ ہمیشہ ٹھہر ٹھہر کر واضح گفتگو فرماتے کہ ہر سننے والا اسے پوری طرح سمجھ لیتا تھا“۔

خادم رسول جناب انس رضی اللہ عنہ جنہوں نے دس سال خدمت مصطفیٰ کی سعادت حاصل کی، وہ آپ ﷺ کی خطابت اور اندازِ کلام کی تحسین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعِيدُ الْكَلِمَةَ ثَلَاثًا لِتُعْقَلَ عَنْهُ»[2]

”رسول اللہ ﷺ (بسا اوقات، دوران خطاب) ایک کلمہ تین بار دہراتے تھے تاکہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے“۔

آپ ﷺ پر تکلف گفتگو ناپسند کرتے تھے، آپ کا خطاب، سادہ جملوں، پر اثر الفاظ اور ہمدردانہ انداز پر مشتمل ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کی خلوت و جلوت، محفل و تنہائی اور سفر و حضر کے حالات و واقعات سے باخبر ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے خطیبانہ اسلوب کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

«مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْرُدُ سَرْدَكُمْ هٰذَا، وَلٰكِنَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ يُبَيِّنُهُ، فَصْلٌ، يَحْفَظُهُ مَنْ جَلَسَ إِلَيْهِ»[3]

”رسول اللہ ﷺ تمہاری طرح جلدی جلدی کلام نہیں کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ کی گفتگو میں ٹھہراؤ ہوتا تھا یعنی آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر آرام سے گفتگو فرماتے تھے۔ کہ حاضرین مجلس آپ ﷺ کے ارشادات کو یاد کر

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب الهدی فی الکلام: 4839، قال الالبانی، حسن

(2) جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب فی کلام النبی ﷺ: 3640، قال الالبانی، حسن صحیح

(3) جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب فی کلام النبی ﷺ: 3639، قال الالبانی، حسن

لیتے تھے"۔

آپ ﷺ ایک باکمال و بے مثال خطیب تھے اور ہمیشہ نپی تلی گفتگو فرماتے تھے۔ دوران خطاب بعض اوقات آپ ﷺ کی آواز بلند ہو جاتی، آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آپ غضب ناک ہو جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ، وَعَلَا صَوْتُهُ، وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ، حَتَّى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُولُ: «صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ» [1]

"رسول اللہ ﷺ جب خطاب فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور جلال کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ حتیٰ کہ ایسا محسوس ہوتا جیسے آپ کسی لشکر کو ڈرا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ دشمن تم پر صبح یا شام کو حملہ آور ہونے والا ہے"۔

آپ ﷺ دوران خطاب کوئی لایعنی، فضول اور بے مقصد بات نہ کرتے بلکہ آپ کی تقریر ہمیشہ اہم اور ضروری امور پر مشتمل ہوتی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی امت کو بھی فضول گفتگو سے منع کرتے ہوئے زبان کی حفاظت کرنے اور خاموشی اختیار کرنے کا حکم دیا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

«وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ» [2]

"اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے"۔

ان احادیث سے یہ بات بالکل عیاں ہوگئی کہ رسول اکرم ﷺ اپنے خطابات و تقاریر اور مواعظ حسنہ میں آسانی، سہولت اور تفصیل کا بڑا خیال رکھتے اور ہمیشہ سامعین کی ذہنی

(1) صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة: 867

(2) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من كان يؤمن بالله......: 6018

استعداد اور علمی سطح کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ مبہم گفتگو، مشکل الفاظ اور بے مقصد بات چیت کو ناپسند فرماتے تھے۔

۴۔ اختصار و جامعیت:

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے خطاب، تقریر اور وعظ کا ایک امتیازی وصف اختصار و جامعیت ہے۔ آپ ﷺ کے اکثر خطبے انتہائی مختصر مگر جامع ہوتے تھے۔ طویل تقریر اور لمبا خطبہ آپ ﷺ کو ناپسند تھا۔ مشہور تابعی جناب ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

"صحابی رسول سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے (کوفہ میں) ہمارے سامنے انتہائی مختصر مگر بڑا بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ جب جناب عمار رضی اللہ عنہ منبر سے اترے تو ہم نے ان سے کہا کہ آپ نے بڑا پرتاثیر مگر مختصر خطبہ دیا ہے۔ کاش! آپ اپنی سانس کچھ لمبی کر لیتے یعنی زیادہ دیر بات کر لیتے اور طویل خطبہ ارشاد فرماتے تو سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ طُولَ صَلَاةِ الرَّجُلِ، وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ، مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ، فَأَطِيلُوا الصَّلَاةَ، وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ، وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا»[1]

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کی نماز کا طویل ہونا اور اس کے خطبے چھوٹا ہونا، اس کی سمجھداری کی علامت ہے۔ اس لیے نماز لمبی پڑھا کرو، اور خطبہ چھوٹا دیا کرو۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ بعض بیان جادو (کی طرح) پُراثر ہوتا ہے"۔

یہ صرف آپ ﷺ کی ہدایت ہی نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ بذات خود بھی اس امر کی پابندی فرماتے تھے کہ خطاب اور تقریر کو حتی الامکان مختصر کیا جائے۔ چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے قبول اسلام اور آپ ﷺ کے خطاب کی جامعیت اور اختصار کا تذکرہ

(1) صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة: 869

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جب نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق آپ ﷺ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اور میں بھی خدمت نبوی میں حاضر ہونے والوں میں سے ایک تھا۔ جب میں نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کو بغور دیکھا تو میرے دل میں یقین پیدا ہو گیا کہ ایسا روشن، حسین اور خوبصورت چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ میرے دل نے تو فوراً تصدیق کر دی کہ بے شک یہی نبی آخر الزماں ہیں کہ آپ ﷺ کا رخ انور ہی آپ کی صداقت و حقانیت کی واضح دلیل ہے"۔

جناب عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مدینہ کے کبار علماء یہود میں سے تھے اور اپنے قبیلے کے سردار بھی تھے۔ بڑے دانا، ذہین اور تجربہ کار انسان تھے۔ سرور کونین ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے قبل یہود مدینہ آپ کو اپنا مذہبی رہنما اور سردار تسلیم کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ آمد کے بعد جو خطاب فرمایا وہ انتہائی مختصر ہونے کے باوجود بڑا جامع اور دنیا و آخرت کی کامیابی کے بنیادی اصولوں پر مبنی تھا۔ جناب عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"وَكَانَ أَوَّلُ شَيْءٍ تَكَلَّمَ بِهِ أَنْ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الأَرْحَامَ وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُونَ الجَنَّةَ بِسَلَامٍ"[1]

"اور آپ ﷺ نے (مدینہ آنے کے بعد) جو پہلا خطاب فرمایا وہ یہ تھا: اے لوگو! ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کہو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور رات کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو تم نماز (تہجد) پڑھو، تم سلامتی

[1] جامع ترمذی، کتاب صفة القیامة: 2485؛ سنن ابن ماجه، کتاب الاطعمة، باب اطعام الطعام: 3251، قال الالبانی ، صحیح

کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے"۔

چنانچہ جناب عبد اللہ بن سلام رسول محترم ﷺ کے حسن و جمال اور خطاب و تقریر کی جامعیت اور اختصار سے متاثر ہو کر سعادت اندوز اسلام ہو گئے۔

ہمارے آقا ﷺ اپنی دیگر صفات حمیدہ کی طرح بحیثیت خطیب بھی بڑی اعلیٰ اور عظیم شخصیت تھے۔ آپ ﷺ اپنے خطاب و وعظ اور تقریر و خطبہ میں سامعین کی نفسیات کا پورا لحاظ اور خیال فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے سامعین کو کبھی اکتاہٹ میں مبتلا نہیں کیا تھا۔ انتہائی بامقصد اور مؤثر تقریر فرماتے اور اتنی دیر گفتگو فرماتے جتنی دیر سامعین کا ذوق سماعت قائم رہتا تھا۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقیدت و محبت کا فائدہ اٹھا کر ان کے صبر کا امتحان نہیں لیتے تھے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، نبی محترم ﷺ کا خطاب اور وعظ و نصیحت کے طریقے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الأَيَّامِ كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا»[1]

"نبی اکرم ﷺ ہمیں وعظ و نصیحت کرنے کے لیے وقت اور موقع کا بڑا خیال رکھتے تھے کہ کہیں ہم اکتاہٹ کا شکار نہ ہو جائیں"۔

۵۔ موضوع کا انتخاب:

نبی آخر الزماں جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی خطابت کا ایک اہم امتیاز اور اعزاز یہ تھا کہ خطیب اعظم ﷺ ہمیشہ اپنی تقریر و وعظ میں موقع کی مناسبت سے موضوع بیان فرماتے تھے۔ فی الحقیقت آپ ﷺ مختلف حیثیتوں کے مالک تھے۔ لہٰذا آپ ہر موقع پر اپنی حیثیت کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ آپ ﷺ داعی حق تھے ___ قاضی القضاۃ تھے ___ فاتح قوم تھے ___ امیر لشکر تھے ___ مسجد کے امام و خطیب تھے ___ مسافر و مہاجر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب ما کان النبی یتخولنا بالموعظة: 68

تھے ___ سربراہ مملکت تھے ___ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر، نبی اور رسول تھے۔

آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے مختلف ادوار میں مختلف مواقع پر متعدد خطابات فرمائے۔ جب آپ ﷺ کی تقاریر و خطابات کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ موقع کی مناسبت سے موضوع کا انتخاب فرمایا۔ اور اپنے مختصر مگر جامع خطاب میں حالات کے مطابق موضوع کا پورا حق ادا کیا۔ خطابات کے موضوعات کے حوالے میں ہم آپ ﷺ کے چند خطابات کا ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، جہاں آپ ﷺ نے موقع کی مناسبت سے بڑے ہی عمدہ موضوعات کا انتخاب فرمایا:

محسن عالم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ بعثت کے بعد تین سال تک خفیہ طور پر تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیتے رہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوتی سرگرمیوں کو عام کرنے اور خاص طور پر اپنے قریبی عزیزوں، رشتہ داروں اور خاندان کے افراد کو اسلام کی صداقت ،اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت و نبوت سے آگاہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ:

﴿وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعراء:214)

"اور (اے رسول ﷺ) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں"۔

اس حکم الٰہی کے بعد آپ ﷺ نے اپنے اعزہ و اقارب جن کی تعداد تقریباً چالیس تھی۔ کو کھانے کی دعوت پر گھر بلایا اور بعد از طعام جب آپ ﷺ نے بات کرنا چاہی تو آپ کے چچا ابو لہب نے روک دیا اور کہا کہ آپ کا خاندان سارے عرب کا مقابلہ نہیں کر سکتا، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آپ نے جو کام شروع کر رکھا ہے اسے یہیں ختم کر دیں اور اپنے رشتہ داروں کو کسی آزمائش میں نہ ڈالیں۔ ابو لہب کی اس شاطرانہ گفتگو کے باعث آپ ﷺ شرکاء محفل کو دعوت توحید نہ دے سکے تو آپ ﷺ نے دوسرے دن پھر دعوت کا اہتمام کیا، رشتے دار جمع ہوئے اور کھانے کے بعد جب آپ ﷺ نے بات کرنا چاہی تو ابو لہب نے پھر مداخلت کی اور وہاں موجود معززین سے کہنے لگا کہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ "محمد (ﷺ) نے تم سب پر جادو کر دیا ہے"۔ تم اسے روکتے کیوں نہیں ہو۔ اس ہنگامے کے باعث لوگ پھر اٹھ کر چلے گئے

اور نبی محترم ﷺ ان تک پیغام توحید نہ پہنچا سکے۔ تیسرے دن پھر آپ ﷺ نے کھانا پکوایا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے اپنے اعزہ واقارب کو "دعوت طعام" دی، لوگ کھانا کھانے کے لیے پھر جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے کھانے سے فارغ ہوتے ہی موقع کی مناسبت سے ایک جاندار اور شاندار تقریر فرمائی، آپ ﷺ کا وہ خطاب ذی شان ہی ہم آپ کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ إِنِّي وَاللهِ مَا أَعْلَمُ شَابًّا مِنَ الْعَرَبِ جَاءَ قَوْمَهُ بِأَفْضَلَ مِنْ مَا جِئْتُكُمْ بِهِ. أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِأَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»[1]

"اے عبد المطلب کی اولاد! اللہ کی قسم! میں عرب کے کسی ایسے نوجوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس اس سے افضل واعلیٰ چیز لایا ہو، جو میں تمہارے پاس لایا ہوں۔ یقیناً میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کے معاملات میں خیر اور بھلائی لے کر آیا ہوں"۔

آپ ان الفاظ رسول پر غور فرمائیں کہ ان میں کیسا درد، نصیحت اور خیر خواہی پائی جاتی ہے اور محبوب مکرم ﷺ نے موقع کی مناسبت سے کیسے خوبصورت، پر درد اور محبت سے لبریز الفاظ اور جملوں کا انتخاب فرمایا ہے۔

خطیب باکمال اور مقرر بے مثال جناب محمد مصطفیٰ ﷺ وقت، موقع اور حالات کی مناسبت سے اپنی تقریر اور خطاب کے لیے موضوع اور الفاظ کا انتخاب کیسی دقت نظر اور خوبصورتی سے کرتے اور تبلیغ و وعظ کے لیے اپنے دور کے مروجہ طریقے کیسی مہارت سے استعمال فرماتے تھے؟ آیئے! اس بات کو سمجھنے کے لیے صحیح بخاری شریف سے ایک واقعہ کا مطالعہ کرتے تھے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ رسول ﷺ!

---

[1] البدایۃ والنہایۃ، 3/53، باب الامر بابلاغ الرسالۃ الی الخاص والعام

﴿وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعراء:214)

"اور (اے رسول ﷺ) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں"

تو رسول محترم ﷺ ایک دن کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو خبر دار کرتے ہوئے بلند آواز سے فرمایا:

يَا صَبَاحَاهُ! "لوگو! صبح کی آواز غور سے سنو"۔

یہ اہل عرب کا طریقہ تھا کہ وہ عوام کو دشمن کے حملے سے آگاہ کرنے کے لیے کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر یہ آواز لگایا کرتے تھے، اہل مکہ آپ ﷺ کی یہ صدا سن کر دوڑتے ہوئے آئے کہ معلوم کریں، محمد ﷺ کس خطرے سے آگاہ کر رہے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی مجبوری کے باعث خود نہ آ سکا تو اس نے صورت حال معلوم کرنے کے لیے اپنا نمائندہ بھیج دیا۔ جب اہل مکہ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے اپنے خطاب کا آغاز سوالیہ اور استفہامیہ انداز میں فرمایا، ارشاد ہوا۔ اے مکہ والو!

«أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ، أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟»

"تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے کے لیے نکلنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟"

آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر تمام سامعین نے بیک آواز جواب دیا:

"مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا"

"ہم نے کبھی آپ سے جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا"۔

یعنی ہم نے آپ کی زبان سے ہمیشہ سچ ہی سنا ہے۔ لہٰذا اگر آپ ہمیں اطلاع دیں اور کسی دوسرے ذریعے سے اس خبر کی تصدیق نہ بھی ہو تو ہم آپ کی بات پر اعتماد و اعتبار کریں گے کہ یقیناً دشمن کا لشکر ہم پر حملہ کرنے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ آپ ﷺ نے عوام کی اس

تصدیق و تائید کے بعد اپنی حیثیت واضح کرتے ہوئے فرمایا:

«فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ» [1]

”میں تمہیں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا یعنی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں“۔

آپ ﷺ کا کوہ صفا پر خطاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے متعدد مقامات پر مختلف الفاظ سے بیان ہوا ہے، ہم نے صرف ایک حدیث مبارکہ کے الفاظ پر اکتفا کرتے ہوئے یہ بات بتانے کی کوشش کی ہے کہ کائنات کے سب سے بڑے اور کامیاب ترین خطیب جناب محمد کریم ﷺ وقت، موقع اور حالات کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے اپنے خطاب کا موضوع منتخب فرماتے تھے اور انتہائی جچے تلے اور مختصر الفاظ میں موضوع کا پورا حق ادا فرماتے تھے۔

۶۔ دوران خطاب حرکات و سکنات:

ہمارے آقا جناب محمد ﷺ اپنے خطاب، تقریر اور وعظ کے دوران حسب ضرورت اپنے جسمانی اعضاء کو حرکت دیتے، انگشت شہادت سے اشارہ فرماتے اور اپنی انگلیوں کو ملایا کرتے تھے۔ عام طور پر خطبہ جمعہ کے دوران آپ ﷺ اپنی شہادت والی انگلی کو بلند فرماتے اور اسی سے اشارہ کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ سیدنا عمارہ بن رؤیبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

«لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيدُ عَلَى أَنْ يَقُولَ بِيَدِهِ هٰكَذَا، وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ» [2]

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ کے ساتھ اس سے زیادہ اشارہ نہیں کرتے تھے اور اپنی شہادت والی انگلی سے اشارہ کیا“۔

آپ ﷺ بسا اوقات سامعین کو عملی طور پر بات سمجھانے کے لیے انگشت شہادت اور ساتھ والی انگلی ملا لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ جناب سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

---

(1) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ تبت ید ابی لھب و تب: 4971

(2) صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلاۃ: 874

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَأَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا» وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى، وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا» (1)

"میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح قریب ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی شہادت والی اور درمیان والی انگلیوں سے اشارہ کیا اور دونوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا"۔

رسول محترم ﷺ نے ایک بار جب دوران تقریر قیامت اور علامات قیامت کا تذکرہ فرمایا تو سامعین کو سمجھانے کے لیے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر فرمایا:

«بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ هٰكَذَا» وَيُشِيرُ بِإِصْبَعَيْهِ فَيَمُدُّ بِهِمَا» (2)

"میں اور قیامت اتنے نزدیک و قریب بھیجے گئے ہیں۔ اور آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ فرمایا، پھر ان دونوں (انگلیوں) کو پھیلا دیا"۔

یعنی آپ ﷺ نے اپنی زبان کے الفاظ اور انگلیوں کے اشارے سے واضح فرمایا کہ اب میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی، پیغمبر اور رسول نہیں آئے گا۔

اس حدیث سے بھی اس امر کی صراحت ہو گئی کہ امام الرسل ﷺ اپنے خطاب، وعظ اور تقریر میں اشارات سے کام لیتے تھے تاکہ سننے اور دیکھنے والوں کو بات پوری طرح سمجھ آ جائے۔ آپ ﷺ کا دوران خطاب اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں داخل کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا» وَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ» (3)

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب اللعان: 5304

(2) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی ﷺ انا و الساعة کھاتین: 6503

(3) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب تشبیک الاصابع فی المسجد: 481

"بے شک ہر صاحب ایمان، دوسرے مومن کے لیے ایک عمارت کی طرح ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تقویت کا باعث ہوتا ہے۔ اور آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں داخل کر دیا"۔

یعنی تمام اہل ایمان کو ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر باہمی محبت و الفت سے رہنا چاہیے اور جس طرح عمارت کے پتھر اور اینٹیں ایک دوسرے کی مضبوطی، طاقت اور قوت کا سبب بنتے اور ایک دوسرے کو تھامے رکھتے ہیں اسی طرح تمام مسلمانوں کو بھی ایک دوسرے کا معاون، ہم درد اور تقویت کا باعث ہونا چاہیے۔

ہم ان احادیث و روایات اور سرور عالم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے واقعات کی روشنی میں عرض یہ کرنا چاہتے ہیں کہ نبی معظم ﷺ اپنی تقریر اور خطاب کو مؤثر بنانے، سامعین کو ذہن نشین کروانے اور بات کو پوری طرح سمجھانے کے لیے حسب ضرورت اپنے ہاتھوں، انگلیوں اور دیگر اعضاء سے اشارات کر لیا کرتے تھے کیونکہ خطاب کو پر اثر بنانے اور سامعین کو متوجہ رکھنے کے لیے یہ ضروری چیز ہے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کی سیرت پاک سے ایک اور واقعہ پڑھیے اور غور فرمایئے کہ آپ ﷺ خطبے، خطاب اور تقریر کے دوران اپنے ہاتھوں کو کیسے بلند فرماتے تھے۔ صحابیِ رسول سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے ازد قبیلہ کے ایک شخص ابن الاتبیہ کو زکاۃ کی وصولی کے لیے عامل بنا کر بنو سلیم کی طرف روانہ فرمایا۔ جب وہ اپنے کام سے فراغت کے بعد واپس آیا تو آپ ﷺ نے اس کے ساتھ حساب کیا۔ وہ کہنے لگا آپ لوگوں کا ہے اور یہ مال و اشیاء مجھے ہدیہ اور تحفہ دی گئی ہیں۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: اگر تم لوگوں کے ہاں اتنے ہی مقبول و محبوب ہو تو اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہیں بیٹھے رہے کہ ہم دیکھتے تمہارے پاس کتنے تحائف آتے ہیں"۔

پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اعلان کروا کے مسجد میں جمع کیا، منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور پر درد خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّي أَسْتَعْمِلُ الرَّجُلَ مِنْكُمْ عَلَى الْعَمَلِ مِمَّا وَلَّانِي اللهُ، فَيَأْتِي فَيَقُولُ: هٰذَا مَالُكُمْ وَهٰذَا هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي، أَفَلَا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ، وَاللهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ مِنْكُمْ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ إِلَّا لَقِيَ اللهَ يَحْمِلُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَلَأَعْرِفَنَّ أَحَدًا مِنْكُمْ لَقِيَ اللهَ يَحْمِلُ بَعِيرًا لَهُ رُغَاءٌ، أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةً تَيْعَرُ " ثُمَّ رَفَعَ يَدَهُ حَتَّى رُئِيَ بَيَاضُ إِبْطِهِ، يَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ»[1]

”اما بعد! میں تم سے کسی شخص کو ایسے کام پر عامل (نگران) مقرر کرتا ہوں، جس کا انتظام وانصرام اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد فرمایا ہے۔ جب وہ شخص اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے بعد واپس آتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ مال تمہارا ہے اور یہ وہ تحائف وہدایا ہیں جو مجھے دے گئے ہیں اگر ایسا شخص اپنے دعوے میں سچا ہے تو اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا کہ اس کے تحائف اس کے پاس پہنچ جاتے۔ اللہ کی قسم! تم میں سے جو شخص بھی اس مال میں سے کوئی چیز ناحق وصول کرے گا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حال میں حاضر ہو گا کہ اس نے اونٹ اٹھایا ہو گا جو بلبلا رہا ہو گا۔ یا گائے اٹھا رکھی ہو گی جو ڈکرا رہی ہو گی، یا بکری اٹھائی ہو گی جو ممیا رہی ہو گی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو اتنا اوپر اٹھایا کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ آپ ﷺ نے (دو یا تین بار) فرمایا: اے اللہ! کیا میں نے (تیرا پیغام لوگوں تک) پہنچا دیا“۔

آپ نے غور فرمایا کہ اس حدیث مبارکہ میں سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے رسول

[1] صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب تحریم ھدایا العمال :1832؛ صحیح بخاری، کتاب الھبة:2597

اکرم ﷺ کے خطاب کے دوران اپنے دونوں ہاتھوں کو کافی اوپر تک اٹھانے کا ذکر فرمایا ہے۔

۷۔ اشارۃً وکنایۃً بات سمجھانا:

ہمارے محبوب مکرم ﷺ شرم و حیا کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، اس لیے عام گفتگو اور خطاب و تقریر میں شرم و حیا کے منافی کوئی لفظ اپنی زبان مبارک سے ادا نہیں فرماتے تھے۔ ایسے احکام ومسائل جنہیں صراحۃً اور وضاحۃً بیان کرنا شرم و حیا کے خلاف ہو، آپ ﷺ انہیں اشارات وکنایات میں بیان فرمادیتے جس سے سامعین مسئلہ کی نوعیت اور حقیقت بھی پوری طرح سمجھ جاتے اور آپ ﷺ کی زبان نبوت ثقیل الفاظ کی ادائیگی سے بھی محفوظ رہتی۔ آیئے بطور مثال صحیح بخاری شریف سے ایک حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

جناب رفاعۃ القرظی رضی اللہ عنہ کی (مطلقہ) بیوی (تمیمہ بنت وہب) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ رفاعہ قرظی نے مجھے حتمی (تیسری) طلاق دے کر اپنی زوجیت سے فارغ کر دیا تو میں نے (بعد از عدت) عبدالرحمان بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کر لیا ہے مگر اس میں وظیفہ زوجیت ادا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے بلکہ وہ تو چادر کے پلو کی طرح ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی بات سن کر فرمایا:

«أَتُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؛ لَا، حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ»[1]

”کیا تم چاہتی ہو کہ تم دوبارہ رفاعہ سے نکاح کر کے اس کے پاس واپس چلی جاؤ۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا جب تک تم اس (عبدالرحمان) کا اور وہ تمہارا ذائقہ نہ چکھ لے“۔

آپ غور فرمائیں کہ خطیب الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے کیسے اشارے کنایے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب شهادة المختبى: 2639

میں ساری بات سمجھادی کہ جب تک یہ شرط پوری نہیں ہو گی اس وقت تک تمہارا پہلے خاوند سے نکاح درست نہیں ہو گا۔

نماز جیسی اہم عبادت کو ادا کرنے کے لیے وضو ایک بنیادی شرط ہے اور ظاہری و باطنی طہارت و نظافت کے بغیر پڑھی گئی نماز دربار الٰہی میں مقبول و منظور نہیں ہوتی۔ جب مسلمان صبح نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اسے نماز فجر ادا کرنے کے لیے وضو کی ضرورت ہوتی ہے اس بارے میں نبی محترم ﷺ کا ایک فرمان ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ آپ ﷺ نے کیسے خوبصورت اشارے میں مسئلہ سمجھانے کا حق ادا فرمایا ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ، فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ»[1]

"جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو اس وقت تک اپنا ہاتھ وضو کے پانی والے برتن میں نہ ڈالے، جب تک اسے (ہاتھ کو) تین بار دھو نہ لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے"۔

"وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے"۔ سبحان اللہ۔ کیسا فصیح و بلیغ اور نادر و جامع جملہ ہے کہ آپ ﷺ نے حالت نیند میں ہاتھ کے ساتھ مس ہونے والے کسی عضو کا نام بھی نہیں لیا اور وضو والے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ دھونے کی پوری مصلحت اور حکمت بھی بیان فرمادی۔

۸۔ مثالوں سے وضاحت:

کائنات ہست و بود کے سب سے بڑے خطیب جناب محمد مصطفیٰ ﷺ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وعظ و نصیحت فرماتے تو بسا اوقات مثالوں سے اپنی بات کی وضاحت فرماتے

---

(1) صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب كراهة غمس المتوضى...: 278

تا کہ سامعین کو بات پوری طرح سمجھ آجائے اور حقیقت حال سے مکمل آگاہی ہو جائے۔ ہم اختصار کے ساتھ رسول مکرم ﷺ کی بیان فرمودہ چند مثالوں کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے اپنی اطاعت، اتباع اور فرماں برداری کے مسئلہ کو بڑی خوبصورت، عام فہم اور سادہ مثال سے واضح فرمایا: چنانچہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«جَاءَتْ مَلَائِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ العَيْنَ نَائِمَةٌ، وَالقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: إِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هٰذَا مَثَلًا، فَاضْرِبُوا لَهُ مَثَلًا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ العَيْنَ نَائِمَةٌ، وَالقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا، وَجَعَلَ فِيهَا مَأْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِيًا، فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَأَكَلَ مِنَ المَأْدُبَةِ، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ المَأْدُبَةِ، فَقَالُوا: أَوِّلُوهَا لَهُ يَفْقَهْهَا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ العَيْنَ نَائِمَةٌ، وَالقَلْبَ يَقْظَانُ»

”ایک مرتبہ فرشتوں کی ایک جماعت نبی مکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، جب کہ آپ حالت نیند میں تھے۔ تو ان میں سے بعض نے کہا کہ: وہ تو اس وقت سو رہے ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کی آنکھیں سو رہی ہیں اور دل تو جاگ رہا ہے، پھر ان فرشتوں نے کہا کہ تمہارے اس صاحب (یعنی محمد ﷺ) کی ایک مثال ہے پس تم ان کے لیے وہ مثال بیان کرو، اور اس کی وضاحت کرو۔ پھر ان فرشتوں میں کچھ نے پہلی بات دہرائی کہ یہ تو آرام فرما رہے ہیں (ان کو تمہاری بیان کردہ مثال کیسے سمجھ آئے گی) اور کچھ نے کہا کہ

ان کی آنکھیں آرام فرماہیں مگر ان کا دل بیدار ہے۔ (لہٰذا تم مثال بیان کرو۔ وہ پوری طرح سمجھ جائیں گے) تو انہوں نے کہا کہ اس رسول ﷺ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک (خوبصورت اور عالی شان) مکان تعمیر کیا اور اس میں ایک (وسیع و عریض) دستر خوان بچھایا (جس پر انواع واقسام کے کھانے چن دیے گئے) پھر اس نے ایک دعوت دینے والے شخص کو بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو عام دعوت دے کہ تمام لوگ آکر اس کا مکان دیکھیں، دستر خوان سے کھانا تناول کریں اور مالک مکان کی خوشنودی حاصل کریں۔ اب جو شخص اس پکارنے والے کی دعوت قبول کرلے گا وہ اس عالی شان محل میں داخل ہو گا۔ مالک مکان کے وسیع و عریض دستر خوان سے انواع واقسام کے کھانے کھائے گا اور اس سے مکان کا مالک راضی اور خوش بھی ہو گا۔ اور جو شخص داعی کی دعوت قبول نہیں کرے گا، وہ اس گھر میں داخل بھی نہیں ہو گا۔ وہاں کے دستر خوان سے کچھ کھا بھی نہیں سکے گا۔ اور مکان کا مالک اس سے راضی بھی نہیں ہو گا۔ جب یہ مثال بیان ہو چکی تو بعض فرشتوں نے تجویز دی کہ اب اس مثال کی وضاحت اور تشریح کرو، تاکہ وہ اسے پوری طرح سمجھ سکیں کہ اس مثال کا مقصد اور غرض و غایت کیا ہے تو اب پھر کچھ فرشتوں نے کہا کہ وہ تو حالت نیند میں ہیں (لہٰذا تشریح کا کوئی فائدہ نہیں ہے) اور کچھ نے کہا کہ ان کی آنکھیں سو رہی ہیں اور دل جاگ رہا ہے (لہٰذا وضاحت کرو، وہ پوری طرح سمجھ جائیں گے) چنانچہ مثال بیان کرنے والے فرشتوں نے مثال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

فَالدَّارُ الْجَنَّةُ، وَالدَّاعِي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ عَصَى اللهَ، وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ»[1]

"پس (خوب صورت اور عالی شان) گھر سے مراد "جنت" ہے۔ اور داعی یعنی بلانے والے سے مراد جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ لہٰذا جو شخص جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت کرے تو اس نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اور جس نے جناب محمد کریم ﷺ کی نافرمانی کی تو اس نے حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور محمد ﷺ تو لوگوں کے حق و باطل پر ہونے کا فیصلہ کرنے والی ذات ہے"۔

آپ اس مثال کے الفاظ پر غور فرمائیں کہ اس میں اس امر کی صراحت اور وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے جنت تیار فرمائی ہے اور اس جنت کی طرف دعوت دینے، بلانے اور پکارنے کے لیے رسول رحمت ﷺ کو بھیجا ہے اور جنت کے دستر خوان پر ہر قسم کی نعمتوں اور ماکولات و مشروبات کا اہتمام وانتظام فرمایا ہے۔ اب جو شخص امام الانبیاء ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ ﷺ کی اتباع، اطاعت اور فرماں برداری کرے گا، وہ جنت میں داخل ہو گا اس کی بے مثال نعمتوں سے لطف اندوز ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرے گا۔ اور جو بدنصیب آپ ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا وہ جنت کے قریب بھی نہیں جا سکے گا، جنت کی نعمتوں سے محروم رہے گا اور رضائے الٰہی کا اعزاز عظیم بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ شاعر نے بالکل سچ کہا ہے:

اگر جنت میں جانے کا ارادہ ہو تمامی کا
گلے میں پہن لو کرتا محمد کی غلامی کا

آپ حضرات اس امر سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ ہر دن اور رات میں ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد و عورت پر پانچ نمازیں فرض ہیں۔ نماز کے بے شمار فوائد و ثمرات اور نتائج و برکات میں سے ایک یہ ہے کہ نماز پنجگانہ کی بروقت اور صحیح ادائیگی سے نمازی کے گناہ بخش

[1] صحیح بخاری، کتاب الاعتصام والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ: 7281

دیے جاتے ہیں۔ رسول رحمت ﷺ نے نماز کے اس اہم فائدے کو اپنی زبان نبوت سے ایک بڑی خوبصورت مثال سے واضح فرمایا: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا مَا تَقُولُ: ذَالِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ " قَالُوا: لَا يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا قَالَ: «فَذَالِكَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، يَمْحُو اللهُ بِهِ الْخَطَايَا»[1]

"تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم میں سے کسی آدمی کے دروازے کے سامنے نہر بہتی ہو اور وہ اس نہر میں ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر میل رہ جائے گی؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، نہیں۔ ایک دن میں پانچ بار نہانے والے کے جسم پر تو میل کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ تو نبی محترم ﷺ نے فرمایا: یہی پانچ نمازوں کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نمازوں کی وجہ سے گناہ مٹا دیتا ہے"۔

حضرات! بحیثیت مسلمان ہم سب کا یہ عقیدہ ہے اور ہونا چاہیے کہ ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی، پیغمبر اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے۔ اب قیامت تو آسکتی ہے اور آئے گی مگر قیامت تک کوئی نبی، پیغمبر اور رسول نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا اور اسے نبی ماننے والا کافر، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب:40)

"اور لیکن وہ (محمد ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبیوں میں سے آخری نبی ہیں"۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب الصلوات الخمس کفارة: 528

نہ سنیا نہ ڈٹھا ہرگز مثل محمد کوئی
اوسے نبی محمد اتے ختم نبوت ہوئی

اپنے ایک خطاب میں ہمارے محبوب مکرم ﷺ نے اپنی ختم نبوت کے مسئلے کی مثال کے ذریعے بڑی خوبصورت تشریح فرمائی۔ چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي، كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ، إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ، وَيَعْجَبُونَ لَهُ، وَيَقُولُونَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ» [1]

”بلاشبہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی شخص نے بڑا خوبصورت اور عالی شان گھر بنایا اور اسے بہت زیادہ مزین کیا ہو، مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی ہو، پس لوگ اس مکان کو گھوم پھر کر دیکھتے ،اس کی تعریفیں کرتے اور متعجب ہوتے ہوں۔ اور حیران ہو کر کہتے ہوں کہ ”یہ اینٹ لگا کر اس محل کو مکمل کیوں نہیں کیا گیا ؟“۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: (نبوت کے محل کی) وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہوں“۔

غور فرمائیں کہ کائنات کے بے مثل و بے مثال خطیب جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے کیسے خوبصورت پیرائے اور اعلیٰ مثال کے ذریعے اپنی ختم نبوت کے مسئلے کی وضاحت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اس عظیم خطیب ورسول ﷺ پر لاتعداد درود و سلام نازل فرمائے۔

آیئے! زبان نبوت سے مومن اور منافق کی مثال بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری ،کتاب المناقب ،باب خاتم النبین: 3535

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الأُتْرُجَّةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ رِيحُهَا مُرٌّ وَطَعْمُهَا مُرٌّ»[1]

"اس مومن کی مثال جو قرآن مجید پڑھتا ہے سنگترے کی سی ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور ذائقہ بھی مزے دار ہے اور قرآن مجید نہ پڑھنے والے مومن کی مثال، اس کھجور جیسی ہے جس کی خوشبو تو کوئی نہیں ہے اور ذائقہ میٹھا ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے خوش بودار پودے کی سی ہے جس کی مہک تو اچھی ہے اور مزہ کڑوا ہے اور قرآن مجید نہ پڑھنے والے منافق کی مثال اندرائن کی طرح ہے جس کی بو بھی کڑوی اور ذائقہ بھی کڑوا ہے"۔

ہمارے علماء کرام، خطباء عظام اور واعظین و مبلغین کو چاہیے کہ وہ محبوب مکرم ﷺ جیسا انداز خطابت اپنانے کی کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

۹۔ اثر انگیزی:

نبی محترم ﷺ بڑی دل سوزی، اخلاص، ہمدردی اور محبت والفت سے لبریز الفاظ کے ساتھ وعظ و خطاب فرمایا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کا خطاب بڑا پر اثر، رقت آمیز اور اثر انگیز ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کی پر سوز تقریر سن کر پتھر سے پتھر دل انسان بھی چند

[1] جامع ترمذی، کتاب الامثال، باب ما جاء فی مثل المؤمن القارئ للقرآن و غیر القارئ: 2865، قال الالبانی، صحیح

لمحوں میں موم ہو جاتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے خطابات سن کر روتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

«وَعَظَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ»

"رسول اللہ ﷺ نے ایک دن نماز فجر کے بعد ہمیں ایسا اثر انگیز وعظ فرمایا جس سے لوگوں کی آنکھیں بھیگ گئیں اور دل کانپنے لگے"۔

یعنی آپ ﷺ کی تقریر میں ایسی تاثیر تھی کہ سامعین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور لوگوں کے دل لرزنے لگے۔ ایک شخص نے نہایت درد مندی سے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! آج تو آپ نے ایسا وعظ فرمایا ہے جیسا کوئی رخصت ہو کر جانے والا آخری بار نصیحت کرتا ہے تو فرمایئے کہ آپ ہمیں کیا وصیت فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ جواباً فرمایا:

«أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ يَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا. وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ فَمَنْ أَدْرَكَ ذَالِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ» [1]

"میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور امیر کا حکم بغور سننے اور اسے ماننے کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ پس صورت حال یہ ہے کہ تم میں سے جو آئندہ زندہ رہے گا، وہ (امت میں) بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا۔ پس تمہارے لیے لازم ہے کہ تم بدعات سے بچ کر رہنا کیونکہ وہ (بدعات) گمراہی ہیں پس جو ان حالات سے دوچار ہو تو اسے چاہیے وہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقے پر قائم رہے اور میری اس نصیحت کو اپنے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے تھام لے یعنی اس پر عمل

[1] جامع ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی الاخذ بالسنة.....: 2676،قال الالبانی ، صحیح

پیرا ہے"۔

۱۰۔ تکلفات سے پاک:

ہمارے آقا ﷺ کی زندگی ہر قسم کے تکلفات و تصنعات سے پاک تھی۔ خوراک، لباس، عبادت، ریاضت اور دیگر عادات کی طرح آپ ﷺ کے خطاب، تقریر اور وعظ میں بھی کسی قسم کا کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کو حکم دیا گیا:

﴿قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (ص:86)

"کہہ دیجیے میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں"۔

خلیفہ دوئم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ:

«نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ» [1]

"ہمیں ہر قسم کے تکلف سے منع کیا گیا ہے"۔

آپ ﷺ خطبہ، خطاب، وعظ اور تقریر بلکہ عام گفتگو میں بھی مقفٰی مسجّع عبارات، پر تکلف الفاظ اور اور بے جا طوالت کو ناپسند کرتے اور سادہ، عام فہم اور آسان انداز کو پسند فرماتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"قبیلہ ہذیل کی دو عورتوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تو ان میں ایک (ام عطیف) نے دوسری (ملیکہ) کو پتھر مار دیا جو اس کے پیٹ پر لگا اور اس چوٹ سے اس کے پیٹ کا بچہ فوت ہو گیا۔ دونوں فریق یہ مقدمہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لائے تو آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ پیٹ کے بچہ کی دیت ایک غلام یا ایک لونڈی ہے۔ تو پتھر مارنے والی عورت کے ولی (حمل بن مالک) نے کہا:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة ،باب ما یکرہ من کثرة السوال : 7293

«كَيْفَ أَغْرَمُ يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ لَا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ، وَلَا نَطَقَ وَلَا اسْتَهَلَّ، فَمِثْلُ ذَلِكَ يُطَلُّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّمَا هٰذَا مِنْ إِخْوَانِ الْكُهَّانِ» (1)

"اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اس کی دیت کیسے دوں، جس نے نہ پیا، نہ کھایا۔ نہ بولا اور نہ وقت ولادت چیخ ماری۔ ایسی صورت میں سے دیت نہیں ہونی چاہیے۔ آپ ﷺ نے اس کی (پر تکلف) گفتگو سن کر فرمایا: یہ شخص تو کاہنوں کا بھائی معلوم ہوتا ہے"۔

یعنی نبی محترم ﷺ نے مقفّیٰ اور مسجّع فقرات و کلمات کو ناپسند فرمایا اور اس کے مبنی بر تکلف الفاظ کا جواب دینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔ ایک حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے بے مقصد بولنے والے، تصنع اور بناوٹ سے کلام کرنے والے اور فخر و تکبر کرنے والے کو قابل نفرت قرار دیا ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا، وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُونَ وَالْمُتَشَدِّقُونَ وَالْمُتَفَيْهِقُونَ» (2)

"تم میں سے مجھے سب سے محبوب اور قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب بیٹھنے والے وہ لوگ ہیں جو تم سے بہترین اخلاق والے ہیں۔ اور میرے نزدیک سب سے زیادہ لائق نفرت اور قیامت کے دن مجھ سے زیادہ دور بیٹھنے والے وہ لوگ ہیں جو بلا احتیاط بولنے والے۔ زبان دراز اور تکبر کرنے والے ہیں"۔

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الکهانة: 5758

(2) جامع ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی معالی الاخلاق: 2018، قال الالبانی، صحیح

ان روایات اور احادیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کی خطابت ہر قسم کے تکلف سے منزہ، تصنع سے پاک اور بناوٹ سے مامون تھی۔ آپ ﷺ ہمیشہ سادہ، عام فہم اور دلوں میں اتر جانے والی گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ وعظ، تقریر اور خطاب کے معاملے میں بھی ہمیں آپ ﷺ کی تعلیم اور اسوہ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

اللہ تعالیٰ امت کے خطباء، واعظین اور مقررین کو "خطابت رسول" کو اسوہ اور نمونہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

نوٹ:

رسول اکرم ﷺ کی پُر تاثیر خطابت کے چند نمونے ان شاء اللہ العزیز اگلے مضمون میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

12

خطابتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (دوم)

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

تعریف و تحمید، تسبیح و تہلیل اور تقدیس و تمجید کے کلمات بابرکات صرف اور صرف خالق کبریا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہی خاص ہیں جس نے کل کائنات کو کلمہ کن سے تخلیق فرمایا لیکن انسان کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرما کر احسن تقویم کا مقام رفیع عطا فرمایا۔ زمین و زمان کی ہر چیز کو انسان کے لیے مطیع و مسخر فرمایا اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کا پابند فرمایا۔

لاتعداد و بے شمار درود و سلام سید البشر، خیر البشر اور اجمل البشر جناب احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر جنہیں رب العالمین نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور ذکر للعالمین جیسی کتاب مبین عطا کر ھدیٰ للعالمین کا شرف عظیم نصیب فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ ○ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ

تمہیدی کلمات:

اللہ رب العزت نے انسانیت کی رشد و راہنمائی کی خاطر رسول دوجہاں جناب محمد

مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی بعثت و تشریف آوری سے قبل باشند گان عرب جہالت و تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ توحید کی روشنی سے دنیا محروم ہو چکی تھی۔ شرک و بت پرستی عام تھی۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کیا جاتا تھا۔ ایک الٰہ کی عبادت کا سچا عقیدہ، عنقاء ہو چکا تھا۔ گھر گھر بت خانہ اور جگہ جگہ غیر اللہ کے معبد تعمیر ہو چکے تھے۔ معبودان باطلہ کو سر عام پوجا جاتا اور خانہ کعبہ کی دیوار پر بت نصب تھے۔ بقول مولانا الطاف حالی رحمۃ اللہ علیہ

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا کسی کا ھبل تھا کسی کا صفا تھا

یہ عزیٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا اسی طرح گھر گھر نیا ایک خدا تھا

نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور

اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

چنانچہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ راست پر چلانے کے لیے __ لوگوں کو توحید الٰہی کا بھولا ہوا سبق یاد کرانے کے لیے __ غیر اللہ کے پجاریوں کو ایک الٰہ کا پرستار بنانے کے لیے __ مظلوموں اور محکوموں کو ظلم و ستم سے بچانے کے لیے __ انسانوں کو جہنم کی راہ سے ہٹا کر جنت کے راستے پر گامزن کرنے کے لیے __ معاشرے کو ہر قسم کی افراط و تفریط سے محفوظ رکھنے کے لیے __ اور __ دنیا و آخرت کو پر سکون، پر راحت اور اطمینان بخش بنانے کے لیے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے محسن انسانیت، رہبر اعظم، پیغمبر اکرم اور نبی محترم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اور آپ ﷺ کے ساتھ نسبت اور تعلق رکھنے والوں کو پابند فرمایا کہ تم نے اپنی زندگی کے تمام معمولات و معاملات میرے رسول ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطابق انجام دینے ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے تمام اقوال، اعمال اور احوال اہل ایمان کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

لہٰذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی زندگی کے کسی انفرادی یا اجتماعی معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع سے گریز کرے بلکہ بحیثیت مسلمان وہ اس امر کا پابند ہے کہ:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر:7)

"اور رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دیں اسے پکڑ لو اور جس سے منع کریں تو اس سے رک جاؤ"۔

اس آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ شرعی اور دینی معاملات میں تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننا لازمی اور ضروری ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ،وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ» (1)

"پس جب میں تمہیں کسی بات سے منع کردوں تو اس سے رک جاؤ اور جب میں تمہیں کسی کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس پر عمل کرو"۔

جیسا کہ پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ رسول مکرم ﷺ کی مختلف حیثیتوں میں سے ایک اہم حیثیت داعی، مبلغ اور خطیب کی ہے اور آپ ﷺ کی بعثت و نبوت کا اہم اور بنیادی مقصد لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دینا اور احکام اسلام کی تبلیغ کرنا ہے اور خطابت تبلیغ ودعوت کا ایک جز ولاینفک ہے۔ آپ ﷺ خطیب کیسے تھے؟ آپ ﷺ کی خطابت کے لوازمات کیا تھے؟ رسول اللہ ﷺ کی خطابت کا انداز کیا تھا؟ اور آپ ﷺ کی خطابت کی خصوصیات کیا تھی؟ اس موضوع کی بنیادی باتیں ہم بتوفیق اللہ تعالیٰ پچھلے مضمون میں عرض کر چکے ہیں۔

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ: 7288

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ انقلاب اسلامی کے اولین داعی اور خطیب تھے۔ آپ ﷺ کی خطابت بڑی پر تاثیر اوراثر انگیز تھی ،وحی الٰہی اور دانش نبوی نے سرکار دوعالم ﷺ کی خطابت کو بے مثل وبے مثال بنادیا تھا۔ یہ آپ ﷺ کی خطابت ہی کا کمال اوراعجاز تھا کہ تیئس سال کے مختصر عرصے میں ایسے لاکھوں جاں نثاروں کی جماعت معرض وجود میں آئی جن میں سے ہر ایک آپ ﷺ کے اک اشارہ ابرو پر اپنامال،اولاد اور جان قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اس مضمون میں ہم ان شاء اللہ العزیز احادیث مبارکات اور سیرت طیبہ کے واقعات میں سے آپ ﷺ کے چند ایسے "خطابات و تقاریر" کا تذکرہ کرنے کی سعادت حاصل کریں گے جن خطابات نے ہواؤں کے رخ موڑ دیے،حالات کا دھارابدل دیااور لوگوں کے قلوب واذہان کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا۔

وفد قریش کے روبرو تقریر:

مکی زندگی میں رسول اکرم ﷺ کی دعوتی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے قریش مکہ نے ایڑی چوٹی کازور لگایا۔ کھلے عام تبلیغی سرگرمیوں کے ابتدائی دور میں قریش مکہ کے تین وفد یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کے عم محترم جناب ابو طالب کے پاس آئے۔ پہلے گیارہ رکنی وفد نے کہا:

> "اے ابوطالب! آپ کا بھتیجا محمد (ﷺ) ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے، ہمارے مذہب کو معیوب سمجھتا ہے۔ ہمیں بے وقوف کہتا ہے۔ ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ آپ اسے سمجھائیں کہ وہ ہمارے بزرگوں کو جاہل اور جہنمی قرار نہ دے اور اللہ تعالیٰ کی توحید ویکتائی کی تبلیغ بند کرے۔ اگر آپ اسے روک نہیں سکتے تو پھر آپ درمیان سے ہٹ جائیں، ہم اس سے خود نمٹ لیں گے"۔

جناب ابو طالب نے عتبہ ، شیبہ ، ابوسفیان، ابو جہل ،ولید اور عاص بن وائل وغیرہ پر

مشتمل اس وفد کو بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا اور انہیں مطمئن کر کے واپس بھیج دیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ توحید اور دعوت اسلام کا کام بدستور جاری رکھا تو مشرکین مکہ نے فیصلہ کیا کہ ہمیں ایک مرتبہ پھر ابو طالب کی وساطت سے آپ ﷺ کو توحید کی اشاعت سے روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ معززین کا ایک وفد دوبارہ ابو طالب کے پاس آیا اور تلخ لہجے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"اے ابو طالب! ہم آپ کی بزرگی، عمر اور شرافت کی وجہ سے آپ کا احترام کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ آپ نے ہمارے مطالبے کے باوجود اپنے بھتیجے کو منفی سرگرمیوں سے نہیں روکا۔ وہ اسی طرح ہمارے معبودوں کی مسلسل توہین کر رہا ہے، ہمارے بزرگوں کو دوزخی قرار دیتا ہے۔ اور ہمیں احمق گردانتا ہے۔ اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور ہم اس توحید و رسالت کی تبلیغ کرنے کی کسی صورت اجازت نہیں دے سکتے۔ آپ محمد (ﷺ) کو روک لیں ورنہ ہم آپ دونوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے۔ اور یاد رکھیں یہ جنگ دونوں فریقوں میں سے ایک کی مکمل تباہی تک جاری رہے گی"۔

وفد قریش کی جارحانہ گفتگو سننے کے بعد جناب ابو طالب نے آدمی بھیج کر رسول اللہ ﷺ کو بھی اسی مجلس میں بلا لیا۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو ابو طالب نے آپ ﷺ سے فرمایا:

«يَا ابْنَ أَخِي مَا تُرِيدُ مِنْ قَوْمِكَ؟»

"اے میرے بھتیجے! آپ اپنی قوم سے کیا چاہتے ہیں؟"۔

آپ ﷺ نے نہایت ادب واحترام مگر پر وقار انداز میں فرمایا:

« إِنِّي أُرِيدُ مِنْهُمْ كَلِمَةً وَاحِدَةً تَدِينُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ، وَتُؤَدِّي

---

[1] السيرة النبويه لابن هشام، وفد قريش مع ابى طالب فى شان الرسول ﷺ، 1/365

إِلَيْهِمُ الْعَجَمُ الْجِزْيَةَ»

"میں ان سے صرف ایک ایسا کلمہ کہلوانا اور تسلیم کروانا چاہتا ہوں کہ اگر یہ لوگ اسے قبول کر لیں تو اس کلمے کی بدولت پورا عرب ان کا فرماں بردار ہو جائے گا اور عجم کے لوگ انہیں جزیہ ادا کریں گے"۔

انہوں نے پوچھا صرف ایک کلمہ ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، صرف ایک کلمہ ، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا عَمِّ يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ»

"اے چچا محترم! آپ لوگ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ آپ لوگ کہہ دیجئے"۔

آپ ﷺ کا یہ خوف صورت فرمان سن کر وفد کے تمام ارکان بیک زبان بولے ہیں:

"إِلٰهًا وَاحِدًا مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ. قَالَ: فَنَزَلَ فِيهِمُ الْقُرْآنُ: {ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ}، إِلَى قَوْلِهِ: {مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ} "[1]

"کیا ہم ایک اللہ کو مان لیں؟ یہ بات ہم نے کسی دوسرے دین میں نہیں سنی، یہ تو محض گھڑی ہوئی بات ہے (لہٰذا ہم اس بات کو کسی صورت تسلیم نہیں کر سکتے) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیات نازل فرمائیں۔ اس نصیحت والے قرآن کی قسم! بلکہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، وہ تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا تو انہوں نے پکارا۔ اور وہ بچ نکلنے کا وقت نہیں تھا۔ اور انہوں نے اس پر تعجب کیا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈرانے والا (نبی) آیا، اور

[1] جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن ،باب ومن سورة ص: 3232،قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح و ذکر الالبانی فی السلسلة الصحیحة تحت الحدیث: 92

کافروں نے کہا کہ یہ جھوٹا، جادو گر ہے۔ کیا اس نے تمام معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنالیا ہے۔ بے شک یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اور ان کے سردار یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ، چلو اور اپنے معبودوں (کی عبادت پر) ڈٹے رہو، بے شک اس میں تو کوئی ارادہ (مطلب) ہے۔ ہم نے تو یہ (توحید کی) بات پچھلے کسی دین میں نہیں سنی، یہ تو صرف ایک من گھڑت بات ہے"۔

آپ نے غور فرمایا کہ بے باک خطیب اور نڈر داعی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے وفد قریش کے روبرو کس جرأت، بلند حوصلگی اور نرالے انداز میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے موضوع پر اعلیٰ تقریر فرمائی اور مشرکین مکہ کے منہ بند کر دیے اور وہ یہ کہتے ہوئے سردار ابو طالب کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ إِنْ هٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ

چچا کے سامنے اعلان حق:

وفد قریش کے روبرو، نبی محترم ﷺ کی جرأت مندانہ تقریر کے بعد دن بدن حالات خراب ہوتے جا رہے تھے اور رسول اکرم ﷺ کی جان بھی شدید خطرے میں تھی کہ ایک دن آپ ﷺ کے عم محترم جناب ابو طالب نے سرور کونین ﷺ کو اپنے پاس بلایا اور اپنے قریب بٹھا کر بڑی نرمی، محبت اور شفقت سے کہا:

"پیارے بھتیجے! آپ پوری طرح باخبر ہیں کہ میں نے تمہیں پال پوس کر جوان کیا ہے، اپنی حقیقی اولاد سے زیادہ آپ کا خیال رکھا ہے، مجھے آپ سے بے پناہ محبت ہے اور اب تک ہر معاملے میں میں نے آپ کی حمایت، تحفظ اور دفاع کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اب حالات اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ پوری قوم ایک طرف ہے اور دوسری طرف صرف آپ اور میں... ظاہر ہے کہ میں اکیلا تمام لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا آپ اپنے رویے میں تبدیلی کریں، حالات کی نزاکت اور سنگینی کو سمجھنے کی کوشش کریں، اپنے آپ اور مجھ

پر رحم کریں اور مجھ پر ایسا اور اتنا بوجھ نہ ڈالیں جسے اٹھانے کی میں ہمت اور طاقت نہیں رکھتا"۔

آپ جانتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے والد محترم آپ کی ولادت سے قبل ہی فوت ہو چکے تھے، چھ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ بھی داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ آٹھ سال کی عمر میں شفیق و مہربان دادا بھی آخرت کو سدھار گئے تھے۔ اعلان نبوت کے بعد ساری برادری، قوم اور قبیلہ سب مخالف بلکہ جانی دشمن بن گئے تھے۔ صرف ایک ابو طالب ہی تھے جو اب تک حفاظت اور دفاع کی ذمہ داری نبھا رہے تھے۔ مگر آج انہوں نے بھی کہہ دیا۔ بھتیجے!"میں تیری حفاظت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، میرے بڑھاپے پر ترس کھاؤ، میری عزت کا خیال رکھو اور مجھے مزید آزمائش اور امتحان میں مبتلا نہ کرو"۔

شاعر اسلام جناب حفیظ جالندھری کے الفاظ میں چچا نے کہا۔

تم اپنے دین کی تلقین کو رہنے دو، جانے دو
بڑھاپے میں ہماری شان پر دھبہ نہ آنے دو
میں بوڑھا ہوں، اکیلا کل عرب سے لڑ نہیں سکتا
میں اڑ بھی جاؤں تو، سارا قبیلہ اڑ نہیں سکتا

شفیق و مہربانی چچا کی یہ باتیں سن کر رسول محترم ﷺ کا دل بھر آیا، ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے، آپ ﷺ نے اپنی نظروں کو چچا محترم کے چہرے کی طرف اٹھایا، آبدیدہ نگاہوں مگر پر وقار لہجے میں فرمایا:

"عم محترم! میں آپ کی شفقت، محبت، حمایت اور مدافعت پر آپ کا شکر گزار اور ممنون ہوں، مگر یاد رکھیے میں تبلیغ توحید، اشاعت اسلام اور دعوت حق کا مشن کسی صورت ترک نہیں کر سکتا اور قریش مکہ کی مخالفت مجھے اعلان توحید سے کسی صورت روک نہیں سکتی، اگر آپ میرا ساتھ دیں تو آپ کی مہربانی۔ اور اگر آپ حالات سے مجبور ہو کر مجھے پہلی سی محبت نہ دے سکیں تو مجھے آپ

سے کوئی شکوہ اور شکایت نہیں ہے ،باقی رہی مشرکین مکہ کے ظلم و ستم، مخالفت اور دشمنی کی بات تو، چچا جان! میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان تو قربان کر سکتا ہوں مگر توحید کی اشاعت و تبلیغ سے باز نہیں آسکتا"۔

سیرت نبوی کو اشعار میں بیان کرنے والے نامور شاعر جناب حفیظ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر رسول اکرم ﷺ کے الفاظ و جذبات کو یوں شعری جامہ پہنایا ہے کہ:

چچا کے دامن شفقت کو جب ہٹتا ہوا پایا
تو ہو کر آبدیدہ ،ہادی برحق نے فرمایا

جفا و ظلم کی آندھی چلے،طوفان آ جائیں
مٹانے کو میرے ،شداد اور ہامان آ جائیں

کسی دھمکی ،کسی ڈر سے، میرا دل گھٹ نہیں سکتا
مجھے یہ فرض ادا کرنا ہے ، اس سے ہٹ نہیں سکتا

اور اگر قریش مکہ کا یہ خیال ہے کہ میں تبلیغ توحید اور اشاعت اسلام کا یہ کام کسی دنیاوی غرض، طمع یالالچ کے لیے کر رہا ہوں تو:

«يَا عَمِّ،وَاللهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي،وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلَى أَنْ أَتْرُكَ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللهُ، أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ،مَا تَرَكْتُهُ»

"چچا جان! اگر وہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں اور مجھ سے توقع کریں کہ میں دعوت حق کا کام ترک کر دوں گا۔ تو یہ ناممکن ہے میں دین کی دعوت کا یہ کام کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو غالب کر دے یا میں اس راستے میں اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو جاؤں"۔

جالندھری مرحوم کے الفاظ میں۔

میرے ہاتھ میں لاکر چاند سورج بھی اگر رکھ دیں
میرے پاؤں روئے زمین کا مال وزر رکھ دیں
خدا کے کام سے میں باز ، ہرگز رہ نہیں سکتا
یہ بت جھوٹے ہیں، میں جھوٹوں کو سچا کہہ نہیں سکتا

چچا کے سامنے یہ اعلان حق کرنے کے بعد رسول اکرم ﷺ اشک بار آنکھوں کے ساتھ وہاں سے اٹھے اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے، تو چچا کا دل بھی پسیج گیا، انہوں نے آواز دے کر آپ کو بلایا، آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو ابو طالب نے کہا:

"اِذْهَبْ يَا بْنَ أَخِي، فَقُلْ مَا أَحْبَبْتَ، فَوَ اللهِ لَا أُسْلِمُكَ لِشَيْءٍ أَبَدًا" [1]

"میرے بھتیجے! جاؤ، جو تمہیں پسند ہے اس کی تبلیغ کرو، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تمہیں کبھی کسی کے حوالے نہیں کروں گا"۔

آپ، امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی بے باک خطابت اور باکمال انداز تقریر پر غور فرمائیں کہ آپ ﷺ نے کس جرات و بسالت اور شجاعت و بہادری کے ساتھ اپنے مؤقف کو واضح فرمایا اور واشگاف الفاظ میں اعلان فرمادیا کہ۔

کیا غم ہے جو ساری خدائی ہو مخالف
کافی ہے ،اگر ایک خدا میرے لیے ہے

ضماد ازدی اور خطبہ رسول:

ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ قبیلہ "ازد شنوءہ" سے تعلق رکھتے تھے، ماہر طبیب اور معالج تھے، طب ،دم اور جھاڑ پھونک سے لوگوں کا علاج کیا کرتے تھے۔ اعلانیہ تبلیغ کے ابتدائی دور میں یہ ایک

[1] السيرة النبويه لابن هشام ،طلب ابى طالب الى الرسول ﷺ الكف عن الدعوة و جوابه له، 1/366

مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو مکہ کے بعض احمق اور بے وقوف لوگوں نے ان سے کہا:

إِنَّ مُحَمَّدًا مَجْنُونٌ "محمد (ﷺ) کو تو جنون کا مرض لاحق ہو گیا ہے"۔

ضماد کو اپنے طریقہ علاج پر بڑا اعتماد تھا اور وہ کئی آسیب زدہ لوگوں کا علاج بھی کر چکے تھے۔ اور وہ اعلان نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ سے متعارف اور واقف تھے۔ جب انہوں نے لوگوں کی زبانی رسول اکرم ﷺ کی بیماری کے بارے میں سنا تو کہنے لگے۔

"لَوْ أَنِّي رَأَيْتُ هٰذَا الرَّجُلَ لَعَلَّ اللّٰهَ يَشْفِيهِ عَلٰى يَدَيَّ"

"اگر میں اس شخص (محمد ﷺ) کو دیکھ لوں، یعنی ان کا معائنہ کر لوں (اور علاج کروں) تو شائد اللہ تعالیٰ انہیں میرے ہاتھوں شفا عطا فرمادے"۔

چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

"يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَرْقِي مِنْ هٰذِهِ الرِّيحِ، وَإِنَّ اللّٰهَ يَشْفِي عَلٰى يَدِي مَنْ شَاءَ، فَهَلْ لَكَ؟"

"اے محمد (ﷺ) میں اس نظر نہ آنے والی بیماری (جنون) کا دم کے ذریعے علاج کرتا ہوں اور بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے میرے ہاتھ سے شفا عطا فرما دیتا ہے۔ کیا میں آپ کو دم کروں؟"۔

ضماد کی یہ باتیں سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے مجھ سے تفصیل تو سن لیں۔ اس نے کہا، ضرور بتایئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَمَّا بَعْدُ»

"بے شک تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، ہم اس کی تعریف کرتے اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ چھوڑ دے اسے کوئی ہدایت نہیں

دے سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بر حق معبود نہیں ہے،
وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور بے شک محمد (ﷺ) اس (اللہ
تعالیٰ) کے بندے اور اس کے رسول ہیں اس کے بعد!"۔

ابھی آپ ﷺ کچھ کہنے ہی والے تھے کہ یہ بابرکت کلمات سن کر ضماد پکار اٹھا۔

"أَعِدْ عَلَيَّ كَلِمَاتِكَ هٰؤُلَاءِ" "اپنے یہ کلمات مجھے دوبارہ سنائیے"۔

رسول اکرم ﷺ نے اس کی درخواست کو قبول فرما کر "خطبہ مسنونہ" کے یہ کلمات اسے دوبارہ سنائے تو اس نے پھر اپیل کر دی کہ آقا: ایک بار پھر دہرائیے۔ اس طرح آپ ﷺ نے تین مرتبہ خطبہ مبارکہ کے الفاظ دہرائے اور ضماد کو بار بار سنائے۔ وہ ان کلمات کو سن کر از حد متاثر ہوا اور کہنے لگا:

"لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ، وَقَوْلَ السَّحَرَةِ، وَقَوْلَ الشُّعَرَاءِ فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ كَلِمَاتِكَ هٰؤُلَاءِ، وَلَقَدْ بَلَغْنَ نَاعُوسَ الْبَحْرِ"

"میں نے کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کا کلام سنا ہے لیکن میں نے آج تک آپ کے کلمات جیسے الفاظ کبھی نہیں سنے، ان کلمات میں تو (فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے) سمندر جیسی گہرائی پائی جاتی ہے"۔

رسول مکرم ﷺ کی زبان نبوت سے نکلے ہوئے موتیوں جیسے الفاظ سن کر وہ آپ کا علاج کرنے کی بجائے اپنا علاج کروانے پر مجبور ہو گیا اور انتہائی لجاجت سے عرض کی، آقا!

"هَاتِ يَدَكَ أُبَايِعْكَ عَلَى الْإِسْلَامِ، قَالَ: فَبَايَعَهُ"

"ہاتھ بڑھائیے! میں آپ کے دست مبارک پر بیعت کر کے اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں (آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھایا) تو اس نے آپ ﷺ کی بیعت کر لی"۔ (1)

(1) صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة: 868

اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے خطبے، تقریر اور وعظ و نصیحت میں کیا تاثیر رکھی تھی کہ بزعم خود آپ ﷺ کا علاج کرنے کی غرض سے آنے والا حکیم حاذق اور طبیب ماہر آپ ﷺ کے مختصر خطبے سے ایسا متاثر ہوا کہ اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور صحابیت کا شرف عظیم حاصل کر لیا۔ سبحان اللہ

مدینہ طیبہ میں پہلا خطبہ جمعہ:

رسول مکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے قبل چند دن "وادی قباء" میں قیام فرمایا۔ یہاں آپ ﷺ نے ایک مسجد تعمیر کروائی جسے دنیا "مسجد قباء" کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ یہاں سے آپ ﷺ اپنے رفقاء کے ہمراہ جمعہ کے دن مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں بنو سالم بن عوف کے محلے میں پہلا جمعہ پڑھایا۔ اس موقع پر مدینہ طیبہ سے استقبال کے لیے آئے ہوئے لوگوں سمیت شرکاء کی تعداد تقریباً ایک سو (100) تھی۔ اس جگہ پر آج ایک عظیم الشان اور خوبصورت مسجد ہے، جسے "مسجد جمعہ" کہا جاتا ہے۔ یہاں آپ ﷺ جو خطبہ ارشاد فرمایا ہے۔ وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات پر مشتمل ہے۔

آیئے! سرزمین مدینہ میں آپ ﷺ کے پہلے خطبہ جمعہ کا مطالعہ کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، أَحْمَدُهُ وَأَسْتَعِينُهُ، وَأَسْتَغْفِرُهُ وَأَسْتَهْدِيهِ، وَأُومِنُ بِهِ وَلَا أَكْفُرُهُ، وَأُعَادِي مَنْ يَكْفُرُهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَرْسَلَهُ بِالْهُدٰى وَالنُّورِ وَالْمَوْعِظَةِ، عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ، وَقِلَّةٍ مِنَ الْعِلْمِ، وَضَلَالَةٍ مِّنَ النَّاسِ، وَانْقِطَاعٍ مِنَ الزَّمَانِ، وَدُنُوٍّ مِنَ السَّاعَةِ، وَقُرْبٍ مِنَ الْأَجَلِ، مَنْ يُطِعِ

اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوَى وَفَرَّطَ، وَضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا [وَأُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ. فَإِنَّهُ خَيْرُ مَا أَوْصَى بِهِ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ] أَنْ يَحُضَّهُ عَلَى الْآخِرَةِ، وَأَنْ يَأْمُرَهُ بِتَقْوَى اللهِ، فَاحْذَرُوا مَا حَذَّرَكُمُ اللهُ مِنْ نَفْسِهِ، وَلَا أَفْضَلَ مِنْ ذَالِكَ نَصِيحَةً، وَلَا أَفْضَلَ مِنْ ذَالِكَ ذِكْرًا، وَإِنَّ تَقْوَى اللهِ لِمَنْ عَمِلَ بِهِ عَلَى وَجَلٍ وَمَخَافَةٍ مِنْ رَبِّهِ، عَوْنُ صِدْقٍ عَلَى مَا تَبْغُونَ مِنْ أَمْرِ الْآخِرَةِ وَمَنْ يُصْلِحُ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ مِنْ أَمْرِهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، لَا يَنْوِي بِذَالِكَ إِلَّا وَجْهَ اللهِ يَكُنْ لَهُ ذِكْرًا فِي عَاجِلِ أَمْرِهِ، وَذُخْرًا فِيمَا بَعْدَ الْمَوْتِ،] حِينَ يَفْتَقِرُ الْمَرْءُ إِلَى مَا قَدَّمَ، وَمَا كَانَ مِنْ سِوَى ذَالِكَ يَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَداً بَعِيداً، وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهُ، وَاللهُ رَؤُفٌ بِالْعِبادِ.

وَالَّذِي صَدَقَ قَوْلَهُ، وَأَنْجَزَ وَعْدَهُ، لَا خُلْفَ لِذَالِكَ، فَإِنَّهُ يَقُولُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ﴾ فَاتَّقُوا اللهَ فِي عَاجِلِ أَمْرِكُمْ وَآجِلِهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ اللهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ، وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا، وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا وَإِنَّ تَقْوَى اللهِ يُوقِي مَقْتَهُ، وَيُوقِي عُقُوبَتَهُ، وَيُوقِي سَخَطَهُ، وَإِنَّ تَقْوَى اللهِ يُبَيِّضُ الْوُجُوهَ، وَيُرْضِي الرَّبَّ، وَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ.

خُذُوا بِحَظِّكُمْ، وَلَا تُفَرِّطُوا فِي جَنْبِ اللهِ، قَدْ عَلَّمَكُمُ اللهُ كِتَابَهُ، وَنَهَجَ لَكُمْ سَبِيلَهُ، لِيَعْلَمَ الَّذِينَ صَدَقُوا

وَيَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ فَأَحْسِنُوْا كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكُمْ، وَ عَادُوْا أَعْدَاءَهُ، وَجَاهِدُوْا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَسَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ، لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ، وَيَحْيَا مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ، وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ [فَأَكْثِرُوا ذِكْرَ اللهِ، وَاعْمَلُوْا لِمَا بَعْدَ الْيَوْمِ،] [فَإِنَّهُ مَنْ يُصْلِحْ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ يَكْفِهِ اللهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ،] ذَالِكَ بِأَنَّ اللهَ يَقْضِي عَلَى النَّاسِ وَلَا يَقْضُونَ عَلَيْهِ، وَيَمْلِكُ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ اَللهُ أَكْبَرُ، وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَظِيمِ»[1]

"حمد و ستائش اللہ کے لیے ہے۔ میں اس کی حمد کرتا ہوں۔ اسی سے مدد، بخشش اور ہدایت چاہتا ہوں۔ اُسی پر میرا ایمان ہے۔ میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی کرنے والوں سے عداوت رکھتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور بے شک محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اسی نے محمد (ﷺ) کو ہدایت، نور اور نصیحت کے ساتھ ایسے زمانے میں بھیجا ہے جب کہ مدتوں سے دنیا میں کوئی رسول نہیں آیا تھا، علم کم ہو گیا اور گمراہی بڑھ گئی تھی۔ اسے آخری زمانے میں قیامت کے قریب اور موت کی نزدیکی کے وقت بھیجا گیا۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے ،وہی ہدایت پاتا ہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ بھٹک گیا، اس نے کوتاہی کی اور دور کی گمراہی میں پھنس گیا۔

(مسلمانو!) میں تمہیں اللہ سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔ بہترین وصیت جو مسلمان، مسلمان کو کر سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اسے آخرت کے لیے آمادہ کرے

---

[1] تاریخ الطبری ،خطبہ رسول اللہ ﷺ فی اول جمعۃ جمعہا بالمدینۃ، جلد2، ص:394-396

اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دے۔ لوگو! اللہ نے تمہیں جو اپنی ذات سے ڈرایا ہے ، اس سے ڈرو۔ اس سے بڑھ کر کوئی نصیحت ہے نہ اس سے بڑھ کر کوئی ذکر ہے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ سے ڈر کے عمل کرنے والے کے لیے، تقویٰ امور آخرت کے بارے میں بہترین مددگار ثابت ہو گا۔ اور جب کوئی شخص اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ خفیہ و ظاہر میں درست کر لے اور ایسا کرنے میں اس کی نیت خالص ہو تو ایسا کرنا اس کے لیے دنیا میں ذکر اور موت کے بعد، جب انسان کو اعمال کی ضرورت و قدر معلوم ہو گی، ذخیرہ بن جائے گا۔

لیکن اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو "وہ پسند کرے گا کہ اس کے اور اس کے اعمال کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا۔ اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے"۔ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو سچ جانا اور اس کے وعدوں کو پورا کیا تو اس کے بارے میں یہ ارشادِ الٰہی موجود ہے:

﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ (ق:29)

"ہمارے ہاں بات کو تبدیل نہیں کیا جاتا اور ہم اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتے"۔

مسلمانو! اپنے موجودہ اور آیندہ، ظاہر اور خفیہ کاموں میں اللہ تعالیٰ کے ڈر کو پیش نظر رکھو! کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے تو وہ اس سے اس کی برائیاں دور کر دیتا ہے اور اسے زیادہ اجر دیتا ہے۔ تقویٰ والے وہ ہیں جو بہت بڑی مراد کو پہنچ جائیں گے۔ یہ تقویٰ ہی ہے جو اللہ کی بیزاری، عذاب اور غصہ کو دور کر دیتا ہے۔ یہ تقویٰ ہی ہے جو چہرہ کو روشن، پروردگار کو خوش اور درجات کو بلند کرتا ہے۔

مسلمانو! (دنیا سے) اپنا حصہ وصول کرو مگر حقوق الٰہی میں کوتاہی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے تم کو اپنی کتاب سکھائی اور اپنا راستہ دکھایا ہے تاکہ وہ سچ

بولنے والوں اور غلط بیانی کرنے والوں کو ظاہر کر دے۔ لوگو! اللہ نے تمہارے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا ہے، تم بھی لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرو اور جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں، انہیں دشمن سمجھو اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں پوری ہمت اور توجہ سے کوشش کرو۔ اسی نے تم کو برگزیدہ بنایا اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ ہلاک ہونے والا بھی روشن دلائل پر ہلاک ہو اور زندگی پانے والا بھی روشن دلائل پر زندگی گزارے اور سب نیکیاں اللہ کی مدد سے ہی ہوتی ہیں۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور آئندہ زندگی کے لیے عمل کرو، کیونکہ جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان کا معاملہ درست کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملات کو درست کر دیتا ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ بندوں پر حکم چلاتا ہے اور اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا۔ اللہ بندوں کا مالک ہے اور بندوں کو اس پر کچھ اختیار نہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے اور ہم کو (نیکی کرنے کی) طاقت اسی عظمت والے سے ہی ملتی ہے"۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ خطبہ اگرچہ مندرجات کے اعتبار سے قدرے طویل ہے مگر مضمون کا تسلسل، الفاظ کی ترتیب، قرآنی آیات سے استدلال، فقرات کی بناوٹ، جدا جدا جملے، فصاحت و بلاغت، بیان و ادا کی لطافت اور انداز تکلم سے لحاظ سے یہ ایک بے مثل و بے مثال اور لاجواب و باکمال خطبہ ہے۔ جس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی، آپ ﷺ نے سرزمین مدینہ کے اس پہلے خطبہ جمعہ میں جو موضوعات بیان فرمائے۔ ان کی فہرست یوں مرتب کی جاسکتی ہے۔

۱۔ اللہ کی حمد و ثناء اور توحید الٰہی کا اثبات۔

۲۔ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اور عبدیت کا اعلان۔

۳۔ اطاعت و اتباع رسول کی اہمیت و فضیلت۔

۴۔ تقویٰ اور پرہیز گاری کی نصیحت و تلقین۔

۵۔ آخرت کی یاد دہانی اور موت کی فکر۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی کی وسعت۔

۷۔ ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ ڈرنے کا حکم۔

۸۔ حقوق الٰہی کو ادا کرنے کا حکم۔

۹۔ قرآن مجید کی صداقت و حقانیت۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے کی ترغیب۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

مسجد نبوی میں خطاب اور اپیل:

ہمارے محبوب مکرم ﷺ موقع کی مناسبت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے روبرو خطاب اور تقریر فرماتے اور حسب ضرورت اپنے خطاب عام میں "چندے کی اپیل" بھی کرتے تھے اور رفقاء رسول اپنی استطاعت کے مطابق آپ ﷺ کی اپیل کو حکم سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرتے اور آپ ﷺ کی توقع سے زیادہ مال اور اشیاء جمع فرما دیتے تھے۔ چنانچہ سیدنا جریر رضی اللہ عنہ واقعہ بیان فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ ہم دن کے ابتدائی حصے میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ﷺ کے پاس کچھ لوگ آئے جو ننگے پاؤں اور ننگے بدن تھے ان کے گلوں میں لٹکی ہوئی چادروں اور عباؤں میں بھی سوراخ تھے یعنی وضع قطع، شکل وصورت اور لباس سے ان کی غربت واضح نظر آ رہی تھی۔ البتہ اپنی گردنوں میں تلواریں لٹکائے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر بلکہ سب کا تعلق "قبیلہ مضر" سے تھا۔ ان کی غربت، افلاس اور فاقہ زدگی کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا رخ انور غم زدہ ہو گیا۔ آپ ﷺ بے قراری، بے چینی اور پریشانی کی حالت میں حجرہ پاک میں تشریف لے گئے مگر جلد ہی واپس آ گئے۔ اتنے میں ظہر کی اذان کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے جناب اذان اور اقامت کا حکم فرمایا۔ نماز ظہر سے فارغ ہو کر آپ منبر پر جلوہ افروز

ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب فرمایا"۔

آپ ﷺ نے اپنے خطاب کے آغاز میں حسب سابق اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور قرآن مجید کی یہ دو آیات مبارکات تلاوت فرمائیں۔

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ (النساء:1)

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (الحشر:18)

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ اور رشتوں (کو توڑنے) سے بھی (ڈرو) بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے"۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل (قیامت) کے لیے آگے کیا بھیجا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے"۔

قرآن حکیم کی یہ دو آیات، پر سوز آواز میں تلاوت کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِنْ دِيْنَارِهٖ، مِنْ دِرْهَمِهٖ، مِنْ ثَوْبِهٖ، مِنْ صَاعِ بُرِّهٖ، مِنْ صَاعِ تَمْرِهٖ- حَتّٰى قَالَ- وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ»

"ہر آدمی پر لازم ہے کہ وہ اپنے دینار سے، اپنے درہم سے، اپنے کپڑے سے، اپنی گندم کے ایک صاع سے، اپنی کھجور کے ایک صاع سے، حتیٰ کہ کھجور کے ایک ٹکڑے سے صدقہ کرے"۔

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ دوران خطاب آپ کا یہ حکم سن کر سب سے پہلے ایک انصاری صحابی (دراہم، دنانیر اور سامان سے) بھری ہوئی ایک تھیلی لے کر حاضر ہوئے، وہ تھیلی اتنی وزنی تھی کہ اس انصاری کے ہاتھ کی ہتھیلی اس کا بوجھ برداشت کرنے سے عاجز آ گئی تھی۔ پھر دوسرے لوگ یکے بعد دیگرے سازوسامان لے کر حاضر ہونے لگے۔ یہاں تک مسجد نبوی میں کھانے اور کپڑوں کے الگ الگ دو ڈھیر لگ گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک سونے کی طرح چمک اور دمک رہا تھا، جب غرباء، مساکین، محتاجوں اور مسافروں کے لیے اتنا کچھ جمع ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ جو ابھی تک منبر پر ہی تشریف فرما تھے... نے فرمایا:

«مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ»[1]

”جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا تو اس کے لیے اس کے اپنے عمل کا اجر ہے اور بعد میں عمل کرنے والوں کے اجر کے برابر بھی ثواب ہے بغیر اس کے ان کے اجر میں کوئی کمی کی جائے۔ اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس کا بوجھ اسی پر ہے اور ان کا بوجھ بھی جنہوں نے اس کے بعد اس پر عمل کیا، بغیر اس کے کہ ان کے بوجھ میں کوئی کمی ہو“۔

یہ آپ ﷺ کا ایک خطاب ہے جو آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں ارشاد فرمایا جس کے ایک ایک لفظ سے خلوص، ہمدردی، خیر خواہی، غم خواری اور غم گساری ٹپک رہی ہے اور آپ ﷺ اس وقت منبر سے نیچے تشریف نہیں لائے جب تک آنے والے وفد کی تمام ضرورتوں کا انتظام و انصرام نہیں ہو گیا نیز یہ آپ ﷺ کے خطاب اور تقریر کی تاثیر تھی

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث فی الصدقۃ: 1017

کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حکم رسول پر عمل کرتے ہوئے مسجد نبوی میں سامان خور و نوش اور کپڑوں کے ڈھیر لگا دیے۔

خطبہ فتح مکہ:

8 ہجری رمضان المبارک میں فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، تاریخ خطابت اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی و کبریائی، معبودان باطلہ کی بے بسی اور بے کسی، شکر الٰہی کے خوبصورت کلمات، کعبۃ اللہ کی عزت و حرمت، جاہلیت کے تعصبات اور نخوتوں کا خاتمہ اور خون کے پیاسوں کے لیے معافی کا عام اعلان، ایسے اہم موضوعات بیان فرمائے کہ انسان انہیں پڑھ اور سن کر دنگ رہ جاتا ہے کہ فاتح اعظم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہی حوصلہ، صبر، ہمت، برداشت اور عفو و درگزر ہے کہ

سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

آپ ذرا تصور فرمائیں کہ دس ہزار جاں نثاروں کا لشکر جرار آپ کے ساتھ ہے، اگر آپ چاہتے تو مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتے تھے، جوش انتقام سے مغلوب ہو کر دشمنوں کا نام و نشان مٹا سکتے تھے، قتل و غارت کا بازار گرم کر سکتے تھے، ہر طرف تباہی اور بربادی مچا سکتے تھے اور ایک ایک مشرک کا سر تن سے جدا کروا سکتے تھے۔ مگر آپ ﷺ نے اس موقع پر اپنے دشمنوں کے ساتھ کس محبت، شفقت اور رحمت کا سلوک کیا؟ اس کا ایک مختصر سا خاکہ ہم اپنی کتاب "خطبات سیرت مصطفیٰ جلد اول" میں رحمت مصطفیٰ کے زیر عنوان پیش کر چکے ہیں۔ یہاں ہم فتح مکہ کے موقع پر صرف رسول اکرم ﷺ کے "تاریخی خطبے اور تقریر" کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ داخل ہونے کے بعد آپ ﷺ سیدھے خانہ کعبہ میں

تشریف لے گئے۔ بیت اللہ کے اندر آپ ﷺ نے "نماز شکرانہ" ادا فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے گھر کو بتوں سے پاک اور صاف کرنے کے بعد کعبۃ اللہ کے دروازے کی سیڑھی پر کھڑے ہوگئے۔ سامنے انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر رہے، دس ہزار فداکاروں کے علاوہ اہل مکہ کی کثیر تعداد بھی جمع ہے۔ اور لوگ منتظر ہیں کہ دیکھیں آپ ﷺ کی طرف سے کیا فرمان جاری ہوتا ہے کیونکہ اس وقت تقریباوہ تمام لوگ سامنے گردنیں جھکائے کھڑے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو شاعر، کذاب، جادوگر اور مجنون کہا، آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے، آپ اور آپ کے رفقاء کو تین سال شعب ابی طالب میں محصور رکھا۔ آپ کے صاحبزادوں کی موت پر خوشیاں منائیں۔ آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو گرم ریت پر لٹایا۔ جناب خباب رضی اللہ عنہ کے نیچے دہکتے کوئلے بچھائے۔ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کے جسم کو دولخت کیا۔ آل یاسر پر ظلم وستم کی انتہا کی۔ آپ اور آپ کے رفقاء کی جائیدادوں پر قبضہ کیا۔ سیدنا حمزہ کو شہید کیا، میدان احد میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سمیت ستر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتل کیا اور کروایا۔

کائنات دم بخود، لوگ حیران وپریشان اور اپنے وبیگانے منتظر اور مضطرب کہ نامعلوم کیا حکم جاری ہوا چاہتا ہے۔ اچانک آپ ﷺ نے اپنے مبارک لبوں کو جنبش دی اور نبوت کی بارعب اور پروقار آواز میں درج ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ» أَلَا إِنَّ كُلَّ مَأْثُرَةٍ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تُذْكَرُ وَتُدْعَى مِنْ دَمٍ، أَوْ مَالٍ تَحْتَ قَدَمَيَّ، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ سِقَايَةِ الْحَاجِّ، وَسِدَانَةِ الْبَيْتِ» ثُمَّ قَالَ: " أَلَا إِنَّ دِيَةَ الْخَطَإِ شِبْهِ الْعَمْدِ مَا كَانَ بِالسَّوْطِ، وَالْعَصَا، مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ: مِنْهَا أَرْبَعُونَ فِي بُطُونِ أَوْلَادِهَا» [1]

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس نے اپنا وعدہ سچا کر دیا۔

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، باب فی دیۃ الخطا شبہ العمد: 4547، قال الالبانی، حسن

اس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) کی مدد کی۔ اور اس اکیلے نے ہی تمام گروہوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔ خبردار! جاہلیت میں ذکر کیے جانے والے تمام مفاخر یا خون اور مالی مطالبات میرے قدموں تلے روند دیے گئے ہیں یعنی ان کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی ان کا کوئی مطالبہ کیا جائے گا۔ سوائے اس کے کہ حاجیوں کو پانی پلانے کی سعادت اور بیت اللہ کی خدمت کا شرف باقی رہے گا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار! قتل خطا قتل عمد کے مشابہ ہے جو کوڑے یا لاٹھی سے مارا گیا ہو۔ اس کی دیت سو اونٹ ہے۔ ان میں چالیس ایسی اونٹنیاں ہوں گی جن کے پیٹ میں بچے ہوں"۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں یہ بھی کہا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الجَاهِلِيَّةِ وَتَعَاظُمَهَا بِآبَائِهَا، فَالنَّاسُ رَجُلَانِ: بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى اللهِ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللهِ، وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ، وَخَلَقَ اللهُ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ، قَالَ اللهُ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾»[1]

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کا فخر و غرور اور خاندانی تکبر ختم کر دیا ہے اب صرف دو طرح کے لوگ ہیں۔ (1) نیکوکار، پرہیزگار اور اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز و محترم۔ (2) گناہ گار، بدکار اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں بے قدر اور ذلیل۔ سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد (آدمی ایک اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا، اور ہم نے ہی

[1] جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب من سورۃ الحجرات: 3270، قال الالبانی، صحیح

تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، پوری طرح باخبر ہے"۔

جناب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ والے دن اپنے خطبے میں یہ کلمات بھی فرمائے:

«أَقُولُ هٰذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللهَ لِي وَلَكُمْ»[1]

"میں نے یہی کہنا تھا اور میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں"۔

انسانیت کی عزت و تکریم کے اعلان، اللہ تعالیٰ کے اختیارات کی وسعت کے بیان، زمانہ جاہلیت کی رسموں کے خاتمے، نیک و بد کی حقیقت سمجھانے اور مساوات انسانی کا درس دینے کے بعد آپ ﷺ سرداران قریش کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، مَا تَرَوْنَ أَنِّي فَاعِلٌ فِيكُمْ ؟»

"اے گروہ قریش! تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں"۔

اب دشمنان اسلام کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ہمارے ہاتھوں ظلم و ستم کی چکی میں پسنے والے آج تلواریں لہراتے ہوئے فتح مندی کی خوشی کے ساتھ ہمارے سروں پہ کھڑے ہیں اور ہماری گردنیں اڑانے کے لیے ایک اشارہ رسول کے منتظر ہیں۔ جب رسول محترم ﷺ نے کفار قریش سے ان کے مستقبل کے حوالے سے سوال کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور زیادہ مستعد ہو گئے۔ ان حالات میں قریش مکہ نے لڑکھڑاتی زبانوں، خشک ہونٹوں اور اداس لہجوں کے ساتھ عرض کی۔ آقا! ہمیں آپ سے بہتر سلوک کی توقع ہے کیونکہ:

---

(1) صحيح ابن حبان، كتاب الحج، باب دخول مكة :3828،قال شعيب الارناؤط ،اسناده صحيح

«أَخٌ كَرِيمٌ، وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ»

"آپ ﷺ بڑے کریم النفس اور قابل قدر بھائی ہیں اور ہمارے محترم و مکرم اور عزیز بھائی کے صاحبزادے ہیں"۔[1]

اسی دوران سردار مکہ ابو سفیان آگے بڑھا اور رسول محترم ﷺ سے مخاطب ہو کر بولا:

"ہمیں اپنے جرائم اور مظالم کا اعتراف اور آپ کی عظمت و فضیلت اور عزت کا اقرار ہے۔ آج ہم آپ کے سامنے وہی بات کہتے ہیں جو برادران یوسف نے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام سے معافی مانگتے ہوئے کہی تھی:

﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ﴾ (یوسف:91)

"انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور بلاشبہ ہم خطاکار و گناہ گار ہیں"۔

رسول رحمت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم برادران یوسف کی طرح اپنی خطاؤں کا اقرار اور میری عظمت و فضیلت کا اظہار کرتے ہو تو میں بھی جناب یوسف علیہ السلام کی طرح تم سب کے لیے "عام معافی" کا اعلان کرتا ہوں اور اپنی زبان سے وہی الفاظ ادا کرتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾

(یوسف : 92)

"اس نے کہا آج میری طرف سے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تم سب کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے"۔[2]

---

(1) السيرة النبوية لابن هشام ،طواف الرسول البيت،412/2

(2) زاد المعاد، فصل فی الفتح الاعظم:162/2

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے اس "عدیم المثال خطبے" سے جہاں آپ ﷺ کے خطیبانہ اوصاف کا اظہار ہوتا ہے، وہاں آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق، رحمت و شفقت، دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک اور عفو و درگزر جیسی خوبیاں اور صفات جلیلہ بھی واضح ہوتی ہیں۔

خطبہ حنین:

غزوہ حنین کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو جو مال غنیمت عطا فرمایا آپ ﷺ نے نبوی حکمت اور مصلحت کی بنا پر وہ نئے مسلمان ہونے والوں میں تقسیم فرما دیا۔ (وَلَمْ يُعْطِ الْأَنْصَارَ شَيْئًا) اور انصاریوں کو کچھ بھی نہ دیا۔ (انصار کے نوجوانوں اس حکمت نبوی کو سمجھ نہ سکے) اور انہوں نے آپ کے اس فیصلے پر اضطراب کا اظہار کیا۔ بعض نوجوانوں نے یہاں تک کہہ کیا کہ

«يَغْفِرُ اللهُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي قُرَيْشًا وَ يَدَعُنَا وَسُيُوفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِهِمْ»

"اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی مغفرت فرمائے۔ آپ نے قریش کو مال غنیمت عنایت فرمادیا اور ہمیں چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ ابھی ہماری تلواروں سے دشمنوں کا خون بہہ رہا ہے (یعنی میدان جہاد میں ہماری خدمات زیادہ ہیں اور ہمیں محروم کر کے قریشیوں کو نوازا جارہا ہے)"۔

جب رسول پاک ﷺ کو انصاری نوجوانوں کی ان چہ میگوئیوں کی اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے انصاریوں کو ایک خیمے میں جمع ہونے کا حکم فرمایا۔ جب انصار مدینہ اکٹھے ہو گئے تو سرور عالم ﷺ وہاں تشریف لائے اور انصار سے فرمایا۔ «مَا كَانَ حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكُمْ» "تمہاری جو بات مجھ تک پہنچی ہے کیا وہ صحیح ہے؟"۔

انصار کے بزرگوں نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول بعض نوجوانوں نے کم عمری اور

ناتجربہ کاری کی بنا پر کچھ باتیں کی ہیں۔ ہم میں سے کسی تجربہ کار، عمر رسیدہ اور ذمے دار شخص نے کوئی بات نہیں کی اب رسول اللہ ﷺ کارکنوں کی غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے۔ صورت حال کی وضاحت کے لئے اور اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا، جسے "خطبہ حنین" کہا جاتا ہے۔

اس خطبہ اور تقریر میں آپ ﷺ انصار کی فضیلت، عظمت اور حیثیت واضح فرمانے کے علاوہ نبوی حکمتوں اور مصلحتوں کی حقیقت بیان فرمائی اور تقسیم غنائم پر کیے جانے والے اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیتے ہوئے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ، أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللهُ بِي، وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللهُ بِي»

"اے انصار مدینہ! کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے ہدایت نصیب فرمائی۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن اور مخالف تھے تو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہارے درمیان الفت اور محبت پیدا فرمائی۔ اور تم محتاج و تنگدست تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں مال دار اور غنی بنادیا"۔

انصار مدینہ آپ ﷺ کی تقریر کے ایک ایک جملے پر کہتے ہاں! ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بڑے احسان مند ہیں اور اللہ کریم اور اس کے رسول ﷺ کا ہم پر بڑا فضل و کرم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (لَوْ شِئْتُمْ لَقُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا) اگر تم چاہتے ہو تو مجھے یہ جواب دے سکتے ہو کہ۔ اے اللہ کے رسول! جب آپ ہمارے پاس آئے تو لوگ آپ کو جھٹلا رہے تھے۔ ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ بے یار و مددگار تھے، ہم نے آپ کی مدد کی۔ آپ کو اپنے وطن سے نکال دیا گیا تھا ہم نے جگہ فراہم کی۔ آپ غم زدہ اور پریشان تھے، ہم نے آپ کی غمگساری اور غمخواری کی۔ اے انصاریو! تم دنیا کی اس عارضی دولت کے لیے مجھ سے ناراض ہو رہے ہو جس کے ذریعے میں نے نئے مسلمانوں کی

دلجوئی کی ہے اور انہیں اسلام پر پختہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اے گروہ انصار!

«أَلَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالبَعِيرِ، وَتَذْهَبُونَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى رِحَالِكُمْ»

''کیا تم اس فیصلہ پر راضی نہیں ہو کہ لوگ تو اپنے گھروں کو اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم جب یہاں سے جاؤ تو اللہ کے نبی کو ساتھ لے کر جاؤ۔ اللہ کی قسم جو چیز تم ساتھ لے کر جاؤ گے وہ اس سے بہتر ہے جو وہ لے کر دائیں گے۔''

لوک گھراں نوں لے کر جاون اُوٹھ تے بکریاں گائیں
تسیں گھراں نوں لے کر جاؤ حوض کوثر سائیں

آپ ذرا تصور فرمائیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی زبان اقدس سے یہ کلمات اور فقرے سن کر انصار مدینہ کے دل پر کیا گزری ہو گی؟ کیا ان کے دل پسیج نہ گئے ہوں گے؟ کیا ان کی آنکھیں ڈبڈبا نہ گئی ہوں گی؟ کیا ان کے جذبات بے قابو نہ گئے ہوں گے؟ میرا احساس تو یہ ہے کہ یہ الفاظ کہتے ہوئے اللہ کے نبی ﷺ بھی رو رہے ہوں گے۔ اور انصار کا ہر فرد بھی آنسو بہا رہا ہو گا۔ سیرۃ ابن ہشام میں لکھا ہے کہ رحمت عالم ﷺ کا یہ خطاب سن کر انصار اتنا روئے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔

خطیب الانبیاء ﷺ کی پر تاثیر تقریر سن کر تمام انصاریوں نے بیک زبان اور بآواز بلند اعلان کر دیا۔ قَدْ رَضِينَا۔ ہم اس فیصلہ رسول پر راضی ہیں۔ قَدْ رَضِينَا۔ ہم راضی ہیں۔ قَدْ رَضِينَا۔ ہم خوش ہیں کہ لوگ اپنے گھروں کو مال غنیمت لے کر جائیں اور ہم اپنے محبوب اور اللہ کے رسول ﷺ کو ساتھ لے کر جائیں گے۔ جب سوگوار ماحول میں خوشگواری آئی تو نبی محترم ﷺ نے فرمایا: «لَوْلَا الهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ الأَنْصَارِ» اگر ہجرت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں بھی گروہ انصار کا ایک فرد ہوتا۔ «وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَشِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الأَنْصَارِ وَشِعْبَهَا» اور اگر لوگ کسی

گھاٹی یا وادی میں چلیں اور انصار دوسری راہ پر چلیں تو میں انصاریوں کے ساتھ ان کے راستہ پر چلوں گا۔ انصار تو میرے لیے اس کپڑے کی مانند ہیں جو ہر وقت جسم کے ساتھ لگا رہتا ہے ۔اور دوسرے لوگ اوپر والے کپڑے کی طرح ہیں۔ فرمایا انصاریو! یہ تو اتنا سخت فیصلہ نہیں ہے جس پر تم نالاں اور مضطرب ہو گئے ہو۔ «سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أُثْرَةً » میرے بعد تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی۔ تم حالات سے دلبرداشتہ نہ ہو جانا۔ «فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الحَوْضِ» صبر کا مظاہرہ کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پہ میری اور تمہاری ملاقات ہو جائے۔ اور جب تم میدان حشر میں آؤ گے تو «فَإِنِّي عَلَى الحَوْضِ» میں حوض کوثر پہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں گا۔[1]

خطبہ حجۃ الوداع:

حقیقت یہ ہے کہ سرور کونین ﷺ کا ہر خطبہ، خطاب اور تقریر ہی بے مثل و باکمال ہے لیکن 10 ہجری کو حج کے موقع پر ارشاد فرمایا گیا "خطبہ حجۃ الوداع" انسانی تاریخ کا بے نظیر و بے مثال خطبہ ہے جس میں سرکار دوعالم ﷺ نے بڑے خوب صورت، شاندار اور جاندار اسلوب میں اسلام کے انفرادی اور اجتماعی نظام کا خلاصہ بیان فرمادیا ہے۔ یہ خطبہ انسانی زندگی کے معاشی، معاشرتی، سیاسی، فکری، دینی اور رفاہی پہلوؤں کی وضاحت کرتا ہے۔ اس خطبہ میں ہمارے آقا ﷺ نے بڑے ایجاز و اعجاز اور اختصار کے ساتھ خاندان کی بنیادی اکائی، مرد و عورت کے حقوق و فرائض سے لے کر اجتماعی زندگی کے مسائل کو حل کرنے کے اصول و ضوابط کی طرف رہنمائی فرمادی ہے۔ خطبہ حجہ الوداع میں محسن انسانیت ﷺ نے انسانوں کے بنیادی حقوق بڑی شرح وسط سے بیان فرمائے اور عورتوں، غلاموں، ملازموں اور ماتحتوں کے حقوق کی تفصیل سے بھی امت کو آگاہ فرمایا دیا۔

خطبہ حجۃ الوداع ایک اہم تاریخی دستاویز اور "حقوق انسانی کا چارٹر" ہے جس کی

---

(1) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف: 4330-4334

تفصیلات احادیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں جنہیں محدثین، مؤرخین اور سیرت نگاروں نے اپنی اپنی تحقیقات کے مطابق اپنی تصانیف میں جمع فرمایا ہے۔ ''خطبہ حجۃ الوداع'' کے نام سے جو مواد مختلف احادیث و روایات میں دستیاب ہے۔ یہ دراصل آپ ﷺ کے تین خطبات ہیں جو آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر نو ذی الحجہ سے لے کر بارہ ذی الحجہ تک مختلف مقامات پر ارشاد فرمائے۔ جنہیں موضوعات کی موافقت ،الفاظ کی مماثلت اور بعض احکام و مسائل میں مطابقت کی بناء پر ہمارے بعض سیرت نگاروں نے ایک ہی جگہ پر ''خطبہ حجۃ الوداع'' کے نام سے جمع فرمادیا ہے۔ ہم ان شاء اللہ العزیز ان تینوں ''خطبات مصطفیٰ ﷺ'' کو الگ الگ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ حدیث کی معتبر اور مستند کتاب صحیح مسلم کے شارح امام یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ الوداع کے ایام میں رسول اللہ ﷺ کی تقاریر کو چار مستقل خطبات قرار دیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"وَخُطَبُ الْحَجِّ الْمَشْرُوعَةُ عِنْدَنَا أَرْبَعٌ أَوَّلُهَا بِمَكَّةَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ فِي الْيَوْمِ السَّابِعِ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ وَالثَّانِيَةُ بِنَمِرَةَ يَوْمَ عَرَفَةَ وَالثَّالِثَةُ بِمِنًى يَوْمَ النَّحْرِ وَالرَّابِعَةُ بِمِنًى فِي الثَّانِي مِنْ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ وَكُلُّهَا خُطْبَةٌ فَرْدَةٌ"[1]

''ہمارے نزدیک یہ چار مسنون خطبات ہیں (1) پہلا سات ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ میں کعبۃ اللہ کے قریب۔ (2) عرفہ کے دن وادی نمرہ میں۔ (3) میدان منیٰ میں قربانی کے دن یعنی دس ذوالحجہ کو۔ (4) ایام التشریق کے دوسرے دن یعنی بارہ ذوالحجہ کو (وادی منیٰ میں) اور یہ سارے الگ الگ خطبات ہیں۔''

سات ذوالحجہ کے خطاب رسول کے بارے میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ:

"كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ قَبْلَ التَّرْوِيَةِ

[1] المنهاج فی شرح صحیح مسلم، کتاب الحج ، باب تقدیم الذبح علی الرمی: 1306

خَطَبَ النَّاسَ، فَأَخْبَرَهُمْ بِمَنَاسِكِهِمْ "[1]

"رسول اللہ ﷺ نے یوم الترویہ یعنی آٹھ ذوالحجہ سے پہلے (سات ذوالحجہ) کولوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انہیں مناسک حج کے بارے میں معلومات فراہم فرمائیں"۔

خطبہ یوم عرفہ:

9 ذوالحجہ 10 ہجری بروز جمعہ کو میدان عرفات کی وادی نمرہ میں ارشاد فرمایا جانے والا یہی وہ اصل خطبہ ہے جسے "خطبہ حجۃ الوداع" کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ خطبہ بڑا جامع، انتہائی مؤثر اور عظیم خطبہ ہے جس میں آپ ﷺ نے متعدد موضوعات پر اظہار فرمایا، خصوصاً اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات، شرک کی مذمت زمانہ جاہلیت کے رواجوں کی تردید، انسانیت کا شرف، سود کا خاتمہ اور عورتوں کے حقوق جیسے اہم مسائل بیان فرمائے۔

آیئے! آپ ﷺ کے حج کی تفصیلات کو بالوضاحت بیان کرنے والے صحابی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی اس خطبے کے الفاظ اور معانی پر غور کرتے ہیں جو آپ ﷺ نے "قصواء" نامی اونٹنی پر سوار ہو کر ارشاد فرمایا، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ حمد وثناء کے بعد فرمایا:

"إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ، فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا

[1] السنن الكبریٰ للبیهقی ،كتاب الحج ،باب الخطب التی یستحب للامام....: 9436

تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذَالِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ، كِتَابُ اللهِ، وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟» قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ، فَقَالَ: بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ، يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ «اَللّٰهُمَّ، اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ، اشْهَدْ» ثَلَاثَ مَرَّاتٍ» [1]

''تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہے جس طرح تمہارے اس مہینے میں، تمہارے اس شہر میں آج کا دن محترم ہے۔ آگاہ رہو کہ جاہلیت کے کاموں میں سے ہر چیز میرے قدموں کے نیچے پامال ہے۔ میں زمانہ جاہلیت کے خون معاف کرتا ہوں۔ ہمارے بہائے گئے خونوں میں سے سب سے پہلا خون جسے میں معاف کرنے کا اعلان کرتا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کے بیٹے کا ہے جو بنو سعد میں دودھ پیتا بچہ تھا اور ہذیل نے بنو سعد سے جنگ کے دوران اسے قتل کر دیا تھا۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت کا سود (میرے قدموں تلے) پامال ہے۔ میں سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کا سارا سود معاف کرتا ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امان کے ساتھ حاصل کیا ہے اور اللہ ہی کے حکم سے انہیں اپنے لیے حلال سمجھا ہے۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر ایسے آدمی کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار سکتے ہو مگر ایسی مار نہیں جو نشان چھوڑ جائے۔ اسی طرح عورتوں کا بھی تم پر حق ہے کہ تم انہیں حسب توفیق کھانا پینا اور لباس فراہم کرو۔ میں تم میں ایک چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ تم

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ: 1218

سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے ؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے ہمیں اللہ کے احکام کی تبلیغ کر دی ،اپنا فرض ادا کر دیا اور آپ نے پوری خیر خواہی کی ہے اور نصیحت فرمائی ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر لوگوں کی طرف کرتے ہوئے فرمایا:"اے اللہ ! گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ ! گواہ رہنا۔"

صحابی رسول جناب ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے خطبے میں فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَعْطَى لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ، الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ، وَمَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوِ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ التَّابِعَةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا تُنْفِقُ امْرَأَةٌ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا. قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا الطَّعَامَ؟ قَالَ: ذَالِكَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا ثُمَّ قَالَ: الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ، وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ، وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ، وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ» (1)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیا ہے، لہٰذا اب وارث کے حق میں کسی قسم کی وصیت جائز نہیں۔ بچہ بستر والے کا شمار ہو گا اور زانی کو پتھر مارے جائیں گے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کی یا اپنے آزاد کرنے والے کی بجائے کسی اور کو اپنا آقا مانا تو اس پر قیامت کے دن تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو گی۔ سن لو! کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ بھی خرچ نہ

(1) جامع ترمذی، کتاب الوصایا، باب ما جاء لا وصیۃ لوارث: 2120،قال الالبانی ، صحیح

کرے۔" آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا کسی کو کھانا بھی نہیں دے سکتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:"یہی (کھانا) تو ہمارا افضل ترین مال ہے۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:"ادھار لی ہوئی چیز کو واپس کرنا لازم ہے۔ دودھ کا جانور بھی واپس کرنا ضروری ہے۔ قرضے کی ادائیگی ازحد ضروری ہے اور ضامن کو زرِ ضمانت ادا کرنا پڑے گا"۔

جامع ترمذی کی ایک اور روایت میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں نے حجۃ الوداع میں عرفات کے دن رسول اللہ ﷺ کو اپنی اونٹنی "قصواء" پر سوار خطبہ دیتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ فرمارہے تھے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللهِ، وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي»(1)

"اے لوگو! میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے، وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری عترت یعنی اہل بیت ہیں"۔

رسول مقبول ﷺ کی ایک صحابیہ سیدہ ام حصین رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی چادر کو اپنی بغل کے نیچے سے لپیٹا ہوا تھا اور فرمارہے تھے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللهَ، وَإِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجَدَّعٌ فَاسْمَعُوا لَهُ، وَأَطِيعُوا مَا أَقَامَ لَكُمْ كِتَابَ اللهِ»(2)

"اے لوگو! اللہ سے ڈرو، سنو اور اطاعت کرو، چاہے کسی ناک کٹے حبشی ہی کو تمہارا امیر مقرر کر دیا جائے۔ یہ (اطاعت) اس وقت تک ہے جب تک وہ تم میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نافذ کرے"۔

---

(1) جامع ترمذی، کتاب المناقب ، باب مناقب اهل بيت النبی ﷺ: 3786،قال الالبانی،صحیح

(2) جامع ترمذ، کتاب الجهاد، باب ما جاء فی طاعة الامام: 1706،قال الالبانی ، صحیح

جناب مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ عرفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

«خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: " أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ أَهْلَ الشِّرْكِ وَالْأَوْثَانِ كَانُوا يَدْفَعُونَ مِنْ هَا هُنَا عِنْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ حَتّٰى تَكُونَ الشَّمْسُ عَلٰى رُءُوسِ الْجِبَالِ مِثْلَ عَمَائِمِ الرِّجَالِ عَلٰى رُءُوسِهَا هَدْيُنَا مُخَالِفٌ هَدْيَهُمْ وَكَانُوا يَدْفَعُونَ مِنَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ عَلٰى رُءُوسِ الْجِبَالِ مِثْلَ عَمَائِمِ الرِّجَالِ عَلٰى رُءُوسِهَا هَدْيُنَا مُخَالِفٌ لِهَدْيِهِمْ »[1]

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عرفات میں خطبہ دیا۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا:"امابعد! مشرکین یہاں سے غروب شمس کے وقت کوچ کیا کرتے تھے، جب سورج پہاڑوں کی چوٹیوں پر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے انسانوں کے سروں پر پگڑیاں ہوں۔ ہمارا طریقہ ان سے مختلف ہے۔ اسی طرح وہ مشعر حرام سے اس وقت روانہ ہوتے تھے جب سورج پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح لگتا تھا جیسے انسانوں کے سروں پر پگڑیاں ہوں۔ لیکن ہمارا طریقہ ان کے طریقے سے الگ ہے"۔

مسند الامام احمد بن حنبل کی ایک روایت میں خطبہ عرفات میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

«أَرِقَّاءَكُمْ أَرِقَّاءَكُمْ أَرِقَّاءَكُمْ أَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ وَاكْسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ، فَإِنْ جَاءُوا بِذَنْبٍ لَا تُرِيدُونَ أَنْ تَغْفِرُوهُ فَبِيعُوا عِبَادَ اللهِ وَلَا تُعَذِّبُوهُمْ »[2]

"اپنے ماتحت غلاموں کا خاص خیال رکھنا۔ انہیں وہی کھلانا اور پہنانا جو تم خود کھاتے اور پہنتے ہو۔ اور اگر وہ کوئی ایسا گناہ (جرم یا غلطی) کر بیٹھیں جسے تم

(1) السنن الكبرىٰ للبيهقى، كتاب الحج، باب الدفع من المردلفه: 9521

(2) مسند احمد، حديث عبدالرحمان يزيد: 16409، قال شعيب الارناؤط ،اسناده ضعيف

معاف نہ کرنا چاہو تو سزا دینے کے بجائے انہیں فروخت کر دینا"۔

اللہ رب العزت نے اسی دن آپ ﷺ اور آپ کی امت پر احسان عظیم فرمایا کہ "تکمیل دین" کا مژدہ جان فزا اور اتمام نعمت کی خوشخبری میدان عرفات میں خطبہ حجۃ الوداع کے بعد اسی دن نازل فرمائی، ارشاد ہوا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ:3)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام بطور دین پسند کر لیا"۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

«قَدْ عَرَفْنَا ذَالِكَ الْيَوْمَ، وَالْمَكَانَ الَّذِي نَزَلَتْ فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ»[1]

"تحقیق ہم اس دن اور اس مقام کو جانتے ہیں جب یہ (تکمیل دین والی) آیت نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی۔ اس وقت آپ ﷺ عرفات میں قیام فرما تھے اور جمعہ کا دن تھا"۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کے دن خطبہ حج میں یہ بات بھی ارشاد فرمائی:

«أَلَا وَإِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ، وَأُكَاثِرُ بِكُمُ الْأُمَمَ، فَلَا تُسَوِّدُوا وَجْهِي، أَلَا وَإِنِّي مُسْتَنْقِذٌ أُنَاسًا، وَمُسْتَنْقَذٌ مِنِّي أُنَاسٌ، فَأَقُولُ: يَا رَبِّ أُصَيْحَابِي؟ فَيَقُولُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ»[2]

"خبردار! میں حوض کوثر پر تم سے پہلے پہنچ جاؤں گا اور تمہاری کثرت تعداد

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب زیادۃ الایمان ونقصانہ: 45

(2) سنن ابن ماجه، ابواب المناسک، باب الخطبة یوم النحر: 3057،قال الالبانی ،صحیح

کے باعث دوسری امتوں پر فخر کروں گا، تم اس دن مجھے رسوا نہ کرنا، خبردار! کچھ لوگوں کو میں جہنم سے آزاد کرواؤں گا۔ اور کچھ لوگ مجھ سے چھین لیے جائیں گے تو میں کہوں گا۔ اے میرے پروردگار! یہ تو میرے ساتھی یعنی میرے امتی ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ آپ کو نہیں معلوم، کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کتنے نئے کام ایجاد کر لیے تھے"۔

آپ ﷺ یہ خطبہ عرفات معاشرتی، معاشی، دعوتی، تبلیغی، تربیتی اور اخلاقی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ در حقیقت یہ خطبہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا خلاصہ اور اس کی عملی تفسیر ہے۔ آپ اس خطبہ رسول کے ایک ایک جملے اور فقرے پر غور فرمائیں تو اس کا ہر کلمہ خطابت اور فصاحت و بلاغت کا حسین شاہکار نظر آتا ہے۔

خطبہ یوم النحر:

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کی رفاقت و معیت میں فریضہ حج ادا کرنے والے جاں نثاروں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار تھی۔ ان تمام لوگوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کرنے کی خاطر آپ ﷺ نے دس ذوالحجہ 11 ہجری بروز ہفتہ کو میدان منیٰ میں جمرات کے قریب ایک قیمتی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں خطبہ عرفات کی بعض چیزوں کو دہرانے کے علاوہ مزید احکام و مسائل بھی بیان فرمائے۔ یہ خطبہ بھی آپ ﷺ کی حسن خطابت کا اعلیٰ نمونہ ہے جسے ہم ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث میں خطبہ یوم النحر کو بیان فرمایا گیا ہے جس کے الفاظ و ترتیب میں معمولی فرق ہے ہم تین احادیث کے الفاظ کو اکٹھا بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ مراد رسول کو سمجھنے میں آسانی اور سہولت ہو۔ آپ ﷺ نے یہ خطبہ اور خطاب بھی اونٹنی یا خچر (شہباء) پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا:

«إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمٰوَاتِ

وَالْأَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ شَهْرُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ "ثُمَّ قَالَ: «أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟» قُلْنَا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: «أَلَيْسَ ذَا الْحِجَّةِ؟» قُلْنَا: بَلٰى، قَالَ: «فَأَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟» قُلْنَا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: «أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ؟» قُلْنَا: بَلٰى، قَالَ: «فَأَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟» قُلْنَا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: «أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟» قُلْنَا: بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: " فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ - قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ: وَأَعْرَاضَكُمْ - حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ، فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا - أَوْ ضُلَّالًا - يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يُبَلِّغُهُ يَكُونُ أَوْعٰى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ " ثُمَّ قَالَ: «أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟» (1)

"خبر دار! زمانہ گھوم پھر کر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا ہے اس دن کی طرح جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین لگا تار ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور (چوتھا) رجب مضر جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان

(1) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع: 4406؛ وکتاب الحج، باب الخطبۃ ایام منی: 1739، 1741؛ صحیح مسلم، کتاب القسامۃ والمحاربین، باب تغلیظ تحریم الدماء و الاعراض والاموال: 1679

ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا، یہ کون سا دن ہے؟" ہم نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے۔ ہم نے سمجھا شاید آپ اس کے مشہور نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے۔ لیکن پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟" ہم نے عرض کی: کیوں نہیں؟ یہ قربانی ہی کا دن ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ کون سا مہینہ ہے؟" ہم نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ ہم نے خیال کیا کہ شاید آپ اس کے مشہور نام کے علاوہ کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں؟" ہم نے جواب دیا: کیوں نہیں؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ کون سا شہر ہے؟" ہم نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر معلوم ہے۔ آپ ﷺ بدستور خاموش رہے۔ ہم نے خیال کیا کہ آپ اس شہر کا کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں ۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا یہ مکہ مکرمہ نہیں ہے؟" ہم نے کہا: جی ہاں! یہ مکہ ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر اسی طرح محترم ہیں جس طرح تمہارا یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر تمہارے لیے مقدس و محترم ہے۔ عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے۔ وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا، خبردار! تم میرے بعد کافر و گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔ سنو! یہاں جو لوگ موجود ہیں، وہ غیر موجود لوگوں تک یہ باتیں پہنچا دیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعد میں سننے والے بعض لوگ اس وقت میری باتیں سننے والے کچھ لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں ۔ خبردار! کیا میں نے بات پہنچا دی ہے؟"

صحابی رسول جناب عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ

الوداع میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے سنا، آپ فرمار ہے تھے:

«أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؛ قَالُوا: يَوْمُ الحَجِّ الأَكْبَرِ. قَالَ: فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ. أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ عَلَى وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ عَلَى وَالِدِهِ. أَلَا وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ مِنْ أَنْ يُعْبَدَ فِي بِلَادِكُمْ هٰذِهِ أَبَدًا وَلٰكِنْ سَتَكُونُ لَهُ طَاعَةٌ فِيمَا تَحْتَقِرُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَسَيَرْضَى بِهِ»[1]

”آج کون سا دن ہے ؟ لوگوں نے کہا: حج اکبر (دس ذی الحجہ) کا دن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزت وآبرو تمہارے درمیان اسی طرح محترم ہے جیسے تمہارا آج کا دن تمہارے اس شہر میں محترم و مقدس ہے۔ خبردار! جرم کا ذمہ دار صرف مجرم ہی ہو گا۔ باپ کے جرم کی ذمہ داری بیٹے پر اور بیٹے کے جرم کی ذمہ داری باپ پر عائد نہیں ہو گی۔ آگاہ رہو! شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ تمہارے اس شہر میں اب کبھی اس کی عبادت ہو گی لیکن بعض اعمال میں جنہیں تم حقیر سمجھتے ہو، اس کی اطاعت کی جائے گی اور وہ اس پر راضی ہو جائے گا“۔

سیدنا جبیر بن معظم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں خیف کے مقام پر کھڑے ہو کر فرمایا:

«نَضَّرَ اللهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي، فَبَلَّغَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ، غَيْرُ فَقِيهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ. ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُؤْمِنٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ، وَالنَّصِيحَةُ لِوُلَاةِ الْمُسْلِمِينَ، وَلُزُومُ

[1] جامع ترمذی، کتاب الفتن ، باب ما جاء دماءکم واموالکم علیکم حرام: 2159، قال الالبانی، صحیح

جَمَاعَتِهِمْ ، فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ ، تُحِيطُ مِنْ وَرَائِهِمْ »[1]

”اللہ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جو میری بات (حدیث) سن کر آگے پہنچاتا ہے۔ بہت سے علم و فقہ کے حامل ایسے ہوتے ہیں جو در حقیقت دانا اور فقیہ نہیں ہوتے۔ اور بہت سے علم و فقہ کے حامل اپنے سے زیادہ دانا اور فقیہ کو (دینی علوم) پہنچاتے ہیں۔ تین باتوں میں مومن کا دل خیانت نہیں کر سکتا (۱) اللہ کے لیے اخلاص عمل میں (۲) مسلمانوں کے امراء کی خیر خواہی میں اور (۳) مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے میں کیونکہ ان کی دعا دوسروں کو بھی شامل ہوتی ہے“۔

جناب ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ ﷺ حکم دے رہے تھے:

«اِتَّقُوا اللهَ رَبَّكُمْ ، وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ ، وَصُومُوا شَهْرَكُمْ ، وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ ، وَأَطِيعُوا ذَا أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ »[2]

”لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچوں نمازیں پڑھو، رمضان کے روزے رکھو۔ اپنے مال کی زکاۃ ادا کرو اور اپنے امیر کی اطاعت کرو، تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے“۔

جناب سلمہ بن قیس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا:

«أَلَا إِنَّمَا هُنَّ أَرْبَعٌ : أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا ، وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ، وَلَا تَزْنُوا ، وَلَا تَسْرِقُوا »[1]

---

(1) سنن ابن ماجه، ابواب المناسک ،باب الخطبة يوم النحر : 3056،قال الالبانی ، صحیح

(2) جامع ترمذی، ابواب السفر:616،قال الالبانی ، صحیح

(3) مسند الامام احمد :18989۔قال شعیب الارناؤط ،اسناده صحیح

"خبر دار! چار چیزیں ایمان کا حصہ ہیں (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ (۲) جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اسے ہر گز قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ (۳) زنا نہ کرو۔ اور (۴) چوری نہ کرو"۔

رسول مکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں دجال کی آمد اور پیش آمدہ حالات کا بھی تفصیلی تذکرہ فرمایا جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے:

«فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ ذَكَرَ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ فَأَطْنَبَ فِي ذِكْرِهِ، وَقَالَ: " مَا بَعَثَ اللهُ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَنْذَرَ أُمَّتَهُ، أَنْذَرَهُ نُوحٌ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ بَعْدِهِ، وَإِنَّهُ يَخْرُجُ فِيكُمْ، فَمَا خَفِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ شَأْنِهِ فَلَيْسَ يَخْفٰى عَلَيْكُمْ: أَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ عَلٰى مَا يَخْفٰى عَلَيْكُمْ ثَلَاثًا، إِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، وَإِنَّهُ أَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنٰى، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ، أَلَا إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ " قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: «اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ - ثَلَاثًا - وَيْلَكُمْ، أَوْ وَيْحَكُمْ، اُنْظُرُوا، لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»[1]

" رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر دجال کا تفصیل سے تذکرہ کیا اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء بھیجے ہیں انہوں نے اپنی اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے۔ نوح علیہ السلام نے بھی اور ان کے بعد آنے والے انبیاء نے بھی اپنی امتوں کو اس سے ڈرایا۔ یاد رکھو وہ تم ہی میں نکلے گا۔ اور اس (کے جھوٹے ہونے) کی کوئی بات تم سے مخفی رہ بھی گئی تو تم پر یہ مخفی نہ رہے کہ تمہارا رب اس ہیئت و صورت پر نہیں جو تم پر مخفی رہے۔ (آپ ﷺ نے

(1) صحيح بخاری ، كتاب المغازی، باب حجة الوداع: 4402، 4403

یہ بات تین مرتبہ بیان فرمائی) بے شک تمہارا رب کانا نہیں ہے جبکہ دجال دائیں آنکھ سے کانا ہو گا۔ اس کی آنکھ انگور کے دانے جیسی ہو گی۔ خبر دار! اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے خون اور اموال اسی طرح حرام کیے ہیں جیسے اس دن کی حرمت اس شہر کی اور اس مہینے میں ہے۔ تو کیا میں نے بات پہنچا دی؟"
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب کہ ہاں آپ نے حق ادا کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: "اے اللہ! تو گواہ رہنا۔" پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"تم پر افسوس! تم میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے رہو"۔

خطبہ ایام تشریق:

11، 12، 13 ذوالحجہ کو "ایام تشریق" کہا جاتا ہے ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے حجۃ الوداع کے دوران ایام تشریق کے درمیانی دن یعنی 12 ذوالحجہ کو منیٰ میں خطاب فرمایا جسے "خطبہ یوم الرؤس" کہا جاتا ہے جیسا کہ بنو بکر کے دو آدمیوں سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

رَأَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «يَخْطُبُ بَيْنَ أَوْسَطِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ، وَنَحْنُ عِنْدَ رَاحِلَتِهِ وَهِيَ خُطْبَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي خَطَبَ بِمِنًى»[1]

"ہم نے رسول اللہ ﷺ کو ایام تشریق کے درمیانی دن خطبہ دیتے ہوئے دیکھا۔ ہم آپ ﷺ کی سواری کے قریب ہی تھے اور یہ رسول اللہ ﷺ کا وہ خطبہ ہے جو آپ نے منیٰ میں ارشاد فرمایا"۔

سنن ابی داؤد کی اس سے اگلی حدیث میں اسی دن کو "یوم الرؤس" کہا گیا ہے اور یہ 12 ذوالحجہ 10 ہجری سوموار کا دن ہے۔ آیئے! معلوم کرتے ہیں کہ اس خطبہ، خطاب اور تقریر

(1) سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب ای یوم یخطب بمنی :1952، قال الالبانی، صحیح

میں آپ ﷺ نے فصاحت وبلاغت اور ایجاز واعجاز کے موتی کیسے بکھیرے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ خطبہ بھی تقریباً انہی احکام ومسائل پر مشتمل ہے جو آپ ﷺ نے یوم عرفہ اور یوم النحر میں بیان فرمائے، البتہ اس خطبہ میں بعض امور کا اضافہ فرمایا۔ ارشاد ہوا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى أَبَلَّغْتُ» (1)

"اے لوگو! آگاہ رہو، تمہارا رب ایک ہے۔ تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) بھی ایک ہی ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی، کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی برتری اور فضیلت نہیں۔ اگر کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل ہے تو وہ تقویٰ ہی کی بنیاد پر ہے۔ کیا میں نے تمہیں بات پہنچادی ہے؟"۔

آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان عالی شان میں رنگ، نسل، برادری، قوم، قبیلے اور وطن کے تمام بتوں کو پاش پاش کر کے انسانی مساوات کا عام اعلان فرمادیا۔ اور تقویٰ کو انسانی عظمت اور فضیلت کا معیار قرار دے کر ہر قسم کے غرور، فخر اور تکبر کا خاتمہ کر دیا۔

سراء بنت نبہان رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«هَلْ تَدْرُونَ فِي أَيِّ يَوْمٍ هَذَا»

"کیا تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟"۔

اور یہ وہ دن تھا جسے یوم الرؤوس کا نام دیا جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا،

(1) مسند الامام احمد، حدیث رجل من اصحاب النبی ﷺ: 23489، قال شعیب الارناؤط، اسنادہ صحیح

«إِنَّ هٰذَا أَوْسَطُ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ» "یہ ایام تشریق کا درمیانہ دن ہے"۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَلْ تَدْرُونَ أَيَّ بَلَدٍ هٰذَا؟»

"کیا تمھیں پتہ ہے یہ شہر کون سا ہے؟"۔

وہ کہنے لگے: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا مَشْعَرُ الْحَرَامِ» "یہ حرمت والا مقام ہے"۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَعَلِّي لَا أَلْقَاكُمْ بَعْدَ عَامِي هٰذَا. أَلَا وَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا. فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا. حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ فَيَسْأَلَكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ. أَلَا فَلْيُبَلِّغْ أَدْنَاكُمْ أَقْصَاكُمْ. أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ»[1]

"ممکن ہے آئندہ سال میں تم سے نہ مل سکوں۔ خبردار! تمہارے خون، اموال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ آج کا دن تمہارے اس شہر میں تمہارے لیے مقدس و محترم ہے۔ یہ حرمت اس وقت تک قائم رہے گی جب تم اپنے رب سے ملو گے۔ وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں بازپرس کرے گا۔ خبردار! تم میں سے ہر شخص اپنے سے دور والے کو یہ باتیں پہنچادے۔ خبردار! کیا میں نے بات پہنچادی؟"۔

ابو حرہ رقاشی اپنے چچا سے بیان کرتے ہیں کہ میں ایام تشریق کے درمیانے دن رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھا اور لوگوں کے ہجوم میں آپ ﷺ کے لیے راستہ بنا رہا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ آج کون سا دن ہے؟ حرمت والا دن ہے، مہینہ

---

(1) المعجم الاوسط للطبرانی: 2430

بھی حرمت والا ہے اور شہر بھی حرمت والا ہے۔ بے شک تمہارے خون، اموال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے تمہارا آج کا دن، اس مہینہ اور اس مقدس شہر میں حرمت والا ہے۔ یہ حرمت قیامت کے دن تک قائم رہے گی۔ میری بات سنو! تم (میری نصیحت پر عمل کرکے) پر سکون زندگی گزارو گے۔ خبردار! ظلم نہ کرنا۔ خبردار ظالم نہ بننا۔ خبردار ظلم سے باز رہنا۔ کسی شخص کا مال اس کی قلبی رضامندی کے بغیر کسی دوسرے شخص کے لیے حلال نہیں۔ خبردار! ہر قسم کے خون، اموال اور جاہلی فخر و غرور آج میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں، سب سے پہلا خون جو معاف کیا جاتا ہے، وہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے۔ وہ بنو لیث میں دودھ پی رہا تھا کہ ہذیل نے اسے قتل کر دیا تھا۔ آگاہ رہو! جاہلیت کے تمام سود آج سے کالعدم قرار دیے جاتے ہیں اور سب سے پہلا سود جو کالعدم قرار دیا جاتا ہے، وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ تمہارے لیے اب صرف تمہارا اصل مال (حلال) ہو گا۔ تم کسی پر ظلم نہ کرو، نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔ خبردار! زمانہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ﴾ (توبہ 10: 36)

”بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ مہینے ہے۔ اسی دن سے جب سے اس نے آسمانوں و زمین کو پیدا فرمایا ہے، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ یہی صحیح دین ہے۔ تم ان مہینوں میں (قتال ناحق سے) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرنا“۔

خبردار! میرے بعد کافر بن کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنا۔ آگاہ رہو!

شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ نمازی لوگ اس کی عبادت کریں لیکن وہ تمہیں آپس میں لڑانے سے مایوس نہیں ہوا۔ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ یہ عورتیں تمہارے پاس مددگار کی حیثیت سے ہیں۔ وہ اپنے لیے کسی چیز کی مالک نہیں ہیں۔ ان کے تم پر اور تمہارے ان پر حقوق ہیں۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ تمہارے بستروں پر تمہارے علاوہ کسی اور کو جگہ نہ دیں اور کسی ایسے شخص کو گھر آنے کی اجازت نہ دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ اور اگر تمہیں ان کی نافرمانی کا خدشہ ہو تو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں ایسے طریقے سے ضرب لگاؤ کہ اس کا نشان نہ پڑے۔ اور ان کا تم پر حق یہ ہے کہ ان کا نان و نفقہ اور لباس وغیرہ اپنی استطاعت کے مطابق فراہم کرو۔ تم نے انہیں اللہ کی امان کے ساتھ حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعے انہیں اپنے لیے حلال کیا ہے۔ سن لو! جس کے پاس کسی کی امانت ہو، وہ اسے واپس کرے۔ یہ بات کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ آگے پھیلایا، پھر فرمایا: "کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ کیا میں نے بات آگے پہنچا دی؟ کیا میں نے تبلیغ کر دی؟" پھر فرمایا: "کیا میں نے یہاں موجود لوگوں تک یہ باتیں پہنچا دیں کیونکہ بہت سے لوگ جنہیں بات پہنچائی جاتی، وہ سننے والے سے زیادہ سعادت مند ہوتے ہیں"۔[1]

حدیث و سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں آپ ﷺ کے اور کئی خطبات، تقاریر اور ارشادات ایسے ہیں جنہیں "خطبہ حجۃ الوداع" کے طور پر ذکر کیا گیا ہے مگر ہم نے اختصار کے سبب آپ ﷺ کے حجۃ الوداع کے موقع پر دیے گئے چند خطبات کا ذکر کیا ہے۔

آپ غور فرمائیں تو آپ ﷺ کا ہر خطبہ ہر خطبے کا ہر فقرہ اور ہر جملہ اپنے اندر خطیبانہ تاثیر اور ادیبانہ خاصیت رکھتا ہے۔

---

[1] مسند الامام احمد ،حدیث عم ابی حرۃ الرقاشی:20695،قال شعیب الارناؤط،صحیح لغیرہ

اللہ تعالیٰ سے بصد عجز و انکسار دعا ہے کہ مولائے کریم امت کے تمام خطباء اور علماء کو رسول اکرم ﷺ جیسی ہمدردی، خیر خواہی، جذبہ اصلاح اور خطیبانہ انداز نصیب فرمائے کیونکہ:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب 33: 21)

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے"۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ○

••••

بے انتہا شکر ہے رب کریم کا جس نے اپنے خاص فضل و کرم سے 26 جولائی 2017ء بمطابق 2 ذوالقعدہ 1438ھ بروز بدھ بوقت 6 بجے شام "خطبات سیرت مصطفیٰ ﷺ" جلد سوم مکمل کرنے کی سعادت و توفیق مرحمت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو مقبول منظور فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

عبد الستار حامد

26/07/2017



خطبات سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم





مکتبہ اسلامیہ

لاہور: ہادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37244973 - 37232369

فیصل آباد: بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ فیصل آباد
041-2631204 - 2641204

www.maktabaislamia.com.pk
Facebook.com/maktabaislamia1
maktabaislamiainfo@gmail.com